جس دھج سے کوئی مقتل کو گیا

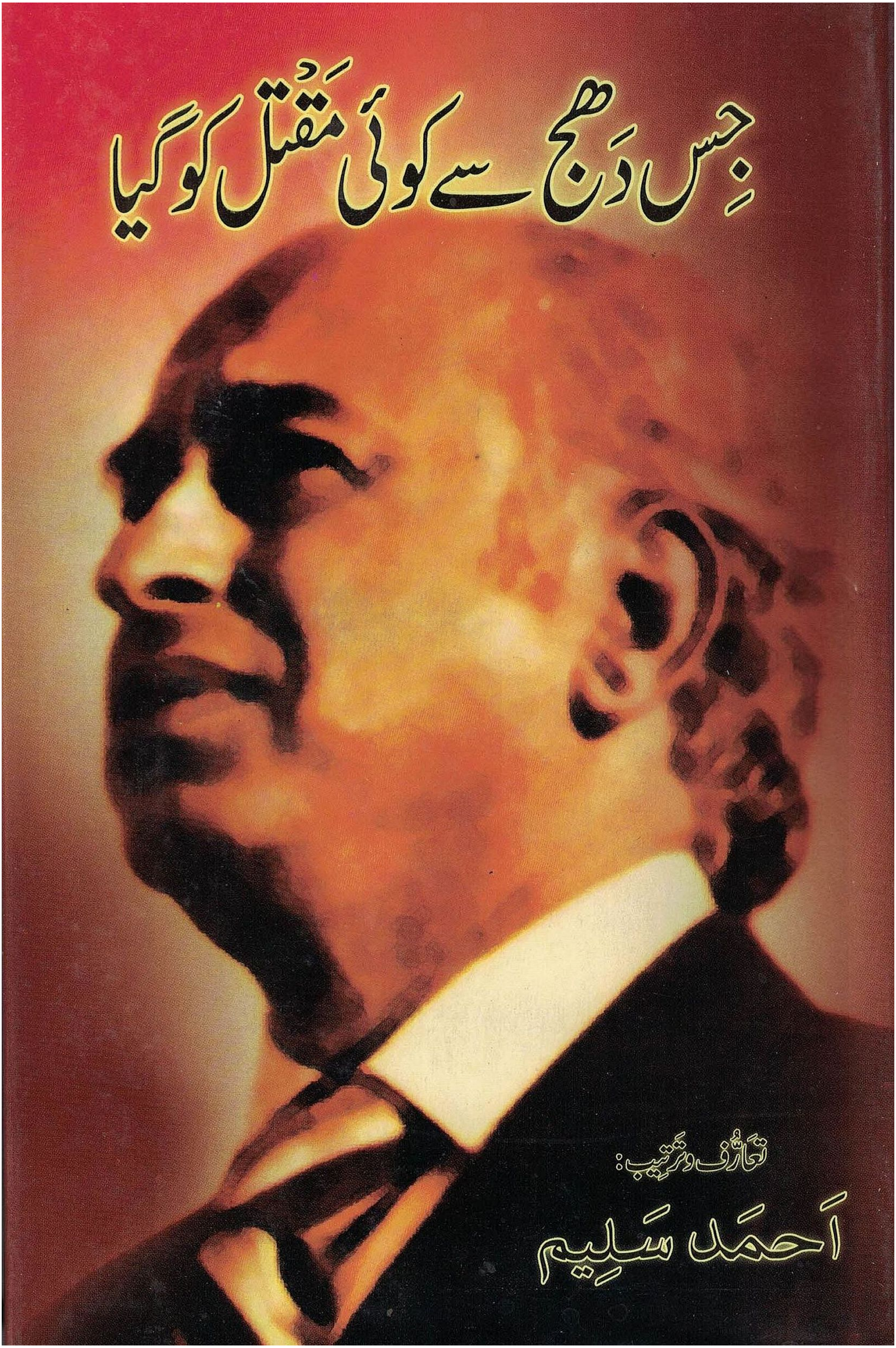

تعارف و ترتیب:

احمد سلیم

جس دھج سے کوئی مقتل کو گیا

ترتیب و تعارف

احمد سلیم

پیش لفظ

محترمہ بے نظیر بھٹو

اس کتاب کی طباعت واشاعت کے جملہ حقوق بحق ناشر
قائدِعوام آرکائیوز کے پاس محفوظ ہیں۔

سالِ اشاعت	......	مارچ 2006ء
تعداد	......	1000
پرنٹر	......	واحد آرٹ پریس
		021-2018387
قیمت	......	310 روپے

چوتھی منزل، شیخ سلطان ٹرسٹ بلڈنگ نمبر 2، بیمنٹ روڈ، کراچی
فون: 6-021-5218095 فیکس: 021-9206251

www.bhutto.org

جس دھج سے کوئی مقتل کو گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے، اس کی تو کوئی بات نہیں

فیض احمد فیض

www.bhutto.org

www.bhutto.org

فہرست

صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار
15	پیش لفظ — محترمہ بے نظیر بھٹو	
19	مرتب کا نوٹ — احمد سلیم	

حصہ اول: پھانسی کے سائے میں

صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار
25	بھٹو آیت اللہ سے دس گنا زیادہ طاقتور ثابت ہونگے۔ (اسٹیٹمین، انڈیا)	-1
61	انتخابات میں بھٹو کی کامیابی یقینی تھی (رابرٹ بیڈنٹر، لے نوویل آبزرویٹر)	-2
67	بے نظیر بھٹو سابق وزیراعظم کی سیاسی آواز ہیں (ڈیوڈ ڈوڈول، فائنانشل ٹائمز، لندن) 6 اکتوبر 1978	-3
72	سابق صدر کی سبکدوشی نے آئینی تسلسل کی آخری علامت بھی مٹا دی (اکنامسٹ کا تبصرہ) 23 ستمبر 1978	-4
74	جنرل ضیاء کو خطرہ تھا کہ فضل الٰہی چوہدری بھٹو کی سزا معاف کر دینگے۔ (ایشیا ویک)	-5
76	بھٹو منزل بہ منزل (ایشیا ویک)	-6
79	بین الاقوامی رائے عامہ کا نظر انداز کرنا پاکستان کیلئے خطرناک ہوگا۔ (وائس آف کشمیر انٹرنیشنل، لندن) فروری 1979	-7
81	بھٹو کو چھوڑ دیا جائے گا؟ (عرب نیوز جدہ) 7 فروری 1979	-8
84	بھٹو رحم کی اپیل نہیں کریں گے (کرسچین مونیٹر) 7 فروری 1979	-9

www.bhutto.org

-10	بھٹو اس سے زیادہ مقبول ہیں جتنے فوجی بغاوت سے پہلے تھے۔ (نیویارک ٹائمز) 7 فروری 1979	86
-11	ضیاء خود کو خدا کا منتخب کردہ سمجھتے ہیں (ڈیلی ٹیلیگراف) 7 فروری 1979	88
-12	بھٹو کو پھانسی دینا پاکستان کے مفاد میں نہیں ہوگا۔ (ڈیلی ٹیلیگراف لندن) 7 فروری 1979	91
-13	ایک قبر، دو آدمی (بروس لوڈن، ڈیلی ٹیلیگراف) 7 فروری 1979	93
-14	قومی افتخار کو بلند کرنے کے سلسلے میں ان کی خدمات کا اعتراف ان کے بعض دشمنوں نے بھی کیا (ہیرالڈ ٹریبون، نیویارک) 7 فروری 1979	96
-15	بھٹو اب بھی پاکستان میں مقبول ہیں (دی جاپان ٹائمز) 7 فروری 1979	100
-16	وہ تاریخ میں ایک عظیم انسان کی حیثیت سے زندہ رہیں گے: نصرت بھٹو (بنگلہ دیش ٹائمز) 7 فروری 1979	102
-17	ضیاء، بھٹو اور ان کے حامیوں سے خائف تھے۔ (ڈیلی ٹیلیگراف لندن) 8 فروری 1979	106
-18	سزائے موت برقرار (دی اکانومسٹ) 10 فروری 1979	108
-19	بھٹو نے سزائے موت کی خبر کو سکون اور جرأت سے سنا (دی اکانومسٹ. لندن) 10 فروری 1979	110
-20	ضیاء نے اپنے ہی وضع کردہ قوانین کی دھجیاں اڑا دیں (بلٹز، بمبئی) 10 فروری 1979	113
-21	بھٹو دوران تعلیم ہی قائداعظم کے معتقد بن گئے تھے۔ (روزنامہ اجیت، جالندھر) 10 فروری 1979	116

www.bhutto.org

22-	یہ مقدمہ ایک سیاسی ڈائنامائیٹ ہے (ڈیلی آبزرور، لندن) 11 فروری 1979	120
23-	بھٹو شہید یا ...... ؟ (ڈیلی عرب نیوز، جدہ) 12 فروری 1979	122
24-	میں موت کی کوٹھڑی میں مرنے کیلئے پیدا نہیں ہوا، بھٹو (روزنامہ عرب نیوز جدہ) 12 فروری 1979	125
25-	ذلت آمیز شکست کے بعد ملک کو بھٹو نے وقار بخشا۔ (دی جاپان ٹائمز) 13 فروری 1979	128
26-	بھٹو کو پھانسی دینے سے منحوس روایت قائم ہو جائے گی۔ (ریمزے کلارک، نیویارک ٹائمز) 14 فروری 1979	131
27-	بھٹو ازم جاری رہے گا (فار ایسٹرن اکنامک ریویو) 16 فروری 1979	134
28-	اے روشنی طبع تو برمن بلا شدی۔ (فار ایسٹرن اکنامک ریویو) 16 فروری 1979	136
29-	سزا کا فیصلہ متفقہ نہیں ہے: روزنامہ مساوات۔ (ایشیا ویک) 16 فروری 1979	141
30-	اسلامی تعزیرات کے تحت بھٹو کو پھانسی نہیں دی جا سکتی۔ (دی اکانومسٹ، لندن) 17 فروری 1979	144
31-	پھانسی سے انکار فاش غلطی ہوگی (ڈیلی آبزرور) 18 فروری 1979	146
32	اگر ملک میں سکون ہے تو بھٹو کے وفادار حامیوں کی گرفتاری کے کیا معنی ہیں؟ (گارجین، لندن) 18 فروری 1979	147
33-	بھٹو کو پھانسی دینا خطرناک ہوگا (دی گارجین، لندن) 18 فروری 1979	150

www.bhutto.org

-34	مردہ بھٹو، زندہ بھٹو کی نسبت کم خطرہ ہیں (نیوز ویک) 19 فروری 1979	155
-35	پاکستان میں تین آئین (ہفت روزہ ٹائم) 19 فروری 1979	159
-36	آخری فیصلہ ضیاء، چشتی، چوہدری محمد علی اور غلام اسحاق کریں گے۔ (ایشیا ویک) 23 فروری 1979	162
-37	بنگلہ دیش کے تباہ کن واقعے کے بعد بھٹو نے پاکستان کو مزید ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے بچایا تھا (عرب نیوز، جدہ) 27 فروری 1979	164
-38	بھٹو کی قیادت نے شکست خوردہ ملک اور عوام کو نیا اعتماد بخشا۔ (انٹرنیشنل ہیرالڈ ٹرائبیون) 28 فروری 1979	166
-39	بھٹو کے حامیوں کی زبردست نگرانی۔ (ڈیلی ٹیلیگراف بروس لوڈون) یکم مارچ 1979	172
-40	ضیاء بھٹو کو پھانسی دینے کا تہیہ کئے ہوئے ہیں۔ (ڈیلی ٹیلیگراف بروس لوڈون) 4 مارچ 1979	175
-41	حسنین معرفی کا انٹرویو (کویت ٹائمز) 7 مارچ 1979	178
-42	تمام پڑوسی ملکوں نے ضیاء سے کہا کہ وہ بھٹو کو چھوڑ دیں۔ (فار ایسٹرن اکنامک ریویو) 9 مارچ 1979	181
-43	پھانسی دی گئی تو نشانہ خود پاکستان ہوگا (ایشیا ویک) 9 مارچ 1979	185
-44	سپریم کورٹ کے فیصلے پر عمل درآمد کیا جائے گا: ضیاء (فار ایسٹرن اکنامک ریویو) 16 مارچ 1979	188
-45	پاکستان کو وقت دیا جائے (فار ایسٹرن اکنامک ریویو) 30 مارچ 1979	191

www.bhutto.org

حصہ دوم: شہادت کے بعد

1-	کویت کی تاریخ کا سب سے بڑا ماتمی جلوس لوگ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے (عرب ٹائمز) 5اپریل1979	201
2-	بھٹو کو پھانسی دے کر پوری دنیا کی توہین کی گئی ہے۔ (کویت ٹائمز) 5اپریل1979	204
3-	پھانسی نے بھٹو کو شہید بنادیا (سن ٹائمز شگاگو) 7اپریل1979	208
4-	بھٹو کی موت کے پروانے پر دستخط کر کے ضیاء نے اپنی موت کے پروانے پر دستخط کئے۔ (اکانومسٹ) 7اپریل1979	219
5-	بھٹو کا کوئی سیاسی متبادل پیدا نہیں ہوگا۔ (دی اکانومسٹ لندن) 7اپریل1979	212
6-	بھٹو کو اسلامی قوانین سے مستفید ہونے کی اجازت نہیں دی گئی (دس فورٹ نائٹ، نئی دہلی) 25اپریل1979	215
7-	پھانسی پاک و ہند تعلقات پر اثر انداز نہیں ہوگی: مرارجی ڈیسائی (فارایسٹرن اکنامک ریویو)	221
8-	بھٹو ایک آدمی مرگیا، بھٹو شہید پیدا ہوا (دس فورٹ نائٹ، نئی دہلی) 25اپریل1979	224
9-	بے نظیر پیپلز پارٹی کی قیادت کیلئے اپنے والد کی صحیح جانشین ہیں (دس فورٹ نائٹ، نئی دہلی) 25اپریل1979	227
10-	بھٹو خاندان پر اقربا پروری کا الزام نہیں لگایا جاسکتا (دس فورٹ نائٹ، نئی دہلی) 25اپریل1979	230

www.bhutto.org

-11	اسلامی قانون کے تحت بھٹو کو سزائے موت نہیں ہو سکتی تھی (دی گارجین) 11 اپریل 1979	232
-12	بھٹو پاکستان کا کرشمہ ساز رہنما۔ (فار ایسٹرن اکنامک ریویو) 13 اپریل 1979	237
-13	بھٹو شہید کی پھانسی نے پوری دنیا میں جنرل ضیاء کو تنہا کر دیا (ایشیا ویک) 13 اپریل 1979	242
-14	بھٹو شہید نے ملک کو انتشار سے بچایا اور وقار میں اضافہ کیا۔ (فار ایسٹرن اکناک ریویو)	244
-15	شاید یہ آخری قتل بھی ثابت نہ ہو۔ (خواجہ احمد عباس ہفت روزہ بلٹز، بمبئی) 14 اپریل 1979	247
-16	بھٹو کی وصیت ایک سیاسی ڈائنامائیٹ (بلٹز، بمبئی) 14 اپریل 1979	251
-17	جماعتیے کی ٹانگیں توڑ دیں (بلٹز، بمبئی) 14 اپریل 1979	254
-18	جمی کارٹر کا ''گرین سگنل'' (بلٹز، بمبئی) 14 اپریل 1979	255
-19	ضیاء قاتل ہیں: شاہنواز (دی ٹرائبیون، شکاگو) 14 اپریل 1979	257
-20	آزاد کشمیر کی سرحدی چوکیوں پر رینجرز کی بجائے فوج متعین کر دی گئی (ماچی ڈیلی) 15 اپریل 1979	260
-21	پاکستان کے واقعات پر بنگلہ دیش اور بھارت کے مسلمان حیرت زدہ ہیں (سنڈے، آنند بازار پتریکا کلکتہ) 16 اپریل 1979	264
-22	اگر بھٹو زندہ رہتے ہیں، تو ضیاء اقتدار پر قابض نہیں رہ سکتے۔ (سنڈے، آنند بازار پتریکا کلکتہ) 16 اپریل 1979	268

www.bhutto.org

-23	طارق علی سے تارا پد باسو کا انٹرویو (سنڈے، آنند بازار پتریکا کلکتہ) 16اپریل1979	272
-24	بھٹو کی موت کے خلاف وسیع بین الاقوامی ردعمل ایک علامت تھا (انٹرنیشنل ہیرالڈ ٹریبیون) 16اپریل1979	277
-25	امداد کیلئے جانسن کی شرط۔ ''بھٹو سے نجات دلاؤ'' (نیوز ویک) 16اپریل1979	282
-26	فوجی جائزے کے مطابق پیپلز پارٹی کو اب بھی قومی اتحاد سے زیادہ عوامی حمایت حاصل ہے (نیوز ویک) 16اپریل1979	285
-27	پاکستان بھٹو کے بعد (پندرہ روزہ انڈیا ٹوڈے) 16-30اپریل1979	289
-28	بھٹو کی پھانسی کے وقت پاکستان سو رہا تھا (پندرہ روزہ انڈیا ٹوڈے) 16-30اپریل1979	305
-29	سفاکانہ عدالتی قتل (دی سنڈے ٹیلیگراف) 18اپریل1979	308
-30	ضیاء نے خود اپنے کہے سے پھر جانے کی بنا پر خجالت آمیز شہرت حاصل کی ہے۔ (دی آبزرور، لندن) 18اپریل1979	312
-31	بھٹو کی تلوار کا سایہ پاکستان پر منڈلا رہا ہے (ایشیا ویک) 20اپریل1979	321
-32	بھٹو کی پھانسی سے شدید صدمہ پہنچا: یاسر عرفات (فار ایسٹرن اکنامک ریویو) 20اپریل1979	325
-33	بھٹو ایک شہید ہے: حافظ الاسد (فار ایسٹرن اکنامک ریویو) 20اپریل1979	329

www.bhutto.org

-34	بھٹو کے آخری لمحات (ایشیا ویک) 30 اپریل 1979	336
-35	بھٹو جماعت اسلامی کے لیڈروں کی خواہشات کی تکمیل میں سب سے بڑی رکاوٹ تھے (ایشیا ویک)	338
-36	پیپلز پارٹی مجوزہ انتخابات میں بھاری اکثریت سے کامیاب ہو جائے گی (فار ایسٹرن اکنامک ریویو) 27 اپریل 1979	341
-37	بھٹو کو پھانسی نہیں دی گئی بلکہ؟ (ہفت روزہ عوام نئی دہلی) 27 اپریل 1979	345
-38	جب بھٹو کو دہلی پریس کلب میں مدعو کیا گیا (ہفت روزہ عوام، نئی دہلی) 27 اپریل 1979	349
-39	پاکستان کا بحران (واشنگٹن پوسٹ)	352
-40	بھارت (سید احمد علی سعید)	355
-41	بھٹو، بیک وقت محبت اور نفرت کی ایک علامت (جاوید لئیق)	357
-42	بھٹو کو پھانسی دیکر دنیا بھر کی رائے عامہ کی توہین کی گئی (اسپکٹیٹر، لندن)	362
-43	بھٹو خاندان اور پیپلز پارٹی کے خلاف سخت کارروائیاں کی گئیں (دی ٹرائیبون، شکاگو) مئی 1979	367
-44	بھٹو کی پھانسی کے بعد فوجی حکومت قوم کی ''تنظیم نو'' کرنے پر تلی ہوئی ہے (ایشیا ویک) 4 مئی 1979	370
-45	''ہندوستان کو کچل دو'' کی تحریک بھٹو نے نہیں جماعت اسلامی نے چلائی تھی (ڈاکٹر ظفر نیازی، فار ایسٹرن اکنامک ریویو) 4 مئی 1979	372
-46	کیا پی پی پی کارکنوں کو انتخابات سے قبل رہا کر دیا جائے گا؟ (فار ایسٹرن اکنامک ریویو) 11 مئی 1979	374

www.bhutto.org

378	بھٹو ایک شخص مر گیا، بھٹو شہید پیدا ہو گیا (دس فورث نائٹ، نئی دہلی) 25 مئی 1979	47-
381	جنرل ضیاء کا دوسرا اقدام بھارت سے جنگ؟ (دس فورٹ نائٹ، نئی دہلی) 25 مئی 1979	48-
385	بھٹو کی پھانسی: پاکستان کو بھاری قیمت ادا کرنی پڑے گی (ٹیلی گرگر، برسٹن)	49-

حصہ سوم: تراشے

389	شاہی امام بھی مخالف ہو گئے (بلٹز، بمبئی) 14 اپریل 1979	1-
389	دی اسٹیٹسمین	2-
390	بھٹو کے دو مخالفین (ایشیا ویک) 4 مئی 1979	3-
391	نیوز ویک 2 اپریل 1979	4-
392	دی اکونومک ٹائمز	5-
392	پڑیوٹ	6-

حصہ چہارم: ضمیمہ جات

395	میں انہیں دکھا دونگا کہ عوام کا لیڈر اپنی جان کیسے دیتا ہے: بھٹو شہید (روزنامہ ٹائمز لندن)	1-
404	4 اپریل 1979 (ایلس فیض)	2-
408	نئے عیسیٰ نئے سقراط کی کہانی (احمد بشیر، روزنامہ فرنٹیئر پوسٹ، پشاور)	3-
424	ڈیتھ سیل ڈائری (ذوالفقار علی بھٹو) 27 جون 1979	4-

www.bhutto.org

پیش لفظ

احمد سلیم صاحب کی اس لاجواب کاوش کو ہم اس عنوان پر ایک بہترین کوشش کہہ سکتے ہیں، جس میں انہوں نے اپنے طور پر اس کتاب میں اس وقت کے واقعات پر مبنی عالمگیر انٹرویوز، خیالات، اداریے وغیرہ کو جمع کر کے ایک بہترین کتاب کی شکل دی ہے۔

ملک کو خانہ جنگی سے بچانے اور امن و امان کی صورتحال پر قابو پانے کے نعرہ کے تحت 5 جولائی 1977 کو ایک فوجی آپریشن کے ذریعے جنرل ضیاء الحق نے ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت پر قبضہ کر لیا۔ (حکومت کا تختہ الٹا دیا)۔ جنرل ضیاء الحق نے احتساب کے نئے نعرے کے ذریعے خود کو برقرار رکھتے ہوئے ذوالفقار علی بھٹو کو ایک خود ساختہ کیس میں گرفتار کیا جس کے تحت انہوں نے کسی سیاسی مخالف کو قتل کرانے کا حکم دیا تھا۔ آئین کو معطل کرتے ہوئے سپریم کورٹ کے ججوں کو ختم کر کے جھوٹی شہادتیں دلوائیں۔ اسکے بعد ایک ایسا تاریک دور شروع ہوا جس نے برصغیر کی تاریخ کو ایک عرصے کیلئے اندھیرا کر دیا۔ سیاسی مخالفین اور صحافیوں کو مخالفت ظاہر کرنے پر کھلے عام مارا پیٹا جاتا۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے کارکن اور ممبران کو جیلوں میں ڈالا گیا، اور مار پیٹ اور تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ یہاں تک کہ پاکستان کی سیاسی تاریخ میں پہلی بار لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے اپنی قربانیاں پیش کر کے اپنا احتجاج ظاہر کیا۔ ضیاء کا مقصد واضح تھا۔ اسے معلوم تھا کہ شفاف اور آزادانہ

www.bhutto.org

انتخابات کے نتیجے میں بھٹو ایک دفعہ پھر عوام کی بھرپور قوت کے ساتھ واپس آئیگا۔ 1973 کے آئین کے تحت پیش آسکنے والے نتائج کے خوف سے ضیاء نے فیصلہ کیا کہ ان دونوں (ضیاء اور بھٹو) میں سے کسی ایک کو قبر کا راستہ دیکھنا ہوگا اور یہ شہید بھٹو کے ساتھ ہونا طے پایا قائد عوام کو ہٹانے کے لئے ضیاء نے بھٹو کو گرفتار کروا کے ان کے خلاف مخصوص لوگوں کے ذریعے ایک جھوٹا مقدمہ چلایا جسکے ممبر بھٹو دشمنی کے لئے جانے پہچانے تھے۔ تمام عالمی قوانین کے خلاف سپریم کورٹ کا یہ مقدمہ خفیہ رکھا گیا۔ جیوڈیشری کے تعصب اور بغض کی وجہ سے بھٹو نے اس تمام معاملے کا احتجاجاً مکمل بائیکاٹ کیا۔

ہائی کورٹ نے بھٹو کو سزائے موت سنائی اور سپریم کورٹ کے فیصلے کو ملتوی کرتے ہوئے بھٹو کو راولپنڈی کی موت کی جیل میں رکھا گیا سپریم کورٹ کے نو میں سے دو ججوں کو جو واضح طور پر بھٹو کے حق میں تھے، جبری طور پر جلدی ریٹائر کر دیا گیا۔ لیکن اسکے باوجود بھٹو کے خلاف فیصلہ 3-4 میں منقسم تھا۔ ضیاء اپنے سب سے بڑے دشمن سے چھٹکارا پانے کیلئے تیار تھا۔ اس کے خلاف ایک عالمی احتجاج اور غم و غصہ کا اظہار کیا گیا۔ تمام مسلمان ممالک نے اپنے سربراہان کے ذریعے اس فیصلے کے خلاف ذاتی طور پر درخواست کی۔ تمام دنیا سے بشمول اندرا گاندھی رحم کی درخواست بھیجی۔ درحقیقت ہر ملک نے اپیل کی لیکن قائد عوام نے خود رحم کی اپیل نہ کی۔ رات کی تاریکی میں، سزائے موت کے قیدیوں کے پروٹوکول کے بغیر قائد عوام کو دار پر چڑھا دیا گیا۔ جواب باقی تاریخ کا حصہ ہے۔

یہ کوشش تاریخ پر تحقیق کرنے والے طالب علم کے لئے ایک بہترین مددگار ثابت ہوگی۔ کیونکہ یہ وہ الفاظ ہیں جو تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں اور جن کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ ایک طالب علم کے لئے اس کتاب میں وہ جذبات اور احساسات ہیں جو ایک حساس آدمی کا سرمایہ ہوتے ہیں، مکمل طور پر تو نہیں ملیں گے مگر اس کی اجمالی کیفیت ضرور ظاہر ہو جائے گی جو ایک بہت بڑی کامیابی ہے۔

www.bhutto.org

اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی ترتیب میں کسی ایک ملک پر انحصار نہیں کیا گیا بلکہ دنیا کے مختلف ملکوں کی صحافت کا حوالا دیا گیا ہے یعنی شہید بھٹو ایک عالمگیر شخصیت تھے اور ایک عرصے تک دنیا کی صحافت ان کے گرد گھومتی رہی۔ آخری دم تک انہوں نے ظلم کے آگے سر نہیں جھکایا اور نہایت شجاعت اور بانکپن سے اپنے اصولوں کے لئے جان دے دی بقول فیض احمد فیض۔

کرو کج جبین پہ سر کفن مرے قاتلوں کو گمان نہ ہو،
کہ غرورِ عشق کا بانکپن پسِ مرگ ہم نے بھلا دیا۔

میں احمد سلیم صاحب کی اس عقیدت مندانہ کوشش کو انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہوں۔ وہ واقعی مبارکباد کے مستحق ہیں۔

محترمہ بے نظیر بھٹو

www.bhutto.org

مرتب کا نوٹ

پاکستان کی سیاسی تاریخ میں قائداعظم کے بعد جس شخصیت نے تاریخ کے صفحات پر اپنے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں وہ پاکستان پیپلز پارٹی کے بانی اور عوام کے انتہائی مقبول رہنما ذوالفقار علی بھٹو کی شخصیت ہے۔ بھٹو کی زندگی میں اور ان کے بعد بھی ان کے بارے میں بہت زیادہ لکھا گیا ہے۔ لکھنے والوں میں طالب علم بھی ہیں، خواتین بھی، قانون دان بھی ہیں، سیاسی مدبر بھی، ادیب اور شاعر بھی ہیں اور میڈیا کے نمائندے بھی۔

لکھنے والوں نے بھٹو کی زندگی اور جدوجہد کے ہر پہلو کو اپنی تحریروں کا موضوع بنایا ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک عوامی سیاست دان بھی تھے اور قومی اور بین الاقوامی سطح کے ایک عظیم سیاسی مدبر بھی۔ انہوں نے ایک طرف عوام میں آزادی، انصاف اور مساوات کے شعور کا پرچم بلند کیا تو دوسری طرف بین الاقوامی سطح پر سامراج سے نبرد آزما مظلوم مگر خوددار قوموں کی حمایت کا نعرہ بھی لگایا۔ مزدور، کسان، عورتیں، دانشور، اقلیتیں، اور صحافت سے وابستہ افراد، بچے کوئی بھی ان کی انسان دوست توجہ سے محروم نہیں رہا۔ بھٹو کے سوانح نگاروں نے خارجہ تعلقات اور بین الاقوامی امور میں ان کے تخلیقی کردار پر بھی روشنی ڈالی ہے اور اس میدان میں انہیں بے حد سراہا ہے۔ دوطرفہ تعلقات کا ان کا نظریہ پاکستان کی خارجہ پالیسی میں ایک نیا موڑ ثابت ہوا۔

www.bhutto.org

ذوالفقار علی بھٹو سے، جنہوں نے خود بھی اعتراف کیا ہے، غلطیاں بھی ہوئیں۔ لکھنے والوں میں ان کے حامی ہوں یا مخالفین، بھٹو کی زندگی اور شخصیت کے ہر پہلو پر تفصیل اور باریک بینی سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

جہاں تک پاکستان سمیت دنیا بھر کے اخبارات و جرائد کا تعلق ہے، بھٹو شہید کی زندگی اور سیاست کے ہر پہلو کو، ہر دور میں موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ اپنی نوجوانی کے دنوں سے ہی، جب وہ بمشکل بیس سال کے تھے، عالمی صحافت سے ان کے روابط قائم ہو گئے تھے۔ 1948 میں بھٹو جب حصولِ تعلیم کے لئے امریکہ میں مقیم تھے، انہوں نے پاکستان اور پوری دنیا کے لئے نہ صرف رومانوی خواب دیکھے بلکہ اپنے وطن کے حوالے سے ''نیوز ویک'' جیسے امریکی جریدے میں پاکستان اور ایشیا کے بارے میں غلط تصورات اور غلط اطلاعات کی درستگی کے لئے جدوجہد بھی کی۔ 11 اکتوبر 1948 کے نیوز ویک میں انہوں نے ایک دلچسپ بحث کا آغاز کرتے ہوئے لکھا کہ جو لوگ آج بھی ''ایشیا ٹک'' کی اصطلاح استعمال کر رہے ہیں، ان کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ دہلی میں 1947 میں منعقد ہونے والی ایشیائی کانفرنس میں متفقہ طور پر فیصلہ ہوا تھا کہ یہ اصطلاح سامراجی دنوں کی یادگار ہے اور اس کی بجائے ''ایشئین'' کی اصطلاح استعمال کی جانی چاہئے۔

''نیوز ویک'' میں ہی چھپنے والی ایک اور تحریر میں انہوں نے ویت نام کے خلاف جرمن۔ فرانکو تعاون کی مذمت کرتے ہوئے لکھا کہ سامراجیوں نے ایک بار پھر ہمارے ساتھ گھٹیا سلوک روا رکھا ہے۔ اس پر مراسلات کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا جس پر بھٹو نے مراسلہ نگاروں کو جواب دیتے ہوئے طنزیہ انداز میں لکھا ''بلاشبہ آپ تہذیب کی بقاء کے لئے جنگ آزما ہیں اور آپ یہ تاریخ کے آغاز سے کر رہے ہیں خصوصاً ایشیا میں''۔

20 ستمبر 1948 کو ''نیوز ویک'' میں قائداعظم کے حوالے سے ایک تحریر شائع ہوئی۔ جس میں ان کے باریش نہ ہونے اور ایک ہندو کے گھر میں جنم لینے کی داستان طرازی

www.bhutto.org

شائع کی۔ نوجوان بھٹو نے اس کی فوری مذمت کی اور لکھا کہ قائداعظم پیدائشی مسلمان تھے اور خود انہوں نے قائداعظم کو مسجد میں نماز پڑھتے دیکھا تھا۔

یہی نیوز ویک اور مغربی دنیا کے درجنوں جرائد و اخبارات نے اگلے برسوں میں بھٹو صاحب کے بارے میں بے تحاشا لکھا۔ خصوصاً ان کی زندگی کے آخری ہنگامہ خیز دنوں کے بارے میں اور ان تحریروں کا سلسلہ ان کی شہادت کے بعد تک جاری رہا۔ مغربی دنیا کے پرنٹ میڈیا کے علاوہ ایشیا اور عرب دنیا کے اخبارات و جرائد نے بھی اس عظیم المیہ کو بھی اپنی رپورٹنگ کا موضوع بنایا۔ ہم ان تمام خبروں، رپورٹوں، تبصروں اور سوانحی خاکوں کا ایک انتخاب شائع کر رہے ہیں۔ یہ انتخاب کئی پہلوؤں سے قابل توجہ ہے۔ اس کی سب سے بڑی افادیت تو یہ ہے کہ یہ منتخب تحریریں بھٹو صاحب کی زندگی کے انتہائی اہم دور کا مکمل احاطہ کرتی ہیں۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ ہندوستان سمیت ایشیا اور عرب دنیا کے میڈیا کا تجزیہ ہمدردانہ ہے اور اس میں بھٹو صاحب ایک مجرم کی بجائے، ایک شہید کے طور پر ابھرتے ہیں۔ اس انتخاب کا تیسرا اہم پہلو یہ ہے کہ مغربی میڈیا کے تجزیوں میں جہاں کہیں کہیں منصفانہ رپورٹنگ کی جھلکیاں نظر آتی ہیں، وہیں ان میں کینے اور متعصب سامراجی رویہ بھی جھلکتا ہے۔ وہی رویہ جس کے خلاف وہ اپنی بیس سال کی زندگی سے جدوجہد کر رہے تھے۔

احمد سلیم

فروری 2005

www.bhutto.org

www.bhutto.org

حصہ اول: پھانسی کے سائے میں

www.bhutto.org

www.bhutto.org

بھٹو آیت اللہ سے دس گنا زیادہ طاقتور ثابت ہونگے

(سٹیٹسمین۔انڈیا)

پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین سابق وزیراعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو کی کتاب ''اگر مجھے قتل کر دیا گیا۔'' بین الاقوامی سطح پر موضوع بحث بنی ہوئی ہے۔اس کتاب پر اسٹیٹسمین انڈیا کے چیف ایڈیٹر جناب پران چوپڑا نے درج ذیل تبصرہ کیا۔ یہ تبصرہ جناب بھٹو کی سپریم کورٹ آف پاکستان میں نظر ثانی کی درخواست کے فیصلے سے قبل لکھا گیا تھا۔

پانچ شگون

انٹیلی جنس بیورو آف پاکستان کے ایک سابق ڈائیریکٹر راؤ عبدالرشید نے سپریم کورٹ آف پاکستان کو مطلع کیا ہے کہ پاکستان پر حکومت کرنے والے فوجی گروہ کے ایک معتبر رکن بریگیڈیئر عبدالنعیم نے ذوالفقار علی بھٹو، جو ملک کے صدر اور معزول ہونے تک وزیر اعظم تھے، جنہیں جیل میں ڈالا گیا اور سزائے موت دی گئی کے بارے میں ایک دن حسب ذیل گفتگو کی۔

بریگیڈیئر عبدالنعیم کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آرمی مسٹر بھٹو کو دوبارہ اقتدار میں دیکھنا برداشت کر سکتی ہے؟

www.bhutto.org

راؤ عبدالرشید، جو بھٹو کے ایک معتمد اسپیشل سیکرٹری تھے، نے معنی خیز خاموشی اختیار کی۔

بریگیڈیر نعیم خود اپنے سوال کا جواب دیتے ہیں اور کہتے ہیں' ظاہر ہے کہ وہ ایسا نہیں کر سکتی'

رخصت ہونے سے پہلے بریگیڈیر عبدالنعیم راؤ عبدالرشید کو مشورہ دیتے ہیں۔'' براہ مہربانی آرمی سے تعاون کیجئے۔''

یہ گفتگو اس شدید خطرے کا جامع اظہار ہے جو مسٹر بھٹو کے سر منڈلا رہا ہے۔ اس تنگ، تاریک اور بدبو دار موت کی کوٹھری میں، جس میں دن کے 22 یا 23 گھنٹے بند رہتا ہوں۔'' یہ ہے وہ انداز جس میں مسٹر بھٹو اس جگہ کا خاکہ کھینچتے ہیں جو ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی میں پچھلے تقریباً ایک سال سے ان کی رہائش گاہ ہے۔

بھٹو نے اس سزائے موت کے خلاف سپریم کورٹ سے اپیل کی ہے جو انہیں لاہور ہائی کورٹ نے اس مبینہ الزام پر دی۔ ہے کہ جب وہ برسر اقتدار تھے تو ان کی ہدایت پر ایک سیاسی قتل ہوا تھا۔ سپریم کورٹ نے سماعت مکمل کر لی ہے اور فیصلہ محفوظ کر لیا ہے لیکن پاکستان کی فوجی حکومت نے، بھٹو پر الزام لگاتے ہیں، سپریم کورٹ، جبکہ وہ ان کی اپیل کی سماعت کر رہا ہے۔ اثر انداز ہونے کے لئے ان کے خلاف پروپیگنڈے کا طومار باندھ رکھا ہے۔ باقاعدہ وقفوں کے ساتھ قرطاس ابیض شائع کئے جا رہے ہیں۔ جن میں صدر اور وزیر اعظم کی حیثیت سے ان کی کارکردگی کی مذمت کی جا رہی ہے۔

لاہور سماعت کی کوالٹی کے بارے میں کئی شبہات ظاہر کئے گئے ہیں جن میں امریکہ کے سابق اٹارنی جنرل رمزے کلارک بھی شامل ہیں لیکن یہاں زیادہ اہم یہ سوال ہے کہ اگر سپریم کورٹ سزائے موت کی توثیق کر دے تو کیا بھٹو کو پھانسی دینے کے لئے رائے عامہ ہموار کی جا رہی ہے؟ جواب کا اندازہ تو کوئی بھی شخص لگا سکتا ہے لیکن سزا یافتہ قیدی کے نکتہ نظر سے پانچ پرشگون علامات ہیں۔

پہلی کا تعلق ایران سے ہے اور اس کی تصدیق بریگیڈیر عبدالنعیم نے کی ہے۔ آیت اللہ خمینی جو 15 سال سے اپنے ملک سے جلا وطن رہے ہیں، اپنے ملک سے چند ہزار میل کے

www.bhutto.org

فاصلے پر پیرس کے مضافات میں قیام پذیر ہیں۔ پیروں میں جذبات کی شمع نئے سرے سے روشن کرنے کے لئے صرف اپنی سحر انگیزی کی شعاعیں استعمال کر رہے ہیں اگر وہ شاہ ایران جیسے طاقتور اور قدم گاڑے ہوئے۔ بادشاہ پر زوال لا سکتے ہیں تو اگر بھٹو کو موقع مل گیا تو وہ صدر ضیاء کی فوجی حکومت کے ساتھ کیا کچھ نہیں کر سکتے۔

اس توضیح میں وزن اس حقیقت سے پیدا ہوتا ہے کہ تہران کے اخبار ''کیہان'' کے مطابق ایک مرحلے پر صدر ضیاء نے اس بات پر آمادگی ظاہر کی تھی کہ بھٹو کو جلاوطن ہو جانے کی اجازت دے دیں بشرطیکہ دوسر براہان مملکت یہ ضمانت دیں کہ وہ آئندہ 10 برس تک دوبارہ سیاست میں داخل نہیں ہوں گے لیکن ایران کے واقعات کو دیکھنے کے بعد وہ اس خیال سے منحرف ہو گئے۔

جناح کے بعد بھٹو پاکستان کے کسی بھی سیاستدان سے زیادہ کشش رکھتے ہیں۔ یہی وہ بات ہے جس نے انہیں مختصر مگر درخشاں کیریئر دیا ہے۔ صرف 20 سال قبل وہ لاڑکانہ کے ایسے ایسے شخص تھے جن کے بارے میں لوگ بہت کم جانتے تھے گو کہ وہ ایک مشہور خاندان کے سپوت تھے، زندہ دل شخصیت، روشن دماغ۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک محدود جاگیردارانہ آسمان کا ستارہ بننا ان کا مقدر ہے۔ تب صدر مرزا کی نگاہ ان پر بلکہ زیادہ درست بات یہ ہے کہ ان کے خاندان کے روابط پر پڑی اور 30 برس کی عمر میں وہ وزیر بن گئے۔ ان کی دانشورانہ استعداد آکسفورڈ کی قانون کی ڈگری اور یونیورسٹی آف کیلیفورنیا میں گزارے ہوئے سال۔ ان سب نے مل کر انہیں للچانے والا وزیر خارجہ کا عہدہ دلوایا جہاں سے انہیں بعد میں چین سے قریبی تعلقات کی پالیسی کی بنیاد رکھنی تھی۔

لیکن 10 سال بعد ان کی شخصیت کا مقناطیس اس بے چین طلباء طاقت کے مربوط ہو جو اس وقت اپنے کسی رہنما کی تلاش میں تھی اور بھٹو نے خاندانی تعلقات اور صدارتی سرپرستی کی بندشوں کو توڑ دیا اولاً انہوں نے صدر ایوب کا تختہ الٹنے کے لئے ملک کے نوجوان کو متحرک کیا اور اس کے بعد اپنی مقبولیت عام کی تعمیر کی اور اسے ممکنہ طور پر فوج کی بندوقوں کو چھوڑ کر پاکستان کی

www.bhutto.org

سب سے مضبوط طاقت بنا دیا۔

1968 میں صدر ایوب پر تنقید کرنے پر ان کی مختصر عرصے کی قید نے ان کی چمک دمک میں اور اضافہ کر دیا۔ 1970 اور 1977 کے انتخابات میں انہوں نے ثابت کر دیا کہ مغربی پاکستان کوئی اور ووٹنگ کی طاقت میں ان کی مشہور سحر کاری کے گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا تھا جس طرح صدر ایوب نے انہیں 1968 میں گرفتار کر کے ان کی کشش کو درخشاں بنا دیا تھا۔ اس طرح جنرل ضیاء نے 1977 میں انہیں دوبارہ گرفتار کر کے واقعات کے اس سلسلے کو متحرک کیا جنہوں نے پاکستان کو شدید بحران اور بھٹو کو سولی کی سیڑھیوں تک پہنچایا ہے۔

جن وجوہات کی بناء پر جنرل ضیاء نے پہلی گرفتاری کی تھی اس کی 2 توجیہات کی جاتی ہیں لیکن دوسری گرفتاری کی صرف ایک وجہ ہے، مارچ 1977 کے انتخابات کے بعد حزب اختلاف کی سب سے بڑی جماعت پاکستان قومی اتحاد کی طرف سے خونریز مظاہرے ہوئے جس سے بھٹو کی حکمران پیپلز پارٹی کو شدید نقصانات ہوئے۔ شدید نقصان فتح میں ملنے والی برتری کی وجہ سے تھا حالانکہ اس سے کم اکثریت کے ساتھ پی پی پی کی کامیابی میں کوئی شبہ نہیں تھا۔

سعودی عرب نے اپنے پاکستان میں مقیم سفیر کے ذریعے شدید دباؤ ڈال کر دونوں فریقین کے درمیان مصالحتی گفتگو شروع کروائی اور کہا جاتا تھا کہ یہ کوششیں تیزی سے ترقی کر رہی تھیں لیکن 4 جولائی کو پی این اے کی جانب سے مذاکرات کرنے والوں میں سے ایک نے کہا کوئی پیش قدمی نہیں ہو رہی ہے اور اسی رات فوج نے کارروائی کی جس کے نتیجے میں بھٹو کی پہلی گرفتاری عمل میں آئی۔ ظاہر ہے کہ بغاوت کا منصوبہ اس پر عمل درآمد سے بہت پہلے بنایا گیا ہوگا۔ لیکن یہ منصوبہ کیوں بنایا گیا؟

ایک خیال یہ ہے کہ اپریل سے جون تک جس پیمانے پر فسادات ہوئے اس نے چیف آف دی آرمی اسٹاف کو قائل کر دیا کہ ملک کو بچانے کے لئے فوج کی مداخلت ضروری ہے ان کے منصوبے تیار تھے۔ مذاکرات کی ناکامی کی اطلاع نے انہیں فلیتہ دکھانے کا کام دیا۔

www.bhutto.org

دوسرا خیال جناب بھٹو کا ہے جس کے مطابق ''ایک غیر ملکی طاقت'' انہیں اقتدار سے ہٹانے پر تلی ہوئی تھی اور جب وہ انتخابات میں پی این اے کے ذریعے انہیں شکست نہ دلا سکی تو وہ فوج کے ذریعہ حملہ آور ہوئی۔

ملک پر قبضہ کرنے کے چند ہی دنوں بعد جنرل ضیاء نے اعلان کیا کہ اکتوبر میں انتخابات کرائیں گے کیونکہ ''آپریشن فیئر پلے'' اس منصوبے کا خفیہ نام جس کے مطابق فوجی بغاوت عمل میں آئی کا مقصد جنرل ضیاء کے کہنے کے مطابق صرف یہ تھا کہ ایک کاروائی کی جائے یعنی منصفانہ انتخابات کے لئے مدد فراہم کی جائے لیکن بعد میں جو واقعات پیش آئے ان کے پیش نظر ان کی وضاحتیں درست نہیں ثابت ہوئیں۔

زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ جنرل ضیاء نے خود کو یہ یقین کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ گزشتہ تقریباً ایک سال میں بھٹو نے خود کو اتنا غیر مقبول بنالیا تھا کہ وہ صرف دھاندلی کے ذریعے ہی انتخابات میں کامیابی حاصل کر سکتے تھے اور اب جبکہ فوج منصفانہ طرز عمل کی ضمانت دے رہی ہے تو پی پی پی کو شکست ہو جائے گی اور پاکستان کو بھٹو کی غلط حکمرانی سے نجات مل جائے گی لیکن جنرل ضیاء کو یہ دیکھ کر صدمہ پہنچا کہ غلط حکمرانی کے باوجود بھٹو کی مقبولیت کا فوری اثر کرنے والا جادو اب بھی برقرار تھا۔ بھٹو کے اردگرد ایسے مجمعے لگے جو اس سے پہلے کبھی نہیں لگے تھے۔ مقبولیت عام فوجی طاقت کے خلاف صف آراء تھی اور فوجی طاقت نے اس پر صرف وہی طریقہ اختیار کیا جو وہ کر سکتی تھی۔ سحر انگیزی اور دوسری سب باتوں کے ساتھ بھٹو کو دوبارہ جیل میں ڈال دیا گیا اور انتخابات کسی محفوظ دن کے لئے ملتوی کر دیئے گئے۔

دوسری طرف جنرل ضیاء شاید ایسے انتہائی غیر مقبول سربراہ حکومت اور سربراہ مملکت ہیں کہ پاکستان کے حکمرانوں میں کبھی کوئی ایسا شخص نہیں گزرا اور ان میں کشش کی جو کمی ہے وہ انتظامی معاملات میں اپنے رکاوٹ یا کسی ایسی سیاسی جماعت کی پشت پناہی سے جس کی جڑیں عوام میں ہوں اس کمی کو پورا نہیں کرتے جیسا کہ ان کے بعض پیشروؤں نے کیا تھا۔ فوج اب بھی ان کی پشت پر ہے لیکن اس سے عوام کی محبت حاصل نہیں ہوتی کیونکہ فوج 1971 کے بعد سے اپنا

امیج بحال نہیں کر سکی ہے جبکہ بھٹو نے کرایا ہے۔

اس لئے اگر بھٹو کسی دن جیل سے نکل آئیں تو وہ جنرل ضیاء کے لئے اس سے دس گنا زیادہ طاقتور ثابت ہوں گے جتنے کہ آیت اللہ شاہ کے خلاف ثابت ہوئے ہیں حالانکہ شاہ اگر سحر انگیز نہیں تو کم از کم جاہ وجلال تو رکھتے تھے۔ اگر ان میں فراست نہیں تھی تو کم از کم ایک تصور تو رکھتے تھے اور اس تصور کے حصول کے لئے کارناموں کا ایک ریکارڈ رکھتے تھے۔

زندہ بھٹو ایک انتہائی خطرناک شخص ہوں گے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ایک دن آزاد ہوں اور اگلے دن اقتدار میں ہوں اگر وہ دوبارہ اقتدار میں گئے تو پہلا کام جو وہ کرنا چاہیں گے وہ ان لوگوں سے حساب چکانا ہوگا جو آج انہیں عذاب میں مبتلا کئے ہوئے ہیں اور جنرل ضیاء جس طرح بھی ہو انہیں اس موقع سے محروم کرنا چاہیں گے۔ اگر جنرل ضیاء کو یقین ہو جاتا ہے کہ اور ان کے یہ یقین کرنے کی تمام تر وجوہات موجود ہیں، بھٹو کی گردن یا ان کی گردن، تو وہ جب بھی ہو سکے دوسرے کی گردن توڑ کر اپنی گردن بچانے کی کوشش کریں گے۔ اگر تاخیر ہو تو یہ بعد از وقت ہو جائے گا کیونکہ بھٹو کی نظر میں صدر ضیاء شدید غداری کا ارتکاب کر چکے ہیں جس کی سزا موت ہے۔

بھٹو کا نافذ کردہ 1973 کا آئین طاقت کے ذریعے دستور کی خلاف وزری کے جرم کو اس انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اور جنرل ضیاء نے یقیناً بزور طاقت اس کی خلاف وزری کی ہے انہوں نے آئین کو معطل کیا ہے اور ان طریقوں سے اس میں ترامیم کی ہیں جن کی آئین میں کوئی گنجائش نہیں۔ یہ ایک ایسا اقدام تھا جس کو سابق صدر پاکستان چوہدری فضل الٰہی نے اس قدر ناگوار محسوس کیا کہ انہوں نے استعفیٰ دیدیا۔

دوسرا شگون بھٹو کی معزولی کے بعد سے پاکستان کی سیاست کی نوعیت سے پیدا ہوتا ہے۔ فوجی حکومتیں اور مطلق العنان حکومتیں بالعموم، اپنی فطرت کے اعتبار سے رائے عامہ کے معاملے میں غیر حساس ہوتی ہیں۔ اسی لئے ان میں رائے عامہ کو نظر انداز کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے اور کسی لحاظ کے بغیر اپنے ایسے فیصلوں کو مسلط کرنے میں لگی رہتی ہیں، جو ان کے ٹیکنو کریٹانہ معیار پر پورے اترتے ہوں چاہے ان کے محرکات اچھے ہوں یا برے۔ انتہائی جونیئر

www.bhutto.org

شراکت دار شہریوں کی حیثیت میں سیاستدانوں کو نامزد کرنے کے باوجود جنرل ضیاء کی حکومت اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جنرل ضیاء کی حکومت کو خود بھٹو سے سرزد ہونے والی کئی فاش غلطیوں کی وجہ سے، رائے عامہ یا زیادہ صحیح طور پر کہا جائے تو عام لوگوں کی رائے سے کٹ جانے کا خطرہ لاحق ہے۔ یہی اس قسم کے لوگ ہیں جنکی طرف فوجی لیڈرر رجوع کر سکتے ہیں بشرطیکہ وہ بھٹو کے خلاف اپنے تعصبات کو وسیع تر مشاورت کی آزمائش میں ڈالنا چاہیں۔ تعصب ناراضگی سے بات کرے گا اور اپنی فہم میں فوری طور پر توثیق پائے گا۔

ان حلقوں میں جن میں فوجی حکومت کے فیصلہ کرنے والے نقل و حرکت کرتے ہیں کئی لوگ بھٹو کے خون کے پیاسے ہو سکتے ہیں، وہ حلقے جن میں بھٹو کی ستائش کی جاتی ہے ان کی سماعت سے دور ہیں۔ یہی وہ خاص طریقہ ہے جس کے تحت جنرل ضیاء نے وہ غلط رائے قائم کی اور 1977 میں انتخابات کرانے کا حکم دیا اور ہوسکتا ہے کہ وہ اب بھی اسی غلطی کے دہرانے کے خطرے میں ہوں لیکن جہاں بھٹو اپنی سابقہ غلطیوں کی قیمت اب ادا کریں گے وہاں ہوسکتا ہے ملک کو مستقبل قریب میں عوام کے غصے کی قیمت ادا کرنی پڑے۔

تیسرا شگون یہ ہے کہ اس مرحلے پر وہ سب کچھ کررہے ہیں جو وہ کر سکتے ہیں کہ یہ ان کی گردن نہ ہو اور یہ کہ بھٹو جہاں سے وہ نپولینی انداز میں واپس آ سکیں بلکہ وہ انہیں موت واقع ہونے تک لٹکائیں گے۔

چند پڑوسی اسلامی ممالک پاکستان پر امن مستقبل میں دوستانہ دلچسپی رکھتے ہیں کیونکہ وہ سوشلزم کے کافرانہ نظریے جس کی بھٹو تبلیغ کرتے تھے کے مقابلے پر قدیم اسلام کا نظریہ لانے دیں، اس لئے انہوں نے صدر ضیاء کو مشورہ دیا ہے کہ سابق صدر کو پھانسی نہ دیں اور اس طرح پاکستان کو آگ نہ لگائیں اور خود اپنے مستقبل کو تباہی میں ڈالیں۔ اطلاعات کے مطابق انہوں نے پیش کش کی ہے کہ وہ بھٹو کو اپنے ملکوں میں رکھیں گے جہاں سے وہ کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔

صدر ضیاء نے ان پیشکشوں کو مسترد کردیا ہے۔ انہیں اندیشہ ہے کہ اول تو وہ ملک جو

www.bhutto.org

بھٹو کو رکھے گا وہ صدر ضیاء کے سر پر بندوق رکھے ہو گا وہ بھٹو کو رہا کر کے ٹریگر دبا سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ ممالک جن میں تخت محفوظ نہیں ہیں ان کی جیلوں کے محفوظ ہونے پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ ان اطلاعات کی قطعی تصدیق نہیں ہو سکی لیکن سفارتی سطح پر ایسی بہت سی باتیں ہو چکی ہیں جو نشاندہی کرتی ہیں کہ ان کی وقیع بنیادیں موجود ہیں۔

بھٹو کے خلاف چوتھا گھمبیر شگون یہ ہے کہ صدر جس حد تک بھی رائے عامہ کو اہمیت دینے کا اظہار کر رہے ہیں۔ وہ اس حد تک ہے کہ بھٹو کے خلاف پروپیگنڈے کا جو طومار ہے۔ اس کے خلاف جس قدر ممکن ہو بھٹو کے دفاع کا گلا گھونٹا جا رہا ہے۔ حکومت کی طرف سے یکے بعد دیگرے جاری ہونے والے قرطاس ابیضوں کی وسیع سے وسیع تر تشہیر کی جا رہی ہے اور ملک کے باہر بھی اتنی ہی تشہیر کی جا رہی ہے جتنی کہ ملک کے اندر کیونکہ اس معاملے میں صدر ضیاء غیر ممالک میں ردعمل کے بارے میں بھی اتنے ہی فکرمند ہیں جتنے کہ ملک کے اندر ردعمل کے بارے میں جبکہ بھٹو کو نہ صرف ان کا جواب دینے کے موقع سے محروم رکھا جا رہا ہے (درحقیقت انہیں باہر کی دنیا سے کاٹ کر رکھا جا رہا ہے) بلکہ ان سے حامیوں کو بھی بڑی تعداد میں گرفتار کیا جا رہا ہے اور انہیں عوام سے رابطہ رکھنے کے موقع سے محروم کیا جا رہا ہے۔ اس یکطرفہ بہاؤ کی بدترین مثال پہلا اور سب سے ضخیم قرطاس ابیض ہے اور یہ اس تعارف کا جو آپ اس وقت پڑھ رہے ہیں اور اس کتاب کا جو آپ پڑھنے ہی والے ہیں، بنیادی جواز ہے۔

جیسے ہی بھٹو نے اپنی سزائے موت کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی ویسے ہی حکومت پاکستان نے ایک ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل ضخیم قرطاس ابیض شائع کیا اور اسے وسیع اور طویل تشہیر دی۔ اس قرطاس ابیض میں ڈھیر ساری باتیں اکٹھا کر دی گئیں جن کے بارے میں حکومت کا دعویٰ ہے کہ وہ ان الزامات میں سے جن کا ذکر ان کی اپیل میں ہے چند الزامات کے سلسلے میں ان کے خلاف ٹھوس شہادت ہے۔

بھٹو کا موقف یہ ہے جس کا کسی حد تک جواز اور بڑی حد تک منطقی بنیاد ہے، یہ موقف انہوں نے اپنی اپیل کے سلسلے میں داخل کردہ ایک بیان میں اختیار کیا ہے کہ اعلانیہ طور پر ان کے

www.bhutto.org

مقدمے کی کارروائی کو متاثر کرنے کے لئے قرطاس ابیض جاری کیا گیا اور اس انداز میں جاری کیا گیا ہے۔ بھٹو یہ موقف اختیار کرتے ہیں اور کچھ شہادت کے ساتھ کہ اس قرطاس ابیض میں یحیٰ بختیار کو خاص طور پر نشانہ بنایا گیا تا کہ ان کے اعتبار کو ججوں کی نظر میں تباہ کر دیا جائے۔ بختیار جو بھٹو کے دور اقتدار میں اٹارنی جنرل تھے، سپریم کورٹ میں سماعت کے دوران ان کے سینئر وکیل صفائی تھے۔ استغاثہ کے لئے بختیار کے اعتبار میں ایک گڑھا ایک ٹن شہادت کے برابر تھا۔

چونکہ جس وقت قرطاس ابیض جاری کیا گیا اس وقت اپیل کی سماعت جاری تھی اور بھٹو اس وقت تک عدالت میں تھے انہوں نے سماعت کے موقع سے فائدہ اٹھایا اور قرطاس ابیض کا تفصیلی جواب 300 صفحات پر مشتمل ایک بیان کے ذریعے دیا اور یہ بیان ان کی اپیل کی بنیادی دستاویزات میں سے ایک دستاویز بن گیا لیکن حکومت نے اسے عام نہیں ہونے دیا اسے اخبارات میں شائع کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ بعض اخبارات جنہوں نے اسے شائع کرنے کی کوشش کی وہ سنسر شپ کی زد میں آ گئے اور حکومت نے اس پریس پر سیل لگا دی جس میں یحیٰ بختیار نے اس کی چند کاپیاں چھپوانے کی کوشش کی تھی۔

لیکن اس بیان کی ایک نقل جس کے بارے میں بھٹو کہتے ہیں گھٹنے پر کاغذ رکھ کر لکھی گئی۔ موت کی کوٹھری سے اسمگل ہو کر باہر آئی۔ اسے یہاں بغیر کسی تبدیلی کے شائع کیا جا رہا ہے۔ سوائے اس کے کہ بعض حصوں کو دوبارہ ترتیب دے کر باب بنائے گئے ہیں اور چند حصے حذف کئے گئے تا کہ نمایاں تکرار کو ختم کیا جائے۔

اپیل کی سماعت ختم ہونے کے بعد 4 اور قرطاس ابیض جاری کئے گئے جبکہ جج اپیل پر غور کر رہے تھے۔ وہ ان پانچوں قرطاس ابیضوں کی زد پر تھے۔ بھٹو کو موقع ملا کہ وہ ان میں سے ایک کے بارے میں جوابی دلائل دے سکیں جبکہ رائے عامہ کی نظر میں انہیں ان پانچوں میں سے کسی ایک کا بھی جواب دینے کا موقع نہیں ملا۔ پاکستان کے عوام جس وقت یہ فیصلہ کر رہے ہوں گے کہ ان کے سابق صدر اور وزیر اعظم اور وہ تنہا صدر اور وزیر اعظم جو انہیں کبھی نصیب ہو سکا کے ساتھ جو کچھ بھی گزرے اس پر ان کا کیا ردعمل ہونا چاہئے۔ انہیں اس کتاب کے پڑھنے والوں کے مقابلے میں

www.bhutto.org

دوسرے طرف سے پیش کئے جانے والے مقدمہ کے بارے میں کم معلومات ہوں گے۔ عالمی پریس نے اس بیان کے صرف مختصر اقتباسات دیکھے ہیں جبکہ اس میں انکشافات کا ذخیرہ ہے۔

پانچویں اور آخری شگون پر اس وقت عمل ہو رہا ہے جبکہ یہ سطور لکھی جا رہی ہیں۔ باوثوق ذرائع کے مطابق توقع تھی کہ سپریم کورٹ آف پاکستان جنوری کے آخر میں اپنے فیصلے کا اعلان کرنے والا تھا۔ توقع یہ بھی تھی کہ اگر سپریم کورٹ سزائے موت کی تصدیق کر دے تو اس پر تیزی سے عمل کیا جائے گا اور بھٹو کو رحم کی اپیل کے لئے صرف کم از کم لازمی وقفہ دیا جائے گا بشرطیکہ وہ ایسا کرنا چاہئیں (ان کی بیٹی نے تردید کی ہے کہ ایسا کریں گے) سزا پر فوری عمل کرنا صرف فوجی انداز کے عین مطابق ہے بلکہ صورت کی ضروریات اس کی متقاضی ہیں اور اس کی اسلامی انصاف کی شدت پسندی سے بھی تقویت ملتی ہے جس کو پاکستانی صدر ضیاء کے تحت فروغ دے رہا ہے۔ جیسے جیسے آخری لمحات قریب آ رہے تھے بی بی سی نے پاکستان میں ''ایک بے چین سکون کی اطلاع دی جو پی پی پی کے لیڈروں کے مزید گرفتاریوں، مارشل لاء عدالتوں میں ان میں سے اکثر کے خلاف اقدامات، مختلف شہروں میں بعض دھماکوں، فوجی نقل و حرکت اور کسی وقت بھٹو کے ماتحت خدمات انجام دینے والے سرکاری افسروں کے استعفوں کی خبروں سے یہ سکوت ٹوٹتا تھا لیکن ان سطور کی تحریر تک فیصلے کا اعلان نہیں کیا گیا تھا گو کہ سپریم کورٹ نے پہلے یہ کہا تھا کہ جنوری کے آخر تک فیصلہ سنا دیا جائے گا کیوں؟ موجودہ قیاس آرائیوں کی نہج کہ صدر ضیاء اس آگاہی کے پیش نظر کہ پھانسی دینے کے نتیجے میں گڑبڑ پھیلے گی، اس اسلامی وزرا کانفرنس کے اختتام تک انتظار کرنے کا فیصلہ کیا ہے جو پاکستان میں فروری کے وسط میں ہونے والی ہے۔ یہ قیاس آرائی دور از کار ہے۔

لیکن سپریم کورٹ کی طرف سے فیصلے کے التواء اگر یہی وجہ ہے تو پھر یہ التواء مختصر عرصے کے لئے ہوگا جن فوری ضرورتوں کا دباؤ بھٹو پر ہے۔ ان کے علاوہ صدر ضیاء کے اپنے فوری مستقبل کی ضرورت کا دباؤ بھی ہے۔ انہیں فروری کے آخر میں فوج سے ریٹائر ہونا ہے اور وہ اپنے مستقبل کی تشکیل اسی بات کی روشنی میں کر سکتے ہیں کہ وہ بھٹو کے مستقبل کی تشکیل کس طرح کر

www.bhutto.org

تے ہیں۔ وہ نہیں چاہیں گے کہ فیصلہ دوسروں پر چھوڑیں نہ یہی دوسرے یہ بات پسند کریں گے کہ ضیاء کو اجازت دے دیں کہ وہ بوجھ ان کی طرف منتقل کر دیں۔

اس قیاس آرائی کی تصدیق کرنے والے بھٹو کے اپنے اندیشے ہیں جن کا اظہار انہوں نے اپنے بیان میں کیا ہے اور جس پر حکومت نے پابندی لگا دی۔ اپنے خلاف حکومت کی تشہیری مہم کے ضمن میں بھٹو کہتے ہیں "مقصد یہ ہے کہ میرے خلاف رائے کی فضا کو اور خراب کیا جائے تا کہ عدالت کے ادنیٰ ترین کلرک سے طاقتور ترین عدالت تک ہر ایک کو ایک ہی نتیجے تک پہنچایا جائے...... اس حملے میں 5 جولائی 1977 سے 28 اگست 1978 تک بتدریج شدت آ گئی ہے۔ لیکن اب بھی تشہیر کا نکتہ عروج اس وقت آئے گا جب میری اپیل پر فیصلہ آنے والا ہوگا۔ بھٹو نے جس وقت یہ الفاظ تحریر کیے اس وقت تک صرف وہ قرطاس ابیض جاری ہوئے تھے جن میں سے دوسرا 28 اگست کو جاری ہوا تھا۔ اس کے بعد سے 4 اور تیزی کے ساتھ یکے بعد دیگرے جاری ہوئے۔ چوتھا بطور آخری قرطاس ابیض (کم از کم فی الحال) جاری کیا گیا ہے۔ نکتہ عروج آ گیا ہے اب فیصلے میں زیادہ تاخیر نہ ہوگی۔

بھٹو کا زوال کیسے ہوا۔

بھٹو کے بیان کا ابتدائی حصہ زیادہ تر ان کے خلاف اس خاص الزام کے بارے میں ہے کہ انہوں نے مارچ 1977 کے انتخابات میں دھاندلی کرائی تھی اور اس مقصد کے لئے سندھ میں اپنے آبائی شہر لاڑکانہ میں ایک تفصیلی منصوبہ بنایا ہے جسے استغاثہ 'لاڑکانہ پلان' کا نام دیتا ہے۔

اس الزام کی تفصیلات اور بھٹو کا فوج کے خلاف جوابی الزام کہ اس نے انتخابات میں مداخلت کی اور بعض اوقات حزب اختلاف کی بڑی جماعت پی این اے کے لئے عملی طور پر کام کیا۔ پاکستان کے قاری کے لئے باہر کے کسی آدمی کی بہ نسبت زیادہ معقول ہوگا۔ انہیں سمجھنے کے لئے پاکستان کی داخلی سیاست کی پیچیدگیوں کے گہرے علم کی ضرورت ہے۔

لیکن اگر انہیں دور سے بھی دیکھا جائے ان تمام لوگوں کے لئے سخت انتباہ ہے جو اس

www.bhutto.org

بات پر توجہ دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ جب بہت زیادہ طاقت حکومت کرنے والے چند ہاتھوں میں مرکوز ہو جاتی ہے اور جب فوج یہ بھول جاتی ہے کہ ملکی سیاست کا بندوبست کرنا اس کا کام نہیں تو سیاسی جمہوری اور انتخابی طریقۂ کار کا کیا حشر ہوتا ہے۔

لیکن اس دستاویز کی اصل قدرو قیمت ان مخصوص الزامات اور جوابی الزامات سے آگے اور بلند ہے اور یہ قدرو قیمت زندہ رہے گی چاہے بھٹو زندہ رہے یا نہ رہے چاہے انہوں نے انتخابات میں دھاندلی کی ہو یا نہ کی ہو۔ یہ قدرو قیمت ان نگارشات میں ہے جو ایک تابندہ ذہن نے اسی موت کی کوٹھری میں تخلیق کی ہیں جو پاکستان میں قیام کے بعد سب سے تاباں ذہن ہے اور جنوبی ایشیاء میں کہیں بھی پائے جانے والے تاباں ترین ذہنوں سے ہے۔

جیسا کہ ایسی نگارشات میں ہوتا ہے۔ بھٹو کے بیان میں افراط و تفریط اور تکرار ہے۔ بعض جگہوں پر یہ معاملے کے بارے میں مبالغہ کرتا ہے۔ بعض مقامات پر ضرورت سے زیادہ سادہ ہوتا ہے اور بھٹو کی قوت فیصلہ بعض اوقات اپنے مسیحا ہونے کے کمپلیکس سے اور تعلّی آمیز یقین سے دھندلا جاتی ہے کہ وہی اور صرف وہی ایسے شخص ہیں جو پاکستان کو نجات دلا سکتا ہے اور عوام کو ان کے آمروں سے چھٹکارا دلا سکتا ہے۔ لیکن آخر میں اس سے جو چیز نکلتی ہے وہ ایک ممتاز سیاسی دستاویز ہے شاید ایک انتہائی فکر انگیز اور بے انتہا معلوماتی پاکستان کی تشخص ہے۔ یہ گہرائی اور اہمیت کی حامل ایک دستاویز ہے کیونکہ یہ اس آدمی اور اسکے عہد کو منکشف کرتی ہے۔

یہ بھٹو کے لئے بہتر ہو یا نہ ہو یا ان کے خلاف عائد خاص الزامات کے سلسلے میں ان کی صفائی کے لئے موثر ہو یا نہ ہو یہ پاکستان کی تاریخ کے طالب علم کے لئے اچھا ہے اور اس سے زیادہ ترقی پذیر ممالک میں سیاسی عمل کے طالب علموں کے لئے ہے کہ پاکستان کے یہ سابق صدر اور وزیر اعظم اپنے بیان میں عدالت سے مخاطب نہیں ہیں۔ وہ اپنے تابندہ ذہن اور ترقی پذیر دنیا کے ایک انتہائی دلچسپ ملک میں اپنے منفرد تجربے کے پلیٹ فارم سے تاریخ سے مخاطب ہیں۔

بھٹو کو اپنے بیان کے فرائض کا شکوہ ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ "مکمل صفائی کے بغیر یہ مضمون سیاسی بصیرت سے عاری اور اس کے مصنف کے معیار سے گرا ہوا ہوتا۔ مارشل لاء کے

www.bhutto.org

نفاذ کے بعد برصغیر میں ہونے اسلے واقعات پاکستان اور افغانستان کے درمیان تعلقات کی صورتحال نیوکلیئری پروسیسنگ پلانٹ کا مستقبل، وابستگی اور غیروابستگی کے درمیان چکراتے رہنا پاکستان کی تقدیر کے لئے دلدوز اہمیت کے حامل ہیں ایک متوازن تصویر پیش کرنے کا جو لازمی فریضہ عائد ہوتا ہے۔ اس سے تجاویز قاری کے ساتھ زیادتی اور اس کی کم خوراک میں بھی کمی کرنے کے مترادف ہوتا۔

پاکستان صرف دلچسپ ممالک میں سے ایک ہی نہیں بلکہ شاید سب سے زیادہ دلچسپ ملک ہے اگر آپ اس کا اس نقطۂ نظر سے جائزہ لیں جو اس کتاب میں ایک اہم ترین ''تھیم'' ہے اور جس کا پاکستان اور بھٹو دونوں کے لئے بدنصیبی کی بات ہے۔ کافی تجربہ رکھتے ہیں، کسی ملک پر کیا گزرتی ہے اگر جنرل سیاست کھیلنا شروع کرتے ہیں اور اس عمل کے دوران غیرملکی طاقتوں کے آلۂ کار بن جاتے ہیں۔ بھٹو کی زندگی جو ہوسکتا ہے کہ ان سطور کے لکھتے وقت خاتمے کے قریب ہو۔ اس نظریئے کا ثبوت ہے جسے وہ بڑے واضح انداز میں پیش کرتے ہیں کہ بالادستی اور فوجی بغاوت کی راہ جسے وہ......Coup Gemony کا نام دیتے ہیں، ایک ہی سامراجی سکے کے دو رخ ہیں۔

بھٹو کا موقف یہ ہے کہ جولائی 1977 میں حملہ کرنے سے بہت پہلے جنرلوں نے اپنی کاروائیاں شروع کردی تھیں۔ ان کے منصوبے کی ابتداء مارچ انتخابات سے پہلے ہوگئی تھی اور بغاوت آہستہ آہستہ تکمیل کو پہنچی اور یہ فوج اور پی این اے اور دونوں اور غیرملکی طاقت (یا طاقتیں) کے درمیان معاملات طے ہونے کا نتیجہ تھا۔ ''غیرملکی'' سطح پر جو طے پایا تھا یہ تھا کہ پی این اے کو انتخابات جیتنے کے لئے ۳۰ کروڑ روپے ملیں گے اور اگر وہ ناکام ہوجائے تو بغاوت کے اقدام میں فوج کی حمایت کی جائے گی۔ اس کے بدلے نئے حکمران نیوکلیئری پروسیسنگ پلانٹ ترک کر دیں گے جس کا معاہدہ بھٹو نے فرانس کے ساتھ کیا تھا۔

ملکی سطح پر یہ طے پایا تھا کہ فوج پی این اے کی انتخابی مہم کی حمایت کرے گی (اور بھٹو کے بیان کے مطابق مختلف طریقوں سے یہ حمایت کی گئی) اگر انتخاب میں کوشش ناکام ہوجائے تو فوج

www.bhutto.org

اقتدار میں آجائے گی اور بعد میں پی این اے کو حکومت میں شامل ہونے کی دعوت دے گی (لیکن ایک انتہائی جونیئر پارٹنر کی حیثیت سے) تاکہ فوجی حکومت میں ایک شہری رنگ کا اضافہ کیا جائے۔

اس سمجھوتے کو ثابت کرنے کے لئے بھٹو کی شہادت ناکافی اور سطحی ہے اور کسی عدالت میں ٹھہر نہیں سکتی لیکن ان کی یہ وضاحت معقول ہے کہ ان سے یہ مطالبہ کرنا غیر منصفانہ ہوگا کہ وہ پہلے جیل میں اور اس کے بعد موت کی کوٹھری میں اتنے طویل عرصے تک سب سے کٹے رہنے کے بعد اس بارے میں دستاویزی شہادت پیش کریں اور پاکستان کا قومی مفاد مانع ہے کہ وہ اپنے موجودہ حالات میں بھی وہ تمام باتیں خاص طور پر متعلقہ غیر ملکی طاقت کا نام ظاہر کر دیں، جو وہ کر سکتے ہیں۔

لیکن بھٹو، پہلے مسٹر جناح اور پہلے وزیراعظم مسٹر لیاقت علی خان (یہ یاد رکھنا چاہئے کہ انہیں قتل کر دیا گیا تھا) کو چھوڑ کر باقی تمام سیاستدانوں کی بہ نسبت اس بات کے لئے زیادہ توصیف کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اصرار کیا کہ سیاسی اقتدار عوام کے پاس ہونا چاہئے۔ مسلح افواج کے پاس نہیں اور یہ کہ طویل مدت میں صرف ایک آزاد خارجہ پالیسی ہی مفید ثابت ہوتی ہے۔

ان عقائد کے پہلے حصے پر انہوں نے 1960 کے وسط سے اور اس کے بعد فائدہ اٹھاتے ہوئے عمل کیا جبکہ انہوں نے ایوب خان کے اقتدار کو طلباء کی طاقت سے ہلایا اور اس کے بعد اعلیٰ قسم کے عوامی رہنما بن کر کے بعد دیگر انتخابات میں بھاری اکثریت سے کامیابی حاصل کی۔

ایک آزاد خارجہ پالیسی کی قدر اور اہمیت کے بارے میں ان کے اعتقادات کا دوسرا حصہ ان کی خارجہ پالیسی میں تعمیر ہو ہی رہا تھا کہ وہ معزول ہو گئے۔ اپنی اپیل سے متعلق بیان میں بھی وہ ہندوستان کے غیر وابستگی کی تعریف کرتے ہیں اور صدر ضیاء پر زور دیتے ہیں کہ وہ سینٹو سے نکل آئیں۔ ہو سکتا ہے کہ بھٹو درست کہتے ہوں جب وہ یہ کہتے ہیں کہ غیر ملکی سطح پر ان کے زوال کے لئے جو معاملہ طے پایا اس کی وجوہات کا ایک حصہ یہ بھی تھا لیکن وہ پاکستان کی خارجہ پالیسی کے ایک پہلو پر اصرار کرتے ہیں۔ وہ ہندوستان کی دشمنی کی حد تک مخالفت جس سے ماضی میں پاکستان کی خارجہ پالیسی کے دو پہلو نکلتے رہے ہیں جس میں بالادستی اور فوجی بغاوت کی راہ بھی شامل ہے۔

www.bhutto.org

بھٹو کے اقدامات کا ریکارڈ کچھ بھی ہو، پاکستان کی خرابیوں کے بارے میں ان کی تشخیص نہ صرف ان کے لئے یا پاکستان کے لئے بلکہ جمہوری سیاست کی روایات کو فروغ دینے کی کوشش کرنے والے تیسری دنیا کے ممالک کے لئے بھی سبق آموز ہے۔ بھٹو کے خلاف الزامات اور ان کے جوابی الزامات دونوں یکساں طور پر ثابت کرتے ہیں کہ پاکستان کا سیاسی نظام مطلق العنان حکمرانی، چاہے وہ شہری ہو یا فوجی، اس حد تک بگڑ چکا ہے کہ پابندیوں کی ان روایات کو یکسر کھو چکا ہے جو کسی سیاسی طور پر صحت مند سماج میں انتظامی اختیار کے آمرانہ استعمال کی بہترین ضمانت ہوتی ہیں۔

تیسری دنیا کے رہنماؤں کے لئے سب سے زیادہ کارآمد بھٹو کے بیان کا وہ حصہ ہے جس میں انہوں نے پاکستان کے سیاسی نظام میں مارشل لاء کی طرف رجحان کا شاندار تجزیہ کیا ہے۔ بھٹو کسی اور زندہ یا مردہ سیاستدان کے مقابلے میں پاکستان کو زیادہ بہتر طور پر سمجھتے ہیں۔ مارشل لاء کی طرف اس کے رجحان کو اور بھی زیادہ بہتر طور پر سمجھتے ہیں کیونکہ وہ مختلف اوقات میں اس میں شریک اور اس کے شکار رہے ہیں۔ اس سے ان کو یہ خصوصی سند ملتی ہے کہ ترقی پذیر دنیا کو تنبیہ کریں اور فوجی بغاوت کی راہ وہ اصطلاح جو انہوں نے اپنے تیز ادراک اور لطف زبان سے وضع کیا ہے کے خلاف یہ تنبیہ زبردست الفاظ میں کرتے ہیں۔

وہ فوجی بغاوت کی راہ کے خطرے کو غیر ملکی بالادستی کے ساتھ ساتھ رکھتے ہیں اور عوام جمہوری اور فطری تمناؤں پر ان دونوں قسم کے جبر کی مجموعی طور پر مذمت کرتے ہیں، وہ فوجی بغاوت کی راہ کی زیادہ مذمت کرتے ہیں کیونکہ ان کے قول کے مطابق فوجی بغاوت کی راہ وہ پل ہے، جس کے ذریعے غیر ملکی بالادستی اندر داخل ہوتی ہے۔ وہ مارشل لاء کے ان تمام ادوار کا تجزیہ کرتے ہیں جن سے پاکستان گزر رہا ہے اور دکھاتے ہیں کہ کی تخلیق کرنے والی غیر ملکی طاقت نے کس طرح ان میں سے ہر ایک کو استعمال کیا۔ اس کا نتیجہ پاکستان کے سیاسی نظام کا ایسا ضعف طاقت اور اقتدار کا ایسا خاتمہ تھا کہ ملک ٹوٹ گیا۔

مشرقی باز کو مغربی فوجی ذہن کی غیر انسانی بربریت کا نشانہ بنایا گیا جو اس قدر وحشی

www.bhutto.org

ہو گیا تھا کہ یہ بڑ بھی ہانک سکتا تھا کہ بنگالی عورت کی آبرو ریزی صرف بنگالی خون کو پاک کرنا ہے (اس بڑ کے سلسلے میں بھٹو ایک سرکاری رپورٹ کا حوالہ دیتے ہیں) لیکن مارشل لاء ذہنیت نے مغربی بازو پر جو المیہ طاری کیا ہے وہ کم تباہ کن نہیں ہے۔ اس نے کچھ ایسی صورت اختیار کر لی ہے جیسا کہ مریض اس بات کا قائل ہو جائے کہ وہ صرف زہر کے سہارے زندہ رہ سکتا ہے اور جس کے بارے میں دنیا جانتی ہے کہ اسے ہلاک کر رہا ہے۔

صدر ضیاء نے 5 جولائی 1977 کو آپریشن فیئر پلے کے ذریعہ اقتدار پر قبضہ کیا۔ اس دکھاوے کے ساتھ کہ انہوں نے صرف ۹۰ دن کے اندر منصفانہ انتخابات کرانے کے لئے یہ قبضہ کیا ہے۔ فوج اس سے زیادہ کچھ نہیں کرے گی کہ وہ اکھاڑے کی صفائی کرے اور اس کو صرف اس غرض سے سنبھالے رکھے کہ انتخابات ایک منصفانہ مقابلہ بن جائیں لیکن اس کے بعد انہوں نے اپنا ذہن بدل لیا اور کہا کہ انتخابات صرف اس وقت منعقد کئے جا سکتے ہیں۔ جب یہ ظاہر ہو جائے کہ یہ ''مثبت نتائج'' پیدا کریں گے۔

چونکہ یہ فیصلہ کرنے کے لئے کہ مثبت نتائج کیا ہیں انہوں نے خود کو ہی جج بنا لیا ہے اور یہ فیصلہ بھی اپنے ہی ہاتھ میں رکھا ہے کہ کس وقت انتخابات کے انعقاد سے یہ نتائج پیدا ہونے پر اعتبار کیا جا سکتا ہے، صرف وہی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اگر کبھی انتخابات ہوئے تو کس وقت ہونے چاہئیں۔ صدر کس طرح اس بات کی ضمانت حاصل کریں گے۔ اگر انتخابات منعقد ہوں تو وہ مثبت نتائج بھی پیدا کریں۔ یہ بات فہم سے بالاتر ہے لیکن اس لمحے کا انتظار کرتے کرتے جنرل ضیاء نے ابتدائی 90 دن کو 6 سے ضرب دے لیا ہے۔

انتخابات کیوں نہیں ہوتے؟ شاید اس کی سادہ سی وجہ یہ ہے کہ صدر ضیاء نہ تو ان پر یقین رکھتے ہیں اور نہ کبھی رکھا ہے۔ ان کے اصل عقائد کا اظہار تو ان کے اپنے ایک تبصرے سے ہوتا ہے جس کا حوالہ بھٹو نے اپنے اپیل سے متعلق بیان میں دیا ہے۔ صدر ضیاء جو ابھی صدر اور وزیر اعظم ہونے کے ساتھ ساتھ چیف آف دی آرمی اسٹاف بھی ہیں ان سے یہ بات منسوب کی جاتی ہے کہ یہ دستور ہو یا نہ ہو، پاکستان میں اقتدار ہمیشہ اس شخص کے ہاتھ میں ہوگا جو چیف آف دی آرمی

www.bhutto.org

اسٹاف کی کرسی پر بیٹھا ہوگا۔ چونکہ بھٹو اس سے متفق نہیں ہیں اس لئے جنرل کسی ایسے انتخاب کے منعقد کرنے کی اجازت نہیں دیں گے جب تک کہ وہ اس پر مجبور نہ کر دیئے جائیں جن سے بھٹو یا ان کے حامیوں کے دوبارہ برسر اقتدار آنے کا موقعہ ہو۔ یہ کوئی مثبت نتیجہ نہیں ہوگا۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ یہی وہ شخص تھے جنہیں بھٹو نے اس کمیٹی کا چیئرمین مقرر کیا تھا جو 1973 میں فوجی بغاوت کے ذریعے بھٹو کا تختہ الٹنے کی پہلی کوشش کی تحقیقات کے لئے قائم کی گئی تھی (ماضی پر نظر ڈالی جائے تو اتنی ہی ستم ظریفانہ بات یہ ہے کہ ترکی میں ڈیموکریٹک پارٹی کی حکومت کا تختہ الٹنے والے جنرلوں نے وزیراعظم مندریس، وزیرخارجہ زورجو اور وزیر مالیات کوپیلکن کو سزائے موت سنادی تھی تو صدر ایوب نے بھٹو کو اپنے خصوصی نمائندے کے طور پر انقرہ بھیجا تھا کہ وہ فوجی جنرلوں کو سمجھائیں کہ سزائیں نہ دی جائیں۔ بھٹو ناکام رہے اور سزاؤں پر عمل درآمد ہوگیا) جنرل ضیاء نے تحقیقاتی کمیٹی کے چیئرمین کی حیثیت سے جو کچھ بھی سیکھا لازماً بہت اچھی طرح سیکھا ہوگا۔

فوج بمقابلہ عوام

فوجی لیڈر اس وقت تک انتخابات نہیں کراتے نہ ہی جنرل ضیاء کرائیں گے جب تک کہ وہ مجبور نہ ہو جائیں۔ اس دوران مارشل لاء اپنا خراج وصول کرتا رہے گا اور وہ درحقیقت کس طرح یہ کام کر رہا ہے اس کو اتنے واضح طور پر بیان کر کے بھٹو نے زبردست خدمت انجام دی ہے بھٹو کے اس بیان میں ایسے گہرے مشاہدات بکھرے ہوئے ہیں کہ پاکستان میں ملٹری ازم کا کینسر کیسے پھیلا۔ ایوب خان کے ''ہم پرشیاد والوں جیسے ہیں'' کے کمپلیکس سے لے کر، ایک ایسی حماقت جسے بھٹو حسن مذاح کے ساتھ بیان کرتے ہیں، فوجی بحث کی کبھی نہ مٹنے والی بھوک تک اور اس کے ساتھ ساتھ اس جیسی کبھی نہ مٹنے والی فوج کی بالائی سطح کی وہ بھوک اقتدار کے لئے اقتدار کی طلب ہے۔ اولاً جنرلوں کی بھوک سیاسی اقتدار کے لئے اور اس کے بعد کرنلوں اور میجروں کی انتظامی اختیارات کی بھوک ہو مقامی بااختیار اداروں تک پہنچتی ہے۔ لیکن قاری کو فہم و

www.bhutto.org

فراست کے ان بکھرے ہوئے جواہر پاروں کی تلاش میں پورے بیان کو چھاننا نہیں پڑتا۔ ان تمام کی مجموعی معنویت کو بلوچستان کے بارے میں چند صفحات میں انتہائی خوبی کے ساتھ مرکوز کر دیا گیا ہے۔ بلوچستان پاکستان کا وہ حصہ ہے جو پاکستان کے کسی بھی دوسرے حصے کے مقابلے میں سب سے زیادہ فوجی حکومت کے تحت رہا ہے۔ کبھی نام اور کام دونوں کے اعتبار سے اور کبھی صرف کام کے اعتبار سے لیکن وہ اپنے اسپیشل سیکرٹری راؤ عبدالرشید کا ایک نوٹ نقل کرتے ہیں جو بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کہ یہ کسی لائبریری ماڈل کو ترازو پر رکھنے کا بیان ہے کہ سیاست، انتظامیہ اور پوری سوسائٹی پر کیا گزرتی ہے جب تمام اقدار فوجی ایڑھی کے نیچے کچلے جاتے ہیں۔

بلوچستان کے مسئلے پر قرطاس ابیض کے مصنفوں اور بھٹو کے درمیان الزامات اور جوابی الزامات کا تبادلہ اور اس بدنصیب صوبے میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کے بارے میں راؤ عبدالرشید کا فراہم کردہ ایکسرے جو سیاسی بصیرت اور ایک تجربہ کار منتظم کے غیر جانبدارانہ مشاہدے کا آمیزہ ہے۔ ان کا سیاسی المیہ نئی وسعتیں اختیار کر لیتا ہے۔

راؤ عبدالرشید مختصر مگر ٹھیک ٹھیک طور پر بیان کرتے ہیں کہ کس طرح فوج بلوچستان میں ''انتہائی ناپسندیدگی'' اور ''آخری چارۂ کار'' کے طور پر لائی گئی تھی۔ وہ وضاحت کرتے ہیں کہ بلوچستان میں فوجیں اتارنے کا جواز کس طرح ہوتا اگر یہ تیز رفتار، متعینہ آپریشن رہ پاتا۔ اس کے بعد وہ وضاحت کرتے ہیں کہ وہ کیسے خود بخود جاری رہنے والا آپریشن بن گیا۔ اور کس طرح فوج کا طویل قیام کئی شعبوں میں کیسے مخالفانہ اثرات پیدا کر رہا ہے اسپیشل سیکرٹری اس میں مزید اضافہ کرتے ہیں کہ بدنصیبی یہ ہے کہ اس ملک میں فوج کے شہری انتظام میں ملوث ہونے کی روایت بڑی قدیم ہے۔

لیکن اگر بھٹو 300 صفحات پر مشتمل بیان میں بلوچستان میں ہونے والے واقعات کے بارے میں ان کے اپنے اور راؤ عبدالرشید کے تجزیے سے زیادہ کوئی اور بات نہیں ہے تب بھی یہ بیان پولیٹیکل سائنس کی کسی بھی لائبریری میں ایک بہتر اضافہ ہوگا۔ اگر پاکستان کے فوجی حکمران سمجھدار ہوتے تو وہ اس کو دبانے کی بجائے ہر فوجی اسکول میں اس بیان کا پڑھا جانا لازمی

www.bhutto.org

قرار دیتے۔ کیونکہ یہ اس موضوع کا بہترین مطالعہ فراہم کرتا ہے کہ کوئی فوج جب سیاست میں ٹانگ اڑانا شروع کرتی ہے، ایسا فریضہ جس کے لئے اس کے پاس مہارت ہے نہ تجربہ نہ ہی استعداد اور یہ چیزیں اس وقت تک حاصل نہیں کی جاسکتیں جب تک کہ ایک لڑاکا قوت کی حیثیت سے اس پر جو اصل فرض عائد ہوتا ہے اس کی طرف سے غافل ہو جائے۔ ایسی صورت میں وہ سیاسی نظام کو نقصان پہنچانے کے علاوہ خود اپنے وجود کو کتنا نقصان پہنچاتی ہے۔

بلوچستان میں فوج کے اس زوال کو راؤ عبدالرشید نے بہت اچھی طرح بیان کیا ہے جبکہ ایک بڑے بلوچ رہنما غوث بخش بزنجو نے یہ دکھایا ہے کہ بلوچستان میں فوج کی کبھی نہ ختم ہونے والی موجودگی اور اس کے خلاف بلوچوں کے ردعمل کی وجہ سے کس طرح مرکز کا اختیار ختم ہوا۔ غوث بخش بزنجو جنہیں پاکستان کے خلاف بلوچستان کی ناراضگی کا واحد معتدل رہنما سمجھا جاتا ہے وہ اب بلوچستان کے لئے خود اختیاری کے ایسے اختیارات کا مطالبہ کر رہے ہیں کہ اگر یہ تمام یونٹوں کو دے دیئے جائیں اور یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ ایک یونٹ کو دیئے جائیں اور دوسرے یونٹوں کو ان سے محروم رکھا جائے، تو پاکستان جلد ہی صفحۂ ہستی سے غائب ہو جائے گا۔

بزنجو نے اپنے خیالات کا اظہار تفصیلی بیانات میں کیا ہے جو اس علاقے کے مستقبل کے لئے کافی اہم ہیں۔ ان میں ایسی معقول انتہا پسندی ہے کہ یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ افغانستان کے انقلاب کے بعد کیا سوویت یونین کو اس بات کی اجازت دی جانے والی ہے کہ وہ بحیرۂ عرب کے پانی میں داخل ہونے کے اپنے خواب کی تکمیل کر لے۔

بلوچستان سے ملنے والے سبق میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے اگر اسے اس وقت کے مشرقی پاکستان میں گزرنے والے واقعات کے سلسلے میں بھٹو کے بیان کی روشنی میں دیکھا جائے اور جس کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ اس وقت مغربی پاکستان میں وہی کچھ ہو رہا ہے اور تیسری دنیا میں کہیں بھی ہوسکتا ہے بشرطیکہ وہاں کے فوجی رہنما بھی وہی کچھ کرنے کی کوشش کریں جو پاکستان کے فوجی رہنما کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایک اور انتہائی دور اندیشانہ تجزیے میں بھٹو کہتے ہیں کہ سول سروس پر اس وقت دست درازی جب تک کہ وہ غائب ہو جائے ملک کے اتحاد

www.bhutto.org

اوراستحکام کوداؤ پر لگا کر خود کو برقرار رکھنے کی پالیسی کے حصے کے طور پر تمام مارشل لاء حکومتوں کی کھلی پالیسی رہی ہے۔

1971 میں شیخ مجیب الرحمٰن کو اپنی انتخابی فتح کے ثمرات سے لطف اندوز ہونے کے وقت کے مشرقی پاکستان میں مغربی بازو کے خلاف شدید ناراضگی جس نے اس دھماکے کو جب وہ واقع ہوا اس قدر تباہ کن بنا دیا تھا، اسے اس فوج کے اعمال نے ہوا دی جو مغربی فوج تھی اور جس نے مشرقی بازو کو بے رحمی کے ساتھ کچلا۔ فوج نے درحقیقت کیا کیا تھا اس کا علم اس وقت تک نہیں ہو سکے گا جب تک کہ پاکستان حمود الرحمٰن رپورٹ جاری نہ کرے یا کوئی اور اسے ظاہر نہ کر دے لیکن بھٹو جو کچھ کہہ چکے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ رپورٹ کتنی ضرر رساں ہوگی۔

اس وقت بھی حمود الرحمٰن رپورٹ پر میرا کھلا تبصرہ مسلح افواج کی شہرت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچائے گا۔ وہ جنرل ضیاء کو تنبیہہ کرتے ہیں وہ اسے مسلح افواج اور فوجی اشرافیہ ایک سخت فرم جرم اور آبروریزی۔ ڈاکے اور لوٹ مار کی ایک داستان قرار دیتے ہیں۔ بھٹو نے جیل سے مطالبہ کیا کہ جنرل ضیاء کو اس رپورٹ میں ردوبدل کرنے کی اجازت نہیں دی جانی چاہئے۔

اس وقت کے مشرقی پاکستان میں فوج نے جو کچھ کیا اس کے بارے میں فرد جرم پر بھٹو اس واضح تنبیہ کا اضافہ کرتے ہیں کہ فوج کی حکمرانی کا مسلسل جاری رہنا بچے کھچے پاکستان میں اس سے بھی زیادہ شدید بحران پیدا کر رہا ہے، آج پاکستان کو جس بحران کا سامنا ہے اس سے کہیں زیادہ شدید اور زیادہ تباہ کن ہے جتنا 1971 کا بحران تھا۔ بھٹو مزید کہتے ہیں کہ 1970 میں خطرہ تھا مشرقی پاکستان ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ 1978 میں خطرہ یہ ہے بچا کھچا پاکستان بھی جاتا رہے گا۔ ایک سطح پر مارشل لاء کے جاری رہنے کے قانونی نتائج ہیں اور دوسری سطح پر امن عامہ کے حوالے سے زیادہ خطرناک نتائج ہیں۔

1973 کا آئین جو وہ واحد بنیادی قانون ہے جو پاکستان میں اس وقت نافذ تھا جبکہ مارشل لاء نے اسے غیر موثر کر دیا اور صرف یہی ایک قانون تھا جسے رائے دہندگان کی منظوری حاصل تھی۔ اسے مسلسل دبائے رکھنے کا مطلب یہ ہوگا۔ آئین خود بخود ختم ہو جائے چاہے اسے

www.bhutto.org

ابھی تک ختم نہ کیا گیا ہو۔ ایسی صورت میں پاکستان کا انحصار صرف 1947 کے انڈی پنڈنس ایکٹ پر رہ جائے گا اور حقیقت یہ ہے کہ یہ کوئی بنیاد نہ ہوگی کیونکہ اس کی تشکیل کرنے والے یونٹ وہ خود مختاری حاصل کرلیں گے جو انہیں پاکستان کے وجود میں آنے سے پہلے حاصل تھی۔ تب بزنجو کا خواب جناح کے خواب کی جگہ لے گا۔

اس عامہ کی سطح پر، پاکستان 1977 کے بدترین دنوں سے زیادہ خانہ جنگی سے قریب ہے۔ بھٹو مارچ 1977 کے انتخابات کے بعد کے فسادات کا حوالے دیتے کہتے ہیں فوج کا دعویٰ ہے کہ اس نے انہی فسادات کی وجہ سے مداخلت کی ہے۔ بھٹو جنرل ضیاء کو اس خطرے سے آگاہ کرتے ہیں کہ میری زندگی سے زیادہ داؤ پر لگا ہوا ہے۔ اس بارے میں کسی غلط فہمی میں نہ رہیں پاکستان کا مستقبل داؤ پر لگا ہوا ہے۔

مگر بھٹو کی سب سے زیادہ دوررس تنبیہ تیسری دنیا کے ان ممالک کے لئے مخصوص ہے جو جمہوری عمل کی آلودگی اور سست رفتاری سے دل برداشتہ ہوکر مطلق العنانہ حکومت کی ترغیبات کی طرف جھکتے ہیں اور انہیں بعد میں پتہ چلتا ہے کہ اس کے فوائد صرف خیال یا زیادہ سے زیادہ مختصر مدت کے لئے ہوتے ہیں لیکن اس دوران جیسا کہ پاکستان کے معاملے میں ہے، ان ترغیبات کے آگے جھک جانا عادت بن جاتا ہے۔

آج میرے ذہن میں کوئی اور سیاستدان نہیں آتا جس نے اس ہمہ گیر دور بینی کا مظاہرہ کیا ہو جس طرح کا مظاہرہ بھٹو نے دنیا بھر میں ہونے والی فوجی بغاوتوں کا جائزہ لیتے ہوئے کیا ہے یا کسی میں وہ گہرائی تک پہنچنے والی دانش کا حامل ہو جس کا وہ پاکستان میں فوجی بغاوت کی راہ کی جڑوں کو عریاں کرتے ہوئے مظاہرہ کرتے ہیں لیکن میں ایسے کئی باعمل سیاستدانوں کا تصور کرسکتا ہوں جو ان میں ایک دوسرے مربوط تنبیہوں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو بھٹو تیسری دنیا کے ممالک کو دیتے ہیں۔

www.bhutto.org

فوجی بغاوتیں قومی اتحاد کی بدترین دشمن ہیں۔

اگر فوجی بغاوت سیاسی ڈھانچے کا مستقل حصہ بن جاتی ہے تو اس کا مطلب بکھرتے ہوئے آخری گلاب کی آخری پتی کا ٹوٹنا ہوگا۔اس کا مطلب اختتام ہے۔

پچھلے 20 برسوں کے واقعات نے مجھے اس غیر مبہم نتیجے تک پہنچایا ہے کہ تیسری دنیا کے اتحاد اور ترقی کو جس چیز سے سب سے زیادہ خطرہ لاحق ہے وہ فوجی بغاوت کی راہ ہے۔

فوجی بغاوت کی راہ وہ پل ہے جس پر چل کر بالادستی ہمارے ملکوں کو دبوچنے کے لئے آتی ہے۔ان تمام معاملات کے بارے میں بھٹو ہندوستان اور پاکستان کی پالیسیوں کا تقابل کرتے ہیں اور ان تمام کو وہ اپنے نقل نہ کئے جاسکنے والے انداز میں سمیٹتے ہیں۔

اگر ہندوستان پاکستان کی طرح مارشل لاؤں اور فوجی آمریتوں کا عذاب سہتا تو ہندوستان اب تک 3-4 ٹکڑوں میں بٹ گیا ہوتا۔ہندوستان پاکستان کے مقابلے میں زیادہ غیر ہم آہنگ ہے لیکن ہندوستان کو اس کی جمہوریت کے شور اور انتشار نے یک جا رکھا ہے۔

یک جا رکھا ہے پر بھٹو آزاد رکھا ہے کا اضافہ کر سکتے تھے کیونکہ یہ جمہوریت ہی تھی جس نے ہندوستانی قوم پرستی کو اتنا شور مچانے کی اجازت دی کہ ہر ایسے مداخلت کار کو خوفزدہ کر کے بھگا دے جس نے بالادستی کا ساز وسامان اپنے ہمراہ لانے کی کوشش کی۔بھٹو ان تمام باتوں میں مخلص ہیں یا وہ صرف ذہانت آمیز فقرے وضع کر رہے ہیں؟ کیا وہ جمہوری عقائد کی بنا پر فوجی حکومت کی مخالفت کر رہے ہیں یا صرف اس وجہ سے کہ ان کے اقتدار کے لئے صرف یہی ایک چیلنج ہے؟ وہ اپنا تختہ الٹے جانے کا الزام۔ایک غیر ملکی طاقت پر کیوں لگا رہے ہیں اس لئے کہ یہ سچ ہے؟ یا اس لئے کہ یہ ایک ایسا پیش پا افتادہ کتا ہے جس پر کسی بھی دن ہنٹر برسائے جا سکتے ہیں؟ اگر بھٹو زیادہ عرصہ زندہ رہتے ہیں تو انہیں اپنے عمل سے ان کا جواب دینا ہوگا اگر جوابات ان کے حق میں ہوں تو ان کے اقدامات کو لازماً ان سے بہت زیادہ بہتر ہونا پڑے گا۔جو ماضی میں ان کے اقدامات تھے لیکن فی الحال وہ یہ سوالات اٹھا رہے ہیں اور دوسروں کو ان کا جواب ہے۔

www.bhutto.org

انتہائی تکلیف دہ سوال جو وہ پوچھتے ہیں اور انہی الفاظ میں یہ ہے کہ ''نیوکلیئر ری پروسسینگ پلانٹ کا کیا بنا؟ ان کا یہ دعویٰ کس حد تک درست ہے کہ وہ ایک غیر ملکی طاقت جس سے اس کی مراد امریکہ ہے (گو کہ وہ مشرق وسطیٰ کے ایک شریکِ کار کی طرف اشارہ کرتے ہیں) ایک سمت اور دوسری سمت جنرل ضیاء اور پی این اے کے درمیان ایک سازش کے شکار ہیں۔ اور یقیناً جو آخری سوال وہ کرتے ہیں یہ ہے کہ میری بقاء کے کیا امکانات ہیں؟ اسے وہ اس انداز میں صرف اس لئے پیش نہیں کرتے کہ اپنے مستقبل کے بارے میں بات کرنا میرے وقار اور خودداری کے منافی ہے لیکن وہ یہ تجویز کرنے کے لئے بہت کچھ کہتے ہیں کہ وہ پاکستان اور دوسرے ممالک کے رہنماؤں کی طرف سے ان کی جانب سے مداخلت کے لئے کہہ رہے ہیں۔

بھٹو کہتے ہیں کہ اگر اندر سے غداری نہ ہوتی تو مجھے ان حالات سے نہ گزرنا پڑتا جن سے میں گزر رہا ہوں۔ ان کا جو مطلب یہ ہے کہ

i- جنہوں نے فیصلہ کیا تھا پاکستان کو نیوکلیئر ری پروسیسنگ پلانٹ (مختصر یہ کہ بم) سے محروم کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے ان کا تختہ الٹ دیا کیونکہ وہ اس سے دست بردار نہیں ہوئے۔

ii- تختہ الٹنے کے بعد ان لوگوں کے لئے ضروری تھا کہ وہ بھٹو کو جیل میں ڈال دیتے کیونکہ دوسری صورت میں عوام انہیں دوبارہ مسند اقتدار پر بٹھا دیتے۔

iii- بھٹو کو جیل میں ڈالنے کے بعد وہ انہیں پھانسی دینا یا انہیں توڑ دینا یا انہیں غیر معینہ مدت کے لئے جیل میں رکھنا چاہتے ہیں کیونکہ دوسری صورت میں وہ کسی بھی روز دوبارہ برسر اقتدار آ سکتے ہیں۔

iv- بیرونی طاقتوں کے لئے ایسا کرنا اس لئے ممکن ہوا کہ انہیں پاکستان کے اندر شریکِ کار مل گئے۔

v- اندرونی شریک کاروں نے ان سے غداری کی کیونکہ انہیں ایسا کرنے کے لئے رشوت دی گئی تھی۔ پی این اے کو رقم ملی اور چیف آف آرمی اسٹاف کو خواہش اقتدار کی تکمیل ملی۔

ان الزامات کی پشت پر جو شہادت ہے وہ کتنی مضبوط ہے؟ کسی جواب کے لئے الزامات کا علیحدہ علیحدہ جائزہ لینا پڑے گا مگر مختصراً میں یہ کہوں گا کہ واقعات کے بارے میں شہادت بہت اچھی ہے لیکن ان کے پس پردہ محرکات کے بارے میں اطمینان بخش نہیں ہے۔

بھٹو اپنے اس واضح دعوے میں حق بجانب ہیں کہ وہ اس قابل تھے کہ انہوں نے فرانس سے وہ معاہدہ کیا جس کے ذریعے پاکستان کو ایک نیوکلیئری ری پروسیسنگ پلانٹ ملتا۔ وہ اپنے اس دعوے میں بھی حق بجانب ہیں جو ان کی تحلیوں میں مضمر ہے، گو کہ وہ واضح الفاظ میں اس کا ذکر نہیں کرتے کہ یہ پلانٹ مل جاتا تو پاکستان کو بم تیار کرنے کی تکنیکی استعداد مل جاتی کیونکہ پلانٹ میں یہ صلاحیت ہے کہ اسلحہ کی تیاری میں استعمال ہونے کے قابل پلوٹو نیم تیار کر سکے۔

اس بات کی بے انتہا، کافی باوثوق اور تقریباً کھلی ہوئی شہادت موجود ہے کہ امریکہ نے بھٹو اور فرانس دونوں پر زبردست دباؤ ڈالا کہ وہ اس معاہدے کو عملی جامہ نہ پہنائیں اور اس دباؤ کے نتیجے میں فرانس نے پاکستان پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کی۔ لیکن صرف بھٹو کا تختہ الٹنے کے بعد، پلانٹ میں ایسے ردوبدل پر آمادہ ہو جائے کہ وہ اسلحہ کی تیار میں استعمال ہونے کے قابل پلوٹو نیم پیدا کرنے کے قابل نہ رہے۔

اس بات کی شہادت بھی موجود ہے کہ بھٹو کو دھمکی دی گئی تھی کہ اگر انہوں نے یہ پلانٹ اس شکل میں حاصل کرنے کی کوشش جاری رکھی کہ وہ اسلحہ کی تیاری میں استعمال ہونے والا پلوٹو نیم تیار کر سکے تو ان کا تختہ الٹ دیا جائے گا اور انہیں خطرناک نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس دھمکی کے ثبوت کے اور دوسرے ممکنہ ذرائع کے علاوہ دو ذرائع ہیں جو اس کی تائید کرتے ہیں۔ امریکہ ٹمپل یونیورسٹی میں پولیٹیکل سائنس کی اسسٹنٹ پروفیسر شیریں طاہر خیلی ایشین سروے (موسم گرما 1978) میں شائع ہونے والے اپنے ایک مضمون میں کہتی ہیں کہ اس معاہدے کے موضوع پر ان کی تحقیقات کے دوران، ایک ذریعے نے انہیں بتایا کہ رخصت ہونے والے امریکی سفیر (اسلام آباد میں) اس حد تک گئے کہ انہوں نے کسی لحاظ کے بغیر بھٹو سے کہا کہ اگر وہ پیچھے نہیں ہٹے تو وہ مزید برسر اقتدار نہیں رہیں گے۔ کہا جاتا ہے کہ اسی تبادلۂ

www.bhutto.org

خیال کے بعد امریکہ نے مارچ 1977 کے انتخابات اور اس کے بعد ہونے والے احتجاج میں حزب اختلاف کی مدد کی۔

دوسرا ذریعہ بھٹو کا بیان ہے۔ اپنے بیان کے دوران وہ بڑا واضح بیان دیتے ہیں۔ یہ اتنا واضح اور اتنا قائل کر دینے والا ہے کہ اس پر جعلی ہونے کا شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے اپنے وزیر پیداوار نے انہیں تنبیہ کیا کہ اگر بھٹو نے ری پروسیسنگ پلانٹ حاصل کرنے پر اصرار کیا تو ان کا عہدہ اور خود ان کی ذات خطرے میں پڑ جائے گی۔

بھٹو کی شہادت اور مس طاہر خیلی کی شہادت بالواسطہ شہادتیں ہیں اور آزادانہ طور پر تصدیق کے قابل نہیں ہیں لیکن بعد کے واقعات ان دونوں کی تائید کرتے ہیں۔ بھٹو سے ان کا عہدہ چھن گیا اور اب جان چھن جانے کا خطرہ لاحق ہے۔ فرانس نے کچھ عرصے تک امریکی دباؤ کا مقابلہ کرنے کے بعد معاہدے میں ایسے ردوبدل کی تجاویز پیش کیں جن سے یہ پلانٹ اس قابل نہ رہے کہ وہ اسلحہ کی تیاری میں کام آنے والا پلوٹونیم پیدا نہ کر سکے اور پچھلے موسم گرما کے بعد سے فرانس ان تبدیلیوں کے لئے پاکستان پر سخت دباؤ ڈال رہا ہے لیکن نہ تو اس بات کا کوئی ثبوت ہے کہ اگر بھٹو برسراقتدار رہیں تو وہ اس قابل ہوتے کہ پاکستان کو ایک جوہری ہتھیار رکھنے والا ملک بنا سکیں نہ ہی اس کا کوئی ثبوت ہے کہ جنرلوں نے اس پلانٹ میں کانٹ چھانٹ کی سازش کی یا انہوں نے اپنی بغاوت کے لئے امریکہ کی حمایت حاصل کرنے کے لئے ایسا کیا۔

پاکستان کو جوہری ہتھیار رکھنے والا ملک بنانے کا بھٹو کے جذبے پر شک نہیں کیا جا سکتا۔ مئی 1974 میں پوکھراں کے مقام پر ہندوستان نے ایٹمی دھماکہ کیا تو انہوں نے کہا کہ پاکستان گھاس کھا کر بھی بم بنائے گا۔ اپنے موجودہ بیان میں بھی کہا کہ اس کا تختہ نہ الٹا جاتا تو وہ اسلامی تہذیب کو بھرپور جوہری استعداد فراہم کرتے اسے ہندو، عیسائی اور یہودی تہذیبوں کے برابر لا کھڑا کرتے (انہوں نے بدھ اور چینی تہذیبوں کا ذکر کیوں چھوڑ دیا اس کی وجہ وہی بہتر جانتے ہیں)'' بھرپور استعداد کے لئے ان کی خواہش کے بھی بالواسطہ ثبوت ہیں۔ پاکستان کا جوہری پروگرام جو بذات خود ملک کے مالی وسائل اور عمومی تکنیکی صلاحیت سے بہت زیادہ ہے، وہ

www.bhutto.org

کم از کم آئندہ دس بیس سالوں کے لئے تجارتی اور تکنیکی اعتبار سے معقول نہ ہوتا۔ سیاسی اعتبار سے یہ بامعنی تو ہوتا لیکن صرف بم بنانے کے ایک ذریعے کی حیثیت سے۔

لیکن یہ بھی پاکستان کو ''بھرپور استعداد'' فراہم نہ کرتا کہ پاکستان کو پہلا اسلامی بم بنانے کا اعزاز حاصل ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے پلانٹ پر سخت ترین پابندیاں قبول کر لی تھیں ان پابندیوں کی حدود میں پاکستان اس قابل نہیں ہوتا کہ وہ حاصل ہونے والے پلوٹونیم کا ایک اونس بھی استعمال نہیں کر سکتا۔ جو کم از کم تجرباتی دھماکوں کے لئے ضروری ہے اور جس کے بغیر کوئی قابل بھروسہ اور قابل استعمال بم نہیں بنایا جا سکتا۔ نہ ہی سود بیازی کے لئے دھماکے کے بعد دنیا یہ تسلیم نہیں کرتی اور خاص طور پر پاکستان یہ تسلیم نہیں کرتا جو زیادہ اہم ہے کہ پرامن دھماکہ فوجی دھماکے سے مختلف ہوتا ہے۔

اگر بھٹو ان پابندیوں کے باوجود بھی پلانٹ حاصل کر لیتے تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ پاکستان فوری طور پر تمام غیر ملکی جوہری تکنیک سے محروم ہو جاتا اور اس کا تمام نیوکلیئر پروگرام رک جاتا کیونکہ پاکستان نے ابھی تک خود مختفی نیوکلیئر تکنیک حاصل نہیں کی ہے اور ابھی کئی برس تک اسے حاصل کرنے کے قابل نہ ہو سکے گا۔ نہ ہی اس کی معیشت اتنی طاقتور ہوتی ہے کہ بین الاقوامی ناراضگی برداشت کر سکے۔ ہندوستان نے بھی بوکھاراں دھماکہ کر کے یہ خطرہ مول لیا تھا اور اسے ابھی تک بھگت رہا ہے لیکن جس وقت ہندوستان نے یہ خطرہ مول لیا اس وقت کم از کم اس کی نیوکلیئر اور اس کے ساتھ ساتھ عمومی استعداد اور معاشی قوت اس سے اعلیٰ درجے کی تھی۔

اس لئے جب بھٹو یہ کہتے ہیں کہ وہ ری پروسیسنگ پلانٹ کی مدد سے ہندوستان اور پاکستان کے درمیان نیوکلیئر فرق کو ختم کر دیتے تو اس سے ان کا مطلب صرف یہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے ایک دھماکے کے ذریعے بوکھاراں دھماکے کی سطح تک پہنچ جاتے مگر پھر بھی ۱۰ سال پیچھے رہتے لیکن اس کے بعد ممالک کے درمیان شاید اختلاف اور بھی زیادہ ہو جاتا جتنا کہ آج ہے۔ غیر ملکی امداد کے بغیر کسی مقابلے میں پاکستان پر ہندوستان کی مالی نیوکلیئر اور تکنیکی بالادستی اس وقت سے زیادہ ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کی طرف سے ایک دھماکہ ہندوستان کو اکساتا کہ وہ نیوکلیئر

www.bhutto.org

میدان میں اس سے کہیں بڑھ کر کوشش کرے جتنی کوششوں کی طرف اس وقت اس کا رجحان ہے۔

بھٹو کی نیوکلیئر خواہشات کی معقولیت وہ سب سے بڑا سوالیہ نشان ہے جو ان کے اس الزام میں منڈلا رہا ہے کہ جنرل ضیاء نے اپنی بغاوت کے لئے غیر ملکی حمایت کے بدلے ری پروسیسنگ پلانٹ کو ڈبو دیا۔ پاکستانی رہنما اپنے عام بیانات میں فرانس پر زور دیئے جا رہے ہیں کہ وہ اس معاہدے پر عمل درآمد کرے۔ اسی طرح فرانس بھی بغاوت کے کئی ماہ بعد تک عوام کے سامنے معاہدے پر قائم رہا اور بھٹو کے اس دعوے کی تردید ہوئی کہ فرانس اس لئے اس معاہدے سے پھر گیا ہے کہ پاکستان میں ان کی جائز حکومت کی جگہ ایک ناجائز حکومت آ گئی ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ ان بیانات کو ان کی ظاہری صورت میں قبول کر لیا جائے۔ اگر فرانس اور پاکستان یہ فیصلہ کر چکے ہوتے کہ پلانٹ کا معاملہ ختم کر دیا جائے تب بھی ان ممالک کے رہنما ایسے ہی بیانات دیتے جبکہ پس پردہ وہ پلانٹ کے مسئلے کو ختم ہو جانے دیتے۔ بھٹو کے الزام کو ثابت شدہ تسلیم نہ کرنے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ جنرل ضیاء بھٹو کے وضع کردہ غیر معقول راستے پر نہ چلتے کوئی اور یا دوسری ۳ وجوہات میں سے کسی ایک وجہ کا سہارا لیتے جو ظاہر ہے کہ سازش سے زیادہ باعزت ہوتا۔

پہلی وجہ کی طرف پاکستان اکانومسٹ (21 اکتوبر 1978) میں اشارہ کیا گیا ہے لیکن اس کی تفصیل نہیں دی گئی ہے اس مضمون کا انتہائی موزوں عنوان ہے۔ ری پروسیسنگ ٹھنڈا کر دیتی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ پاکستان ایٹمی دھماکے کرنے کی استعداد کا خواہاں ہے ہی نہیں۔ وہ دوسری تکنیکوں پر عمل کر سکتا ہے۔ مثلاً پلوٹونیم کی راہ اختیار کر کے اس سے منسلک پابندیوں کو قبول کر کے اس کے بل گرنے کی بجائے یورینیم کی راہ اختیار کی جائے۔ اسی مضمون میں دوسری وجہ کا بھی اظہار کیا گیا ہے اور بڑے پرزور طریقے پر کیا گیا ہے۔ سوال کیا گیا ہے کہ آخر کیوں؟ وہ عوام جو پہلے ہی گھاس کھا رہے ہیں، بھوکے ننگے ہیں، آخر انہیں کیا ایسی ضرورت پیش آ گئی ہے کہ بم حاصل کیا جائے اور پورے مستقبل کو داؤ پر لگا دیا جائے۔

تیسری وجہ خالص فوجی ہے اور جنرل ضیاء کے لئے بہت پرکشش رہی ہو گی۔

www.bhutto.org

سائنسدان نہیں بلکہ ایک فوجی ہونے کی وجہ سے وہ اس بات کو زیادہ پسند کریں گے کہ پاکستان ایسے اسلحہ حاصل کرے جس کو سپاہی جانتے اور سمجھتے ہوں اور جو اقتدار میں سپاہیوں کے رہتے میں اضافے کا سبب بنیں۔ بہ نسبت اسلحہ کے اس نظام کے جو وسائل کی بڑی تعداد کو ایسے اسلحہ کی طرف موڑتا ہے جنہیں صرف سائنسدان استعمال کرتے ہیں اور جس کی وجہ سے سماج میں سائنسدان کا رتبہ بلند ہوتا ہے۔

اس لئے وہ ایک طرف امریکہ کی طرف سے روایتی اسلحہ کی فراہمی کے منقطع ہونے کی قیمت پلانٹ حاصل کرنے اور دوسری طرف سے ایسے اسلحہ کی فراہمی میں اضافہ کروانے (کینگر نے خاص طور پر جس کا وعدہ کیا تھا، بشرطیکہ پاکستان پلانٹ کا منصوبہ ترک کردے) کے درمیان روایتی اسلحہ کو ترجیح دیتے۔ یہ ایسے ہیں جو فوری طور پر دستیاب ہیں جبکہ بھرپور نیوکلیئر استعداد ایک دور کا اور غیر یقینی امکان ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ رشوت رہی ہو اور اس کو حاصل کرنے کی ایک شرط یہ رہی ہو کہ پی این اے کی انتخابی کوششوں کی اعانت کر کے بھٹو کا تختہ الٹا جائے بشرطیکہ ایسا ہو جائے یا پھر اگر ضروری ہو جائے تو فوجی بغاوت کے ذریعے تختہ الٹا جائے۔ یہ سینیریو جنرل ضیاء کے خلاف الزامات کے واقعات کا ثبوت تو فراہم کرتا ہے لیکن جنرل ضیاء کے محرکات کے بارے میں ان کی رائے کا نہیں لیکن جب یہ فیصلہ ہو گیا کہ بھٹو کا تختہ الٹ دیا جائے تو دوسرے اقدامات انہیں جیل میں ڈالنا انہیں توڑ دینا یا پھانسی دینا۔ اعلانیہ طور پر ایسے اقدامات ہیں جن کو اٹھانے پر مجبور کرنے والی چیز بھٹو کی مسلسل انتخابی مقبولیت ہے۔

آئندہ کیا ہونے والا ہے؟

لیکن بھٹو جنرل ضیاء سے جو باتیں منسوب کرتے ہیں ان کے ثابت کرنے میں کامیاب ہیں یا نہیں مگر جنرل ضیاء یقینی طور پر بھٹو کا تختہ الٹنے یا اس کے بعد سے جو کچھ ان کے ساتھ ہو رہا ہے اسے جائز ثابت نہیں کر سکتے۔ پہلے قرطاس ابیض میں بھٹو پر الزام لگایا گیا ہے کہ انہوں نے مارچ 1977 کے انتخابات میں دھاندلی کی تھی لیکن یہ (قرطاس ابیض اسے ثابت

www.bhutto.org

کرنے میں) ناکام رہتا ہے۔ بھٹو یہ بات ثابت کرنے میں کامیاب نہیں ہوتے کہ دھاندلی نہیں ہوئی تھی۔ ان کی وضاحتیں کہ انہوں نے لاڑکانہ پلان پر کیسے دستخط کئے قطعی قائل نہیں کرتیں۔

لیکن بھٹو یہ ثابت کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں اور قرطاس ابیض اسے غلط ثابت کرنے میں ناکام رہتا ہے کہ انہیں فیصلہ کن اکثریت کی حمایت حاصل تھی۔ اور کسی دھاندلی کے بغیر وہ انتخابات جیت سکتے تھے۔ وہ یہ ثابت کرنے میں بھی کامیاب ہوئے ہیں اور قرطاس ابیض پھر اسے غلط ثابت کرنے میں ناکام رہتا ہے کہ جو کچھ بھی دھاندلی ہوئی ہو وہ کسی اعتبار سے نتائج پر زیادہ اثر انداز نہیں ہو سکتی تھی۔

اس لئے یہ بات واضح ہے کہ جنرل ضیاء نے جو کچھ کیا یہ ہے کہ انہوں نے ایک ایسے صدر اور وزیر اعظم کو معزول کیا جسے عوام میں اور قومی اسمبلی میں اکثریتی حمایت حاصل تھی اور دوسری بات کے بارے میں تو کوئی تنازعہ ہی نہیں ہے انتخابات کے بعد جو فسادات ہوئے وہ مسلح طور پر اتنے شدید تھے کہ ایک سپاہی کو یقین دلا دیں کہ ملک کو بچانے کے لئے اس کا مداخلت کرنا ضروری ہے۔ خاص طور پر ایسے سپاہی کے لئے جو کسی نہ کسی طرح مداخلت کرنے کا پہلے ہی فیصلہ کر چکا ہو۔

لیکن اگر یہ سچ نہ بھی ہو اور بھٹو اچھی طرح ثابت کرتے ہیں کہ یہ سچ ہے کہ فوج اس گڑ بڑ میں فریق تھی جسے اس نے بعد میں مداخلت کا جواز بنا کر پیش کیا۔ صرف اسی حد تک اس مداخلت کو جائز قرار دیا جا سکتا تھا جس حد تک اعلان ابتداء میں جنرل ضیاء نے کیا تھا۔ حد یہ تھی کہ فوج بہت مختصر عرصے تک میدان پر قابض رہے گی اور اس بات کی فکر کئے بغیر کہ اس طرح بھٹو دوبارہ برسر اقتدار آتے ہیں یا نہیں غیر جانبدارانہ انتخابات کرائے گی۔

لیکن جس انداز میں غیر معینہ مدت کے لئے مارشل لاء جاری ہے وہ جنرل ضیاء کی اعلان کردہ نیت کو مخلصانہ ماننے کو ناممکن بنا دیتا ہے اس سے بھٹو کے ان خدشات کی بھی تصدیق ہوتی ہے کہ ''مثبت نتائج'' صرف اور صرف جن کے حصول کے لئے وہ انتخاب کرانے پر آمادہ ہیں، سے جنرل کی مراد ایسے نتائج ہیں جو بھٹو کو مکمل طور پر خارج کر دیں۔ چونکہ ابھی طویل عرصے تک ایسا نہیں ہو سکے گا اس لئے انتخاب کے جلد ہونے اور طویل عرصے میں منصفانہ انتخابات ہونے کو

www.bhutto.org

خارج از امکان قرار دیا جاسکتا ہے۔ مارشل لا حکام ایسے انتخابات نہیں کرائیں گے چاہے یہ پاکستان کے سیاسی مستقبل کو کتنا ہی غیر مستحکم کر دیں۔

جب تک بھٹو زندہ ہے منصفانہ انتخابات سے اس خوف کی وجہ سے گریز کیا جائے گا کہ وہ انہیں جیت لیں گے یا دوسرے لوگ ان کے نام پر جیت لیں گے لیکن ان کی موت کے بعد بھی۔ اگر وہ پھانسی سے واقع ہوئی، وہ اس خوف سے انتخابات نہیں کرائیں گے کہ کوئی اور ان کے بھوت کے نام پر انتخابات جیت جائے گا۔ اسی طرح وہ یا ان کا بھوت ان کی پارٹی کے اندر حالیہ انحراف کو بے اثر بنا دیں گے چاہے یہ انحراف حقیقی ہو یا اسے باہر سے وجود میں لایا گیا ہو۔

معزول ہونے کے بعد جو دوسرا واقعہ بھٹو کے ساتھ پیش آیا وہ لاہور ہائی کورٹ میں اس الزام پر "مقدمہ" ہے کہ ایک سازش کے تحت جو انہوں نے تیار کی تھی فیڈرل سکیورٹی فورس کے دو ارکان نے ان کے ایک سیاسی مخالف کو ہلاک کرنے کی کوشش کی اور مخالف کے باپ کو ہلاک کرنے میں کامیاب ہوئے بھٹو نے مقدمے کی منصفانہ کارروائی کے بارے میں کئی کھری باتیں کہی ہیں اور زیادہ تر احتجاجاً بائیکاٹ کئے رکھا۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ اس ضمن میں ان کی کہی ہوئی باتوں میں ہر پر بھروسہ کیا جائے۔ واقعات ان کے اور ان کے ساتھ ساتھ امریکہ کے سابق اٹارنی جنرل مسٹر ریمز ے کلارک کے حق میں بولتے ہیں۔ مسٹر کلارک نے لاہور کارروائی کے دوران پاکستان کا دورہ کیا تھا اور بعد میں اپنا جائزہ شائع کیا تھا۔

سب سے پہلے وہ یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ ان دو ججوں کو مقدمہ قتل کی سماعت کرنے والی بنچ سے خارج کیا گیا۔ جنہوں نے کچھ عرصہ قبل ان کی حبس بیجا کی درخواست منظور کی تھی اور دوسری طرف چیف جسٹس نے خود کو اس تنازعے کے باوجود بنچ میں شامل کیا جب بھٹو اقتدار میں تھے اور چیف جسٹس پر دوسرے جج کو فوقیت دی گئی تھی۔

دوئم یہ کہ مقدمے کا مطالعہ کرنے کے بعد کہا کہ انہوں نے بھٹو کے خلاف الزامات کو "جعلی طور پر ناممکن" بڑے گواہ کی گواہی مشتبہ بھی زیادہ اور بھٹو کے خلاف چیف جسٹس کے تعصب کو ان کے 145 صفحات کے فیصلے میں جابجا بکھرا ہوا پایا۔ اس کے بعد اس بیان پر یقین نہ

www.bhutto.org

کرنا مشکل ہے جو بھٹو عدالت میں ان کے ساتھ برتاؤ کے بارے میں دیتے ہیں۔ بھٹو کا اپنے مخالفین کے ساتھ برتاؤ شاید اس سے بھی زیادہ خراب تھا۔ لیکن یہ ایک ایسی داستان ہے جسے علیحدہ بیان کرنے کی ضرورت ہے۔

بھٹو کے وکیل یحییٰ بختیار کے بقول جس میں دو سے زیادہ آدمی نہیں بیٹھ سکتے اس موت کی کوٹھری میں منتظر بھٹو کے ساتھ کیا پیش آنے والا ہے؟ ان کے سامنے جتنے راستے ہیں سب گمبھیر ہیں لیکن سب سے برتر وہ جو فوجی حکمران کے نکتۂ نظر سے بہترین ہوگا مگر اس کے عملی صورت اختیار کرنے کی کوئی علامات نہیں ہیں۔

صرف ایک چیز جو جنرل ضیاء کو کھونٹی سے اتار سکتی ہے اور وہ ہے بھٹو کا جسمانی اور اخلاقی طور پر ڈھے جانا۔ ایسی صورت میں بھٹو کے پیروؤں کے پاس ویسا لیڈر نہیں رہے گا جیسا کہ ایک صحت مند اور آزاد بھٹو کسی دن ہو سکتا ہے نہ ہی ان کے پاس نقطۂ اتصال دو جدان باقی رہے گا۔ جو ایک شہید بھٹو بن سکتا ہے تب جنرل اپنی خواہش کے مطابق مثبت نتائج کے حامل انتخابات کروا سکتے ہیں یا سرے سے کرواتے ہی نہیں کیونکہ اگر باقی نجانے والا بھٹو ایک ساتھ کھویا ہوا رہنما ہو تو ان پر دباؤ بہت ہی کم ہو جائے گا پی این اے سمیت کئی جماعتیں انتخابات کا مطالبہ کر رہی ہیں لیکن اگر بھٹو سمیت پی پی پی کی ساکھ چھن جائے تو فوج کا سیاسی معاملات نمٹانے کا کام بہت آسان ہو جائے گا۔

اپنے حالات کے بارے میں بھٹو کا بیان دردناک ہے اور یہ شاید کئی ماہ قبل لکھے گئے تھے اور اس کے بعد سے ان کی بھوک ہڑتالوں کی خبریں بھی آتی رہی ہیں اس لئے ہو سکتا ہے آج ان کی حالت پہلے سے بھی خراب ہو اور بیرونی طاقتوں اور ملکی لیڈروں کی طرف سے فوری ردعمل کے ہمیشہ سے زیادہ ضرورت مند ہوں لیکن اگر ماضی کوئی رہنمائی کر سکتا ہے تو بھٹو ایک مضبوط اور اعلیٰ محرکات رکھنے والے آدمی ہیں جنہیں مقدمات سے مزید تقویت ملتی ہے ایسے سیاستدان جب لڑائی میں گھر جائیں تو کافی دیرپا ثابت ہوتے ہیں۔

بھٹو کی دوہری اپیلیں یہ امکانات پیش کرتی ہیں کہ زیتون کی وہ شاخ جو وہ بیرونی

طاقتوں کے لئے اٹھائے ہیں وہ ان کے ماضی کے اعتقادات کے سخت کانٹوں سے بھری ہوئی ہے اور ملکی لیڈروں سے بھائیوں کے درمیان مذاکرات کی اپیل کرتے ہوئے وہ اب بھی مارشل لاء کے عذاب اور بدنما داغ کی مذمت کرتے ہیں اس پورے بیان میں ایسی دوسری عبارتیں بھی ہیں جو ظاہر کرتی ہیں کہ ان کا دانشورانہ ریاض ذہن کی تیزی اب بھی اتنے ہی عظیم ہیں جتنے پہلے تھے بلکہ شاید اب پہلے سے بھی زیادہ ہیں۔

بھٹو کے ڈھ جانے کا انتظار کرتے ہوئے جنرل ضیاء کو ایشیا کے دوسرے کنارے پر ایک اور مطلق العنان صدر اور ایک اور قیدی کے معاملے پر بھی غور کرنا چاہئے فلپائن میں صدر مارکوس اکینو کو توڑنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ جنہیں انہوں نے سازش اور قتل کے الزام میں جیل میں ڈال رکھا ہے۔ اکینو کو مقابلہ کرتے ہوئے ۷ سال تو گزر ہی چکے ہیں۔

اگر بھٹو ڈھے نہیں جاتے تو پھر ان پر کیا گزرنے والی ہے؟ جیسے حالات ہیں آیا یہ ایسے ہی رہیں گے ایسا نکتہ ہے جس پر بعد میں بحث کرنے کی ضرورت ہے۔ ظاہری امکانات ۲ باتوں تک محدود ہیں۔ پھانسی کے ذریعے جلد آزادی اور عذاب کی طویل رات جس میں پہلے امکان کے حق میں پلڑہ بھاری ہو۔ بھٹو کے خلاف اور دوسرے مقدموں کی لمبی ڈور بندھی ہے جس میں قتل کا ایک اور الزام اور انتخابات میں دھاندلی کا الزام بھی شامل ہیں ان مقدمات میں ان کے خلاف کارروائی کے بارے میں توقع ہے کہ اتنی ہی منصفانہ ہوگی جتنی کہ لاہور ہائی کورٹ کی کارروائی تھی لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس ہی چیف الیکشن کمشنر بھی ہیں (ایک ایسا اجتماع جس کے خلاف بھٹو نے لاحاصل احتجاج کیا تھا) اور بلاشبہ دھاندلی کو ثابت کرنے کے لئے بہت کچھ کر لیا گیا۔

اس لئے ایک طرف موجودہ مقدمہ قتل میں بھٹو کے بری ہونے کے مواقع کا انحصار اس بات پر ہے کہ آیا سپریم کورٹ اس بات کو مناسب سمجھتی ہے کہ پورے معاملے کا از سر نو جائزہ اور آزادی کے ساتھ لے اور خود کو صرف قانون کے سوال تک محدود رکھے۔ بہرحال یہاں کچھ زیادہ قانون کا سوال درپیش نہیں ہے اگر آدمی نے قتل کیا ہے تو پھانسی چڑھے گا اصل سوال یہ ہے کہ اشتراک کے حقائق کیا ہیں آیا لاہور ہائی کورٹ نے ایک غیر جانبدارانہ ذہن کے ساتھ حقائق کا

مطالعہ کیا ہے۔ دوسری طرف اس مقدمے میں ان کے ناقابل قیاس برأت کی صورت میں وہ دوسرے مقدمات میں سلاخوں کے پیچھے رکھے جائیں گے۔

اگر سپریم کورٹ سزائے موت کی توثیق کر دیتی ہے اور بھٹو رحم کی درخواست نہیں کرتے تو ایسی کوئی بات نہیں جو جنرل ضیاء کو خود اپنی رحم کر کے سزائے موت میں تخفیف کر کے اسے عمر قید میں تبدیل کر دیں۔ ایسا کیا جائے یا نہ کیا جائے اس کا فیصلہ کرتے وقت انہیں دوسرے ممالک کے ردعمل کو سامنے رکھنا ہوگا مگر بھٹو کی بدقسمتی سے سفارتی دباؤ دوطرفہ کام کرے گا۔

لاہور ہائی کورٹ کے فیصلے کے بعد کئی ممالک نے جنرل ضیاء پر زور دیا ہے کہ سزا پر عملدرآمد نہ کریں۔ ہندوستان نے موافقانہ خاموشی اختیار کی اور ہوسکتا ہے کہ اب بھی یہی کرتے لیکن چین، امریکہ، سوویت یونین، ایران، سعودی عرب، مصر، لیبیا اور کئی دوسرے ممالک نے رحم کرنے کا مشورہ دیا۔ سوویت یونین اور آگے گیا کنارے بیٹھنے کی بجائے اس مائع صورت حال میں چھلانگ لگا دی اور بھٹو کو ترقی پسند اور ان کے جانشینوں کو رجعت پسند قرار دیا (ماسکو کے لئے اپنی سرمایہ کاری پر ڈیوڈ اینڈ وصول کرنے کا دن آ سکتا ہے)۔ لیکن لاہور ہائی کورٹ کے فیصلے کے بعد ایران کے واقعات نے بھٹو کے خلاف مداخلت کی ہے اول تو یہ کہ جیسا کہ پہلے بحث کی جا چکی ہے۔ ان واقعات نے جنرل ضیاء کے لئے خط کشید کیا کہ بھٹو جب تک زندہ ہیں کس قدر خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔ دوم یہ کہ ان واقعات نے شاہ کو ہٹا دیا ہے جن کا مشورہ پاکستان میں زیادہ طاقتور ہوتا۔ سوئم یہ کہ ان واقعات نے سعودی عرب کو کوئی ایسا مشورہ دینے کے بارے میں پس وپیش میں ڈال دیا ہے جو صدر ضیاء کے لئے ناخوشگوار ہو ایک بازو پر ایک برادر تاجدار کو کھو دینے کے بعد سعودی عرب دوسرے بازو میں ایک مطلق العنان برادر کو پریشان کرنا پسند نہیں کرے گا۔ اس لئے جنرل شاید خود کو آزاد محسوس کریں کہ انہی ترجیحات کے مطابق اپنی راہ عمل کا تعین کریں اور ان ترجیحات کی رہنمائی اس قدر و قیمت سے ہوگی جو وہ اپنی گردن سے وابستہ کرتے ہیں۔

ان دونوں (یعنی جلد پھانسی یا غیر معینہ قید میں سے کسی صورت میں بھی نتائج پاکستان کے لئے زیادہ اہم ہیں یہاں صرف قیاس آرائیوں پر انحصار کیا جا سکتا ہے اور میں ان ہی امکانات

www.bhutto.org

کی چار دیواری میں قیاس آرائی کروں گا پہلا یہ کہ اگر مسٹر بھٹو کو پھانسی دی گئی تو عوامی غصہ پھٹ پڑے گا۔ دوسرا یہ کہ جنرل ضیاء کسی حد تک خون خرابے کے بعد اس دھماکے پر قابو پانے میں کامیاب ہو جائیں گے گو کہ اس خون خرابے کی وسعت کے بارے میں بیرونی دنیا کو کچھ معلوم نہ ہو گا۔ تیسرا یہ کہ اس احتجاج کو کچلنے میں کامیاب ہونے کے بعد جنرل ضیاء کی حکومت زیادہ عرصہ برقرار نہیں رہے گی، چوتھا یہ کہ جب جنرل ضیاء رخصت ہو جائیں گے تو بھٹو کا بھوت ان کی جگہ لے گا یا خود بھٹو کو عمر قید ہونے کے بعد بھی یہ باتیں وقوع پذیر ہوئی ہوں یا وہ ایسی تیز رفتاری سے واقع ہوئی ہیں جس کا امکان نہیں ہے کہ بھٹو کو پھانسی دینے سے پہلے ہی جنرل ضیاء کو ہٹا دیا جاتا ہے جب واقعات کا یہ دائرہ مکمل ہو جائے گا تو پاکستان ایک انتہائی مختلف محور میں داخل ہو گا۔ اس کی وجہ سے بعد میں آنے والی حکومت یا حکومتیں ہوں ان کی خواہش کے بغیر ہی ہو۔

ان محدود قیاس آرائیوں کو پھیلانے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ بھٹو نے پیشگوئی کی ہے کہ "اگر مجھے پھانسی کے ذریعے قتل کیا گیا تو آگ لگ جائے گی، زبردست آگ لگے گی مگر ایسی نہیں کہ اس پر قابو نہ پایا جا سکے۔ یہ کہنے کی دو وجوہات ہیں پہلی وجہ یہ کہ اپنی صدارت کے آخری دنوں میں بھٹو نے اپنے اقتدار کو ایسی طمع اور غرور کے ساتھ استعمال کیا کہ اس نے عوام کی بڑی تعداد اور اقدام کر سکنے والے ایسے اداروں کو ان سے کاٹ دیا جو دوسری صورت میں جنرل ضیاء کی مخالفت کو مستحکم کرتے، انہی کی طرف سے بھٹو کی مخالفت تھی جس نے جنرل ضیاء کو بھٹو کے خلاف کارروائی کرنے کی جرأت دلائی اور یہی انہی کی حمایت ہو گی جو جنرل ضیاء کو اس قابل بنائے گی کہ وہ آگ کو قابو سے باہر ہونے سے پہلے ہی اس پر قابو پالیں۔

دوسری وجہ یہ ہے پاکستان میں علاقائی سیاسی مفادات کی مختلف النوعی کچھ آگ کو پھیلائے گی۔ تمام مفادات کسی نہ کسی حد تک اس آگ میں کوئلے ڈالیں گے لیکن اس کے بعد ہر ایک اپنی راہ کی طرف کھینچے گا اور اس سے جنرل ضیاء کو مدد ملے گی۔ لیکن یہ صرف مختصر عرصہ کے لئے ہو گا طویل مدت میں برصغیر کی سیاسی فطرت، جس کی تعریف میں بھٹو نے ایک سیاسی نغمہ لکھا ہے پاکستان میں بھی اپنا رنگ دکھائے گی اس عمل اسے حسب ذیل حقائق سے مدد ملے گی۔

i- پاکستان کی فوج بڑی حد تک پنجابی فوج ہے یہ غیر پنجابی صوبوں میں گڑبڑ کو دبانے کے لئے جس قدر سخت اقدامات کرے گی، انہیں طویل مدت میں اتنا ہی مشتعل کرے گی۔

ii- ایران کے وجدان نے پورے خطے کو اور احتجاج کے نوعمر مرحلوں کو جس کی پاکستان میں کئی پوشیدہ نہیں ہیں اتنا جرأت مند بنا دیا ہے کہ اگر وہ ایک بار آگ پکڑ لیں تو انہیں دبانا خصوصاً مشکل ہو گیا ہے۔

iii- فوج میں نوجوان افسروں کی خاصی تعداد پر مشتمل گروہ موجود ہے جو جنرل ضیاء کے کے مقابلے میں بھٹو کو زیادہ قابل تقلید سمجھتے ہیں ان کی انتہا پسندی انہیں صدر ضیاء کے مقابلے بھٹو کی طرف زیادہ لیجاتی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوگا کہ پہلے بے چینی ہوگی پھر جنرل ضیاء کی حکومت کو بدلا جائے گا ممکن ہے کہ پہلے سینئر جنرلوں کا گروپ ان کی جگہ لے اور یہ طے کرے کہ بھٹو سے نمٹنے کے بعد ضیاء کی افادیت ختم ہو گئی ہے لیکن بعد میں نوجوان افسروں کا کوئی گروہ یا سیاسی جماعتوں کا رنگ برنگ جمگھٹا ان کی جگہ لے لے گا اگر بھٹو اس وقت بھی زندہ ہوں جب یہ تبدیلیاں واقع ہو رہی ہوں یعنی اگر بھٹو کو عمر قید ہونے کے خلاف بھی احتجاج ہوتا ہے یا سزائے موت کی توثیق لیکن اس پر عمل درآمد سے پہلے ہوں تب وہ زیادہ عرصے اقتدار سے باہر نہیں رہیں گے۔

اگر وہ اس وقت مر چکے ہوں تو یکے بعد دیگرے ہونے والی تبدیلیاں پاکستان کو بتدریج اس قسم کی سیاست کی طرف لے جائیں گی جو بعض شدت پسند عرب ممالک میں فروغ پا رہی ہے اس قسم کی سیاست جس کی بھٹو نے اس بیان میں جسے ان کی وصیت کا نام دیا جا سکتا ہے نشاندہی کی ہے لیکن یہ بات مشتبہ ہے کہ پاکستان بیک جست عراقی، شامی، لیبیائی محور میں چلا جائے گا۔ ممکن ہے کہ اس ضمن میں بھٹو کے خدشات درست ثابت ہوں جبکہ انہیں غلط ثابت کرنے کے لئے وہ خود موجود نہ ہوں۔

لیکن ایک سوال ہے جو تمام قیاس آرائیوں کے مقابلے پر کھڑا ہے بھٹو نے آخر سب کو کیوں بھک سے اڑا دیا جب کہ ان کے پاس سب کچھ تھا؟ ان کے پاس اقتدار تھا، مقبولیت تھی،

ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ فہم وفراست تھی کہ ان چیزوں کے ساتھ انہیں کیا کرنا چاہئے ان کے پاس روشن خیال تربیت تھی جو انہیں یہ فیصلہ کرنے میں مدد دیتی کہ ان کی ترجیحات کیا ہونی چاہئیں تب انہوں نے اپنے کیریئر (ان کی زندگی؟) کے اختتام کے قریب ایسا رویہ کیوں اختیار کیا جیسا رویہ ایک محصور قبائل سردار غصے کے عالم میں اختیار کرتا ہے اس مہذب رہنما کے رویے جیسا نہیں جو ایک روشن مستقبل رکھنے والے ملک کا رہنما ہو جبکہ اس کے افق پر کوئی بادل نہ ہوں سوائے ان چند بادلوں کے جو خود اس کے اپنے پیدا کردہ ہوں۔

اگر بھٹو ان لوگوں کی وفاداریوں کو بچائے رکھ سکتے جنہوں نے ان کی خوب خدمت کی تھی اور طاقت کے ہراس آلے کو جو ان کی دسترس میں آیا نہ توڑتے مروڑتے تو کوئی جاہ پرست جنرل انہیں نکال پھینکنے کی جرات نہ کر سکتا کیونکہ مارشل لاء کے کیسز کا ایک تریاق ان کے پاس تھا اور وہ تھا عوام کی حمایت لیکن انہوں نے جو رویہ اختیار کیا اس کے بعد وہ بے اعتمادی کا نشانہ بن گئے۔ انسان موت کی کوٹھری سے حالات کا کم حیلوں بہانوں سے جائزہ لیتا ہے مگر ان کی وصیت بھی...... گو کہ یہ انتہائی درخشاں ہے اور شاید مخلصانہ بھی، وہ بھی کسی قدر تمسخر کا نشانہ بنے۔

اگر اس سوال کا جواب یہ ہے کہ دوسرے ممالک میں دوسرے رہنماؤں نے بھی ایسا ہی رویہ اختیار کیا تھا اور اس سے بڑے مواقع کو ضائع کر دیا تھا تو اس سے یہ سوال اور بھی شدید ہو جاتا ہے تیسری دنیا کے اتنے بہت سے جمہوریت پسند رہنماؤں نے ان موقعوں کو ضائع کر دیا جو انہیں اپنی زندگی میں ادارے تعمیر کرنے کے لئے حاصل تھے اس کی بجائے انہوں نے ان موقعوں کو خود اپنی طاقت کی آگ میں جلا دیا؟ نہرو ایک استثنیٰ کے طور پر نمایاں ہیں لیکن وہ اتنے نایاب کیوں ہیں۔

لیکن اس تعارف کا مقصد فلسفیانہ سوالات اٹھانا نہیں ہے اس سے بھی کم ان کا جواب دینا، مقصد صرف یہ ہے کہ ان دلائل کو یکجا کر دیا جائے جو بھٹو کی دستاویز میں بکھرے ہوئے ہیں اور ان کے ذریعے قاری کی رہنمائی کی جائے اس فرض کی انجام دہی کے بعد تعارف کو ختم ہو جانا چاہیے اس کے بعد جو کچھ ہے وہ 'غذا' ہے جس کا بھٹو نے وعدہ کیا تھا۔

www.bhutto.org

انتخابات میں بھٹو کی کامیابی یقینی تھی

(رابرٹ بیڈنٹر، لے نو ویل آبزرویٹر، پیرس)

راولپنڈی میں اس سفید عمارت کے باہر جس میں سپریم کورٹ آف پاکستان واقع ہے۔ پولیس کا زبردست پہرہ رہتا ہے۔ احاطے میں داخل ہونے کے لئے اور پھر کمرۂ عدالت تک پہنچنے کے لئے پاس ضرور دکھانا پڑتا ہے۔ بھٹو کے مقدمے کی سماعت کھلی عدالت میں ہو رہی ہے لیکن 'چھانے ہوئے' لوگ ہی کمرۂ عدالت میں جا سکتے ہیں۔ پاکستانی انصاف کی تقدیس گاہ میں ایک مرتبہ داخل ہونے پر دیکھنے والوں کو ایک واحد تاثر ملتا ہے کہ ہر چیز میں انگریزیت کی روح پھونکی ہوتی ہے۔ دلائل انگریزی زبان میں انگریزی طریقہ کار سے دیئے جاتے ہیں۔ سابقہ حوالے عموماً سابق برطانوی حکومت کے ہوتے ہیں۔ تمام شرکاء عدالتی اخلاقیات کے پابند ہوتے ہیں جو برطانوی انصاف کی نمایاں خصوصیت کے طور پر ابھی باقی ہیں۔

قانونی سوانگ

اس سے نتیجتاً ظاہر ہوتا ہے کہ انصاف کی مطمئن کرنے والی اشکال جو دنیا بھر میں سب سے زیادہ تحفظ فراہم کرتی ہیں، اس جگہ مقدمے کی سماعت کو چند روز تک سننے کے بعد ایک طرح سے اس مشہور و معروف بدمزگی کو جنم دیتی نظر آتی ہے، جسے میں کافکا کا نام دوں گا، یعنی وہ پوشیدہ

www.bhutto.org

کرب جو عدلیہ کی رسم اس وقت وجود میں لاتی ہے۔ جب وہ باطل ثابت ہونے لگتی ہے اور جب پس منظر میں موت منڈلانے لگتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شرفا کے مابین دلائل کے دوران ایک پوشیدہ سوال سارے ملک کی طرح کمرۂ عدالت میں بھی ہر وقت موجود رہتا ہے کہ کیا بھٹو کو ہلاک کر دیا جائے گا؟

جہاں تک اس کے اثر کی بات ہے، یہ یقیناً پاکستان کے ممتاز ترین سیاستدان کے جسمانی طور پر پتہ صاف کر دینے کا سوال ہے جو دو مرتبہ وزیر رہ چکا ہے، صدر رہا ہے، بااختیار وزیراعظم تھا اور ملک کی اہم ترین اور واحد منظم سیاسی طاقت، پاکستان پیپلز پارٹی کا ناقابل تقابل لیڈر ہے۔ 5 جولائی 1977 کو فوج کے حکمت کا تختہ الٹنے تک ذوالفقار علی بھٹو بلاشبہ پاکستان کا مردِ آہن تھا۔ بیرون ملک کوئی بھی بے ساختہ کہہ سکتا تھا۔ ملک کا واحد سیاستدان! گھر میں نظر بند کئے جانے اور پھر اگست 1977 میں رہا کئے جانے کے بعد بھٹو کے دوروں نے ہر جگہ پرجوش مظاہروں کو جنم دیا۔ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاء نے اکتوبر 1977 میں عام انتخابات کرانے کا اعلان کیا تھا۔ بھٹو کی کامیابی یقینی تھی۔ لہٰذا ستمبر 1977 میں بھٹو کو گرفتار کرلیا گیا، سرکاری طور پر سیاسی وجوہ کی بنا پر نہیں بلکہ عام قانون کے تحت جس کا تعلق عام جرائم کے انصاف سے ہے، ایک جرم میں شریک کار ہونے کے الزام میں۔ اور یہی وجہ ہے کہ یہ دماغ مختل کر دینے والا مقدمہ جو مارچ 78 میں بھٹو کی سزائے موت کے فیصلے پر منتج ہوا، لاہور ہائی کورٹ میں زیر سماعت آیا اور دی آواز کی اپیل میں اس کی سماعت راولپنڈی سپریم کورٹ میں جاری ہے۔ کسی تجزیے کو ثابت کرنے کے لئے جرائم کے معاملات سے واقفیت رکھنا قطعی ضروری نہیں ہے۔ بھٹو کا مقدمہ جن طریقوں کے مطابق شائستگی سے جاری ہے، وہ ہے جسے انگریز موزوں طریقے سے بآسانی ''قانونی سوانگ'' کہہ سکتے ہیں۔ لیکن اس سوانگ کا ایک المناک پہلو ہے کیونکہ پاکستان میں جو کچھ کیا جارہا ہے وہ محض عدالتی راستے کے ذریعے ایک سیاسی قتل ہے۔ اس معاملے کو بنظر غائر دیکھنے کے لئے ہوا یہ ہے کہ دس گیارہ نومبر 1974 کی درمیانی رات کو بھٹو کی ایک مخالف پارٹی کے ایم این اے احمد رضا قصوری کی کار پر گولیوں کی بوچھاڑ کی گئی۔ وہ بچ گیا۔ اس کا باپ

ہلاک ہو گیا۔ پولیس کی تفتیش کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ استغاثہ کے مؤقف کے مطابق بھٹو کے مفروضہ طور پر معاملے کو دبا دیا تھا۔ حیرت انگیز طور پر کوئی ماہ بعد اس نشانہ بننے والے (قصوری) نے بھٹو کی پارٹی پی پی پی میں داخلے کی درخواست کی۔ اسے کامیابی نہیں ہوئی اس باوجود اس نے بھٹو کے بارے میں خوشامدانہ اعلانات میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور مارچ 1977 میں وہ اپوزیشن سے آملا۔ جولائی میں فوج کے اقتدار پر قبضہ کرنے تک یہ حملے والی بات بھلائی جا چکی تھی اور قصوری نے اچانک دوبارہ اپنے الزام کو اٹھایا۔ یہ موقعہ نہایت خوبصورت تھا اس سے فائدہ اٹھانے کے لئے یہ بہترین بات تھی۔

سارے کا سارا گراں قدر گواہ

فوج کے حکومت کا تختہ الٹنے کے بعد پکڑ دھکڑ میں فیڈرل سیکورٹی فورس کے سابق ڈائریکٹر جنرل مسعود محمود کو بھی دھر لیا گیا۔ فوجی حکام کی حراست میں مسعود محمود کو ضمیر جاگنے کے بخار نے آلیا۔ اس نے باعجلت اپنی غلط کاریوں کا ایک مسلمہ ''اعتراف نامہ'' سو صفحات پر مشتمل ایک خفیہ دستاویز کی شکل میں جنرل ضیاء کے نام قلمبند کیا۔ اس نے اپنے جرائم میں 1974 میں قصوری پر حملے کو منظم کرنے کا بھی اعتراف کیا جو کہ بھٹو کے حکم پر تھا۔ اگست کے اواخر میں مسعود محمود نے ایک ''مجسٹریٹ'' کے سامنے اپنے اعتراف کو دہرایا اور بھٹو کے خلاف اپنے الزام کو آگے بڑھایا جنہیں فوراً گرفتار کرلیا گیا۔ 14 ستمبر کو مسعود محمود کو اس کے الزام لگانے کا معاوضہ ملا۔ اسے اس جرم سے بری کر دیا گیا۔ جس کی اس نے مذمت کی تھی۔ ایک فی الواقع مجرم سے وہ استغاثہ کا گواہ نمبر ایک بن گیا۔ ایک ایسا قیمتی گواہ جسے اب تک حفاظتی حراست میں رکھا گیا ہے۔

اس کے بعد ڈائریکٹر فیڈرل سیکورٹی فورس، اور مسعود محمود کے کہنے کے مطابق اس جرم کو پایۂ تکمیل کو پہنچانے والے میاں محمد عباس کو گرفتار کیا گیا۔ صحیح طریقے سے پوچھ گچھ کرنے سے عباس نے اعتراف جرم کرلیا۔ جب اسے جج کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ اپنے بیان سے یہ کہہ کر منحرف ہو گیا کہ اس سے تشدد کے ذریعے اعتراف کرایا گیا ہے اور اسے اس معاملے کا کوئی علم نہیں

www.bhutto.org

ہے، نتیجتاً اس نے جرم تسلیم نہ کیا اور اسے سزائے موت سنا دی گئی۔ ۱۰ جولائی کو اس کے وکیل نے اپنے موکل کا تحریر کردہ بیان عدالت میں پڑھ کر سنایا جس میں اس نے اظہار کیا کہ مرنے سے پہلے، خدا کے سامنے جانے سے پہلے وہ اپنے ضمیر کو مطمئن کرنا چاہتا ہے۔ اپنے جرم کا اعتراف کرتا اور بھٹو کے جرم کی ملامت کرنا چاہتا ہے۔ وہ اس امر کا مخالف نہیں تھا کہ اس کے بدلے میں اس کی جان بخشی کی جائے اور اس کے خدائے برتر کے سامنے پیشی ملتوی کرا دی جائے۔ ان کے سربراہ پولیس انسپکٹر غلام حسین کے لئے یہ بڑی آسان بات تھی۔ اس نے بخوشی انکشاف کیا کہ کس طرح اس نے قصوری کی لاہور سے روانگی اور آمد پر دس روز تک نظر رکھ کر اپنے کام کا منصوبہ بنایا عجیب اتفاق تھا کہ دلائل کے دوران جو سرکاری کاغذات پیش کئے گئے ان سے ظاہر ہوا کہ وہ لاہور میں نہیں بلکہ کراچی میں تھا۔ غلام حسین کو اس کی باری آنے پر سرکاری گواہ کی حیثیت سے بریت کا فائدہ ہوا اور اسے استغاثہ کے گواہوں میں جگہ ملی۔

جہاں تک قتل کے لئے بھرتی کئے جانے والے انسپکٹروں کی بات تھی، تو انہوں نے بڑی تندہی سے اقرار جرم کر لیا۔ ان میں سے ایک نے پولیس ڈپو سے اسلحہ حاصل کیا تھا۔ دوسرے کو البتہ اپنیا دھار لی ہوئی چیز کا کوئی سراغ نہ ملا۔ دو اور نے گولیاں چلائی تھیں، ایک نے ہوا میں اور دوسرے نے قصوری کی کار پر، حیرت کی بات یہ کہ خالی کارتوس اس جگہ نہیں ملے جہاں انہوں نے اپنی موجودگی بتائی تھی، بلکہ گزوں کے فاصلے پر ملے اور ایک سڑک کی دوسری طرف تھا اس سے زیادہ حیرت کی بات یہ کہ واقعہ کے وقت خالی کارتوس ملنے کی رپورٹ بتاتی ہے کہ گولیاں اس ڈپو کے اسلحہ سے نہیں چلائی گئی تھیں جہاں سے انہیں جرم کے لئے حاصل کیا ہوا بتایا گیا تھا، قاتلوں میں سے کسی نے بھی بھٹو کو ملوث نہیں کیا۔

لیکن ان تمام تضاد بیانیوں، بعید از قیاس باتوں بلکہ دروغ گوئیوں کا نتیجہ کیا؟ ڈرامہ تیار تھا، اور اداکار تلاش کر لئے گئے تھے، اب صرف کھیل دکھانا باقی تھا۔

بھٹو بڑی آسانی سے لاہور میں اپنی بے گناہی کا اعلان کر سکتے تھے، چلا سکتے تھے کہ ان کے پاس ایک سیاستدان کو قتل کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی جو ایک اوسط درجے کا آدمی تھا اور جس کا کوئی

www.bhutto.org

اثر ورسوخ نہ تھا۔ ان کے وکلاء مستقل جرات سے ثابت کر سکتے تھے کہ بھٹو کے خلاف کوئی بھی سنگین الزام نہیں تھا سوائے ایک پولیس والے کے الزام کے، جسے اپنی جان بچانا اور اپنے اقرار جرم کے عوض معافی حاصل کرنا مطلوب تھا۔

لاہور ہائی کورٹ نے بھٹو کے مقدمے کی سماعت کی تھی تو اس کا بند کمرے میں ہونا ضروری تھا۔ عدالت نے ان کے وکلاء کو ان کے دفاع کی اجازت دی تھی تو صرف اس لئے کہ ان کی انصاف کی راہ میں حوصلہ شکنی مقصود تھی اور ان لوگوں کے لئے جو کسی عدالت میں پہنچ کے اختیارات سے روگردانی کرتے ہیں نئی سزائیں دینے کے لئے قانون ساز ادارے کو دعوت دینا مطلوب تھا بلاشبہ یہ سزائیں کوڑے لگانا اور ہاتھ کاٹنا ہیں جن سے جنرل ضیاء نے پاکستان کے وقار میں اضافہ کیا ہے۔

اور یہی وہ حالات تھے جن کے تحت لاہور ہائی کورٹ نے بھٹو کو قتل کا محرک اور مجرمانہ سازش میں شریک بتا کر سزائے موت سنا دی بھٹو نے اس فیصلہ کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی جو مقدمے کا فنی اور استحقاق کی بنیاد پر فیصلہ کرتی ہے۔ لیکن اصولی طور پر یہ فیصلہ شہادتوں اور خاص طور سے اولین مباحثے کے دلائل پر مبنی ہوتا ہے لہذا بھٹو کے مقدر پر بحث مباحثہ ان کی موجودگی سے دور اور ان کی فصاحت اور بحیثیت مقرر شہرت یافتہ اوصاف کے سایوں میں ہو رہا ہے۔

بھٹو جو محسوس کر رہے ہوں گے اسے بآسانی تصور کیا جا سکتا ہے کہ ایک سیاسی شیر کو دم گھونٹنے والی کوٹھری میں مقید کر دیا گیا ہے اس شخص کو کیسی غضب ناکی، کیسا جوش اکساتا ہوگا جس کا جسم اس وید سے بری طرح متاثر ہوا ہے لیکن جس کی وقت حیات، شعوری صلاحیتیں اور کردار اس کے وکلاء کے کہنے کے مطابق غیر متزلزل ہیں۔

اور یہی وجہ ہے کہ وہ سوال پیدا ہوتا ہے جو اب بند پاکستان پر بھوت کے سائے کی طرح منڈلا رہا ہے اگر سزائے موت کی توثیق کی جاتی ہے اور بھٹو کو پھانسی دی جاتی ہے تو ان کی نامنصفانہ ہلاکت شاید عوام کو حکومت کے خلاف کھڑا کر دے گی۔ جو بدستور ان سے منسلک ہیں۔

بہرصورت سزائے موت یقیناً بھٹو کو امر بنا دے گی اور ایک تاریخی داستان کا ذریعہ بنے گی جس سے اپوزیشن کو نئی جہت اور نئی طاقت ملے گی اب بھی مردہ بھٹو کا تصور شبہ در شبہ ہے اور مزید برآں اس صورت میں کہ ابھی ان کی بیوی اور بچے زندہ ہیں اور سارا پاکستان بیگم نصرت بھٹو کی طاقت سے آشنا ہے۔ تاریخ کے سارے سفر میں حکومتوں نے اپنے سیاسی مخالفوں کو ختم کرنے کے لئے ہمیشہ انصاف یا زیادہ مناسب الفاظ میں عدلیہ کے ہتھیار کو استعمال کیا ہے یوں تو سیاسی مقتولین کی فہرست جنہیں عدلیہ کے راستے دار پر چڑھایا گیا، لامتناہی ہے لیکن کوئی شش وہم اور پھر چارلس اول کے بعد سے تو سیاسی جرائم کیلئے اور سیاسی ادارے میں یہ ہمیشہ سے ہوا ہے کہ شکست خوردہ لیڈر پر قانون آزمایا جاتا اور اسے موت سے ہمکنار کرایا جاتا رہا۔

بھٹو کے معاملے میں مقدمے کی بنیادی صورت اس بنا پر ہے کہ ان پر ایک عام قانونی جرم میں ایک عام ملزم کی طرح مقدمہ چلایا جا رہا ہے اس میں انتہائی چالاکی سے کام لیا جا رہا ہے یہاں اس کے ساتھ ہی الجھاؤ پیدا کر کے ایک سابق سربراہ مملکت کو عام قوانین کے تحت ایک آوارہ بدکردار کہا جا سکتا ہے کیونکہ اسے اسی حیثیت سے پرکھا جا رہا ہے اور اسی حیثیت سے اسے سزا دی جائے گی۔

تاہم، خطرہ کچھ کم ہی نظر آتا ہے مختصراً اس لئے کو جو راستہ چنا گیا ہے وہ عام قوانین کا ہے اس لئے کہ جب الزامات کو عوام کے سامنے لایا جائے گا تو وزن بہت کم لگے گا اور شاید اسی لئے بھی کہ فیصلہ سنانے کے آخری لمحات میں سپریم کورٹ کے جج اس بات کو مدنظر رکھیں گے کہ تاریخ ہمیشہ ان کی پرکھ کرتی ہے جن کے فیصلے تاریخ ساز ہوتے ہیں اور ان ججوں کے لئے جنہوں نے برطانوی روایات سے تربیت حاصل کی ہے۔ تھامس مور کی مثال ہے کارڈینل وولزے کی نہیں۔

www.bhutto.org

بے نظیر بھٹو سابق وزیر اعظم کی سیاسی آواز ہیں

(ڈیوڈ ڈوڈول، فائنانشل ٹائمز، لندن، 16 اکتوبر 1978

پاکستان کے سیاسی مستقبل کے بارے میں حیران کن الجھاؤ میں دو یقینی باتیں الگ سے نمایاں ہیں انہیں صرف چند الفاظ میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ ''بھٹو مر چکا ہے بھٹو ازم زندہ باد''۔ یہ بات نہیں کہ پاکستان کے معزول وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دیدی گئی ہے یا انہیں ضرور پھانسی دی جائے گی۔ جو بات واضح ہوگئی ہے وہ یہ ہے کہ ان کا سیاسی مستقبل ختم ہونے کو ہے موجودہ فوجی حکومت کے سربراہ جنرل ضیاء الحق اور ان کی بیرک خانے کی کابینہ بھٹو کو ان کی لاشوں پر سے گذر کر ہی سیاسی اسٹیج پر دوبارہ آنے کی اجازت دیں گے۔

نعرے

لیکن اس کے ساتھ ہی بھٹو ایک بڑی سیاسی طاقت کے طور پر ابھی درمیان میں موجود ہے۔ یہ بات کہ وہ اپنے مقبول عام نعروں کو حقیقی شکل دینے کا ارادہ رکھتے بھی تھے یا نہیں ہمیشہ ایک سوال بنی رہے گی اور بڑی حد تک غیر متعلقہ بھی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان ہی نعروں نے ان توقعات کو جنم دیا تھا۔ پاکستان کے غریب پہلے جن کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ بھٹو نے ان میں وہ امنگیں پیدا کر دی ہیں جنہیں وہ اب لڑ کر ہی چھوڑ سکتے ہیں۔

www.bhutto.org

مس بے نظیر جو سابق وزیر اعظم کی صاحبزادی اور ان کی سیاسی آواز ہیں۔ اس تبدیلی ہیئت کو عوام میں ایک نئی پراسراریت کا وجود تسلیم کرتی ہیں عام دیہاتی لوگ اسے تصوراتی سوچ کے برعکس بیداری نہیں سمجھتے ہیں۔ ہوا یہ ہے کہ پاکستان کے ہزاروں دیہاتیوں نے پہلی مرتبہ مقامی خان اور جاگیردار کو (انتخابات میں) ووٹ دے کر جاگیردارانہ نظام کے حق میں ووٹ دینے کی روایتی عادت متروک کی ہے اب وہ۔ بشرطیکہ دوسرا موقع مل جائے۔ طبقاتی بنیادوں پر اپنے ووٹ کا استعمال کریں گے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ووٹ ان لوگوں کو دیئے جائیں گے جو بھٹو کی دی ہوئی چیزیں خود بھی دیں گے۔ اس کو بھٹوازم کہا جاسکتا ہے۔

بھٹو کی قسمت کا فیصلہ ہونا ابھی باقی ہے مارچ 1978 میں لاہور ہائی کورٹ نے انہیں قتل کے الزام میں سزائے موت سنائی تھی اس کے بعد راولپنڈی میں سپریم کورٹ کے نو جج ان کی اپیل کی سماعت کررہے ہیں اس دوران میں بھٹو راولپنڈی جیل میں موت سے عارضی طور پر بچے ہوئے ہیں اپیل کی سماعت اب ختم ہونے کو ہے اور آئندہ چند روز میں فیصلہ سنایا جانے والا ہے۔

سب سے زیادہ عام پیشنگوئی، خواہ کوئی قیمت رکھتی ہو یا نہ ہو وہ یہ ہے کہ سپریم کورٹ، لاہور ہائی کورٹ کے فیصلے کو بحال رکھے گی لیکن جنرل ضیاء اپنے معافی دینے کے اختیارات کا استعمال کرتے ہوئے سزائے موت کو ملک بدری یا گھر میں نظر بندی میں بدل دیں گے۔

دریں اثنا بھٹو کو رسوا کرنے کی مہم کو 1400 صفحات پر مشتمل ایک قرطاس ابیض شائع کرکے مزید پختہ کیا گیا ہے جو مبینہ طور پر بھٹو کی انتخابی دھاندلیوں کی دستاویز ہے۔ ضیاء جس بات کو سمجھ نہ پا رہے ہیں وہ یہ ہے کہ پاکستان میں بے شمار افراد در حقیقت اس بات کی پرواہ نہیں کرتے ہیں کہ بھٹو نے سیاسی قتل اور انتخابی دھاندلیوں کا ارتکاب کیا ہے یا نہیں، یہ پاکستان کی سیاسی زندگی کا ایک جانا پہچانا حصہ رہا ہے۔ بھٹو کے زمانے میں صرف یہ تبدیلی آئی کہ بڑے بڑے زمینداروں نے اس سے فائدہ اٹھایا اور عام دیہاتی نے نہیں۔

www.bhutto.org

بے خبر

یہ احساس بھی بڑھتا جا رہا ہے کہ شیشے کے گھروں میں بیٹھنے والوں کو دوسروں پر پتھر نہیں پھینکنے چاہئیں۔ ضیاء کے قریبی متعدد جرنیلوں اور مشیروں کے ریکارڈ کا راستہ کوئی قدیمی نہیں ہے۔ غالباً انتہائی نیک نیتی سے ضیاء نے اپنی حکومت کو امیروں اور مراعات یافتہ لوگوں اور مذہبی قدامت پرستوں سے مربوط کر رکھا ہے۔ قدامت پرست پالیسیوں نے انہیں سوسائٹی میں پھیلی ہوئی بے اطمینانی کی لہر سے الگ تھلگ کر رکھا ہے جس کے باعث یوں لگتا ہے کہ وہ اپنی سیاسی غلطیوں سے آگاہ نہیں ہیں انہوں نے بہت صحیح طور پر سوسائٹی کے اہم مسائل کی نشاندہی نہیں کی ہے لیکن ان سے غلط طریقے سے نمٹنے پر تلے ہوئے ہیں۔ تمام سطحوں پر پھوٹ دیکھتے ہوئے انہوں نے اتحاد کی بنیاد پر نہایت سخت اسلامی بنیادی قوانین نافذ کرنے کی کوشش کی ہے۔

یہ سچ ہے کہ پاکستانیوں کو اپنے عقیدے پر فخر ہے لیکن بار بار وہ شکایت کرتے ہیں کہ انہیں اسلام کے ان کی زندگی کے سیکولر حصوں پر حاوی ہونے کا تصور ناپسند ہے۔ ان وجوہات میں سے ایک ہے جن سے ضیاء چور کے ہاتھ کاٹنے کی سزا کا منصوبہ ترک کر دینے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ وہ صحیح طور پر دیکھ رہے ہیں کہ لوگوں کی بنیادی ضروریات اوپر والی بیوروکریسی کی نااہلی کا شکار ہیں۔ لیکن بیوروکریسی کی تطہیر کر کے ان مسائل کو حل کرنے کی بجائے انہوں نے مہک دار شکایتوں کے اجلاس متعارف کرائے ہیں کہ مقررہ دنوں میں شہری ان کے پاس ان کی ذاتی توجہ کے لئے لاینحل مسائل لے کر آئیں۔

ضیا دیکھ رہے ہیں کہ وفاقی حکومت کے امدادی منصوبے خاک میں ملے جا رہے ہیں کیونکہ گھاس کی جڑوں کی سطح پر معقول ادارے ناپید ہیں۔ وہ ان باتوں کا حل بلدیاتی انتخابات تجویز کرتے ہیں جو دس میں سے نو پاکستانیوں کے نزدیک تباہ کن بنیادی جمہوریت ہے جو دس سال پہلے اس وقت کے صدر ایوب نے متعارف کی تھی۔

www.bhutto.org

مخلص

وہ اقتصادی بحران دیکھ رہے ہیں اور انتخابات کرا کر اقتصادی منصوبہ بندی کو جمہوری طور پر منتخب پارلیمان کو سونپنے کی بجائے خود ہی اس بحران سے سول سروس پر تکیہ کر کے نمٹنا چاہتے ہیں جس کے پہلے ہی لامحدود اختیارات ہیں۔

کوئی یہ محسوس کرتا ہوگا کہ عام انتخابات جلد از جلد کرانے کا وعدہ کر کے ضیاء بدستور اپنے مخلص ہونے کا ثبوت دے رہے ہیں لیکن وہ تو اپنی خود ساختہ 22 پکڑ نا'' کے باعث پکڑے گئے ہیں۔ان کی بھٹو کی پیپلز پارٹی کو بدنام کرنے کی مہم ان کے لئے ایسے انتخابات کرانے کی اجازت دینا ناممکن بنا دیتی ہے جس سے پی پی پی دوبارہ اقتدار میں آ جائے گی۔اور حالات کا رخ بتاتا ہے کہ پی پی پی اتنی ہی طاقت ور ہے جتنی پہلے تھی۔

اس بات نے ضیاء کو سب سے زیادہ ممکن حل تک پہنچایا ہے سب سے پہلے انہوں نے ریٹائرڈ ائیر مارشل اصغر خان سے رابطہ بڑھایا جو متوسط طبقے لیکن نسبتاً زیادہ آزاد خیال پارٹی تحریک استقلال کے لیڈر ہیں اور انہوں نے (جنرل ضیاء) سے کہا کہ ان کے (اصغر خان) اپنا کھیل شروع کرنے سے پہلے جنرل ضیاء کو عام انتخابات کا پکا وعدہ کرنا پڑے گا۔

اس کے بعد انہوں نے ولی خان کو پکڑا جو نیشنل عوامی پارٹی (نیپ) کے سرکردہ لیڈر ہیں اور اب بھی صوبہ سرحد میں زبردست طاقت رکھنے کے دائی ہیں ان سے بھی انہیں وہی جواب ملا۔

اس کے بعد انہوں نے پاکستان قومی اتحاد کا رخ کیا جو نو پارٹیوں کا ایک ذروں کا گروپ تھا جو مارچ 1977 کے انتخابات میں بھٹو کی پی پی پی کو شکست دینے کے لئے آپس میں مل گئی تھیں۔تین ماہ کے مذاکرات کے بعد اس ماہ کے آغاز میں ضیاء بالآخر پی این اے کو اپنی ''قومی حکومت'' میں شرکت کرنے پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں لیکن جو پی این اے ان کے ساتھ مل گئی ہے۔وہ ایک وقتی چیز ہے۔

www.bhutto.org

پی این اے کے دو نہایت اہم گروپوں، نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی (این ڈی ایف) اور اصغر خان کی تحریک نے حکومت میں شامل ہونے سے انکار کر دیا ہے اور اس سے بالکل الگ تھلگ ہے۔ پی ایس اے (پی این اے بنیں) کے بچے کھچے حصے میں جنہوں نے ضیاء کی حکومت میں شمولیت کر لی تھی صرف دو پارٹیاں انتخابی اہمیت رکھتی ہیں مسلم لیگ اور حد درجہ قدامت پرست جماعت اسلامی (جے آئی)۔ مسلم لیگ اور جے آئی (جماعت اسلامی میں سے کوئی بھی بیلٹ بکس کے ذریعے اقتدار حاصل کرنے کی توقع نہیں رکھتی تھی۔ لیکن ضیاء کو پوری پوری امید ہے کہ ایک مرتب اقتدار میں آ جانے کے بعد وہ زیادہ مقبولیت حاصل کر لیں گے تاہم اس کے برعکس زیادہ تر لوگوں کی پیشگوئی ہے کہ ضیاء کی حکومت کا ساتھ دے کر ان کی رہی سہی ساکھ بھی ختم ہو جائے گی۔

پی پی پی کا تعاون حاصل کرنے کی امید موہوم میں ضیاء پی پی پی کے اندر ایک چھوٹے سے رجعت پسند حصے کو جس کی سربراہی مولانا کوثر نیازی کر رہے ہیں پارٹی چھوڑنے اور قومی حکومت میں شامل ہونے پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں مولانا اب یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ نوے فیصد پیپلز پارٹی ان کے ساتھ ہے لیکن یہ تعداد ۹ فیصد یا اس سے بھی کم ہو گی۔ وہ اب بھی جیل میں بند بھٹو سے وفاداری کا دم بھرتے ہیں اور اس بات پر مصر ہیں کہ وہ قومی حکومت میں اسی صورت میں شامل ہوں گے کہ وہ ''قومی مفاد'' میں ہو لیکن ان کی سیاسی حیثیت بھی ضیاء کی حکومت کا ساتھ دینے سے مجروح ہوئی ہے۔

اب ضیاء کی سیاسی خواہشات دم توڑ رہی ہیں آخرش انہیں دو باتوں میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہو گا انتخابات کے وعدے پر سختی سے قائم رہنا اور اس کے نتائج کا خطرہ مول لینا، یا ایک جمہوری حکومت کی طرف جلد لوٹ آنے اور خود کو اس سمت میں آگے بڑھانے کے منصوبے کو قطعاً ترک کرنا ہو گا لیکن ان میں سے حتمی انتخاب کا انحصار غالباً بھٹو کی قسمت کے فیصلے پر عوامی ردعمل پر ہے۔

(16 اکتوبر 1978)

سابق صدر کی سبکدوشی نے آئینی تسلسل کی آخری علامت بھی مٹادی

(اکنامسٹ کا تبصرہ)

ایک سال تک ضبط کئے رہنے کے بعد پاکستان کے فوجی حکمران نے فوجی حکمرانوں کا راستہ اختیار کرلیا اور صدر کا خطاب حاصل کرلیا۔ گذشتہ ہفتہ تک ان کا حکمرانی کا دور صرف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے تھا جو پاکستانی زبانوں پر سی ایم ایل اے بن کر پھسل پھسل جاتا ہے کہ Cancel my last annoucement مشہور ہے ان جنرل ضیاء نے اپنے سابقہ خود تضادی تمام آرڈیننس منسوخ کر دیئے ہیں اور ایک ریٹائرڈ ہونے والے سویلین صدر سے ان کی جانشینی کا حکم حاصل کرلیا ہے جنرل نے وعدہ کیا ہے کہ جونہی کوئی متبادل مل جائے گا وہ عہدے سے دستبردار ہو جائیں گے۔

ریٹائرڈ ہونے والے صدر مسٹر فضل الٰہی چودھری نے اپنے ۵ سالہ دور میں جس کا زیادہ حصہ مسٹر بھٹو کے سائے میں گذرا ہے، اتنے کم اچھے تاثرات چھوڑے ہیں کہ پاکستانی بمشکل ہی یاد رکھیں گے۔ لیکن ان کے عہدہ چھوڑنے کا فیصلہ جنرل ضیاء کے لئے کچھ کم باعث ہزیمت نہ تھا کیونکہ اس نے آئینی تسلسل کی آخری علامت بھی ہٹادی۔ مسٹر الٰہی نے وضاحت کی ہے کہ انہوں نے اپنے عہدے پر برقرار رہنے کے دلائل نامنظور کر دیئے تھے کیونکہ مارشل لاء حکام آئین میں فرمانوں کے ذریعہ ترمیم کرنے کا منصوبہ بنا رہے تھے، سپریم کورٹ نے نظریہ ضرورت کی دہائی

www.bhutto.org

دیتے ہوئے انہیں ایسا کرنے کی اجازت دی ہے، کیونکہ وہ اپنے جلد انتخابات کرانے کے عہدے پر قائم نہیں رہے تھے۔ اور کیونکہ بظاہر جن انتخابات کا فیصلہ کیا ہے اور جن کا 1979 میں وعدہ بھی کیا ہے وہ جداگانہ طریقہ انتخاب پر ہوں گے، ایک مسلمانوں کے لئے اور دوسرا غیر مسلموں کے لئے، ہوسکتا ہے کہ سبکدوش ہونے والے صدر نے سپریم کورٹ کے ان کے سابق سرپرست مسٹر بھٹو کو پھانسی دینے کے ممکنہ فیصلے کی توثیق کرنے سے جان چھڑائی ہو۔

حتی کہ عادی کاسہ لیس بھی نئے صدر کے بارے میں مہر بہ لب ہیں۔ پاکستان قومی اتحاد کے سربراہ مفتی محمود نے جو جنرل ضیاء کے سرگرم حمایتی ہیں، کہا ہے کہ ان (جنرل ضیاء) کی یہ ترقی منظوری کے لئے کابینہ میں پیش کی جانی چاہئے تھی۔ یہ بات نہیں ہے کہ یہ کابینہ جسے ابھی چند ہفتے پہلے جنرل ضیاء نے نامزد کیا ہے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیتی، کوئی نصف درجن سیاسی شخصیتوں کے سوا، نئے وزراء، جو تین مذہبی جماعتوں مسلم لیگ، جماعت اسلامی اور جمعیت العلمائے اسلام سے لئے گئے ہیں، فی الواقعہ گمنام اور ناتجربہ کار ہیں۔

پاکستان کی دو بھٹو دشمن غیر مذہبی جماعتیں اور خود بھٹو کی پیپلز پارٹی جلد انتخابات کے لئے شور مچا رہی ہیں لیکن جب تک سپریم کورٹ مسٹر بھٹو کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں سناتا کوئی تاریخ مقرر نہیں کی جائے گی۔ یا کوئی بڑا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔

(23 ستمبر 1978)

www.bhutto.org

جنرل ضیاء کو خطرہ تھا کہ فضل الٰہی چوہدری بھٹو کی سزا معاف کر دیں گے

(ایشیا ویک)

جن غیر ملکی اخبارات اور پریس کے دیگر ذرائع کو سفارتی تعلقات اور اثر ورسوخ کے ذریعہ منہ بند کرنے کی کوشش کی گئی تھی اب وہ بھی یہ بات کہنے لگے ہیں کہ جنرل ضیاء نے 5 جولائی کو ملکی اقتدار پر قبضہ کرنے کے بعد اپنی قوم سے جو وعدے کئے تھے ان میں سے ایک بھی پورا نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اب جب کبھی وہ ریڈیو، ٹیلی ویژن یا اخبارات کے ذریعہ عوام سے مخاطب ہوتے ہیں تو لوگ ان کی باتوں کو ہنس کر ٹال دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہوٹلوں تھڑے پر بیٹھ کر گپ شپ کرنے والوں نے طرح طرح کے لطیفے گھڑ رکھے ہیں جو وہ ایک دوسرے کو سنا کر گردش ایام کی تلخی کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ہانگ کانگ کے جریدہ ایشیا ویک نے تازہ شمارے میں اس موضوع پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس ماہ سپریم کورٹ میں بھٹو کی اپیل کا فیصلہ ہو جائے گا۔ ساتھ ہی سیاسی بخار ایک دم چڑھ جائے کا امکان ہے صدر فضل الٰہی چوہدری اصولی اختلاف کی بنا پر صدارت کے عہدے سے استعفیٰ دے چکے ہیں۔ جن کے بارے میں یہ خیال ہے کہ وہ بھٹو کے پسند کے آدمی ہیں اور 1973 میں وہ صدارت کے منصب پر فائز ہوئے تھے۔ بھٹو کے دوست اور ہمدرد کی حیثیت سے جنرل ضیاء کو ان سے خطرہ تھا کہ اگر سپریم کورٹ نے موت کی سزا بحال رکھی تو صدر فضل الٰہی

www.bhutto.org

چوہدری اپنے اختیارات استعمال کرتے ہوئے انہیں معاف کر سکتے ہیں۔ جنرل ضیاء کے صدر بننے سے یہ کانٹا بھی بالکل ہٹ چکا ہے۔

باخبر ذرائع کے مطابق جنرل ضیاء نے بھٹو کے معاملہ میں توڑ جوڑ کی۔ تاکہ وہ صدارت کے منصب کے حصول میں کامیاب ہو جائیں۔ گو ابتدا میں ملٹری کونسل اور سول کابینہ نے ان کی اس تجویز سے اختلاف کیا تھا اور مشورہ دیا گیا تھا کہ ایسا کرنے سے ان کی پوزیشن مشکوک ہو جائے گی۔ خود جنرل ضیاء نے کئی موقعوں پر اس بات کی سختی سے تردید کی کہ وہ صدارت کا عہدہ حاصل کرنا نہیں چاہتے۔ اس سلسلے میں ایک اردو اخبار جنگ میں ان کے متعلق خبر شائع ہوئی تھی جس پر انہوں نے اخبار کے مالک اور ذاتی دوست میر خلیل الرحمان کو ٹیلیفون کیا کہ وہ اس خبر کی تردید شائع کریں کیونکہ اس سے غلط فہمی پھیلنے کا امکان ہے۔ لیکن ان تمام ٹیڑھے میڑھے راستوں کو طے کرتے ہوئے۔ وہ بالآخر اپنی خواہش کے مطابق صدارت کے منصب جلیلہ پر فائز ہو چکے ہیں اور انہیں اس معاملہ میں سابق صدر فضل الٰہی چوہدری کا خاص طور پر ممنون ہونا چاہئے جنہوں نے مارشل لاء کے متعدد احکامات پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔

1973 کے دستور کا مسئلہ بھی خاصی نازک صورت اختیار کر گیا ہے حکومت کی حمایت میں بولنے والے اصرار کرتے ہیں کہ دستور کو چھیڑا نہیں گیا۔ اور پاکستان پہلے سے زیادہ مستحکم اور مضبوط ہو گیا ہے۔ جبکہ حکومت کے مخالفین اور غیر جانبدار مبصرین کا کہنا ہے کہ 1973 کے متفقہ آئین کی دھجیاں اڑا دی گئیں۔ کوئی ایسا خانہ نہیں جہاں دستور کو رکھا جائے۔ دستور میں اس بات کی کوئی گنجائش نہیں کہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اسلامی جمہوریہ پاکستان کا صدر بن جائے سابق اٹارنی جنرل اور مسٹر بھٹو کے وکیل مسٹر یحیٰی بختیار نے فوجی جنتا کو متنبہ کیا ہے کہ پاکستان کے آئین کے ساتھ جو کچھ کیا جا رہا ہے اس کے تباہ کن نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

www.bhutto.org

بھٹو منزل بہ منزل

(ایشیا ویک)

''اس ایک قوم کی تشکیل اور عوام کی رہنمائی کے لئے پیدا ہوا ہوں۔'' اس بات کا دعویٰ ذوالفقار علی بھٹو نے اس بیان میں کیا جو انہوں نے حال ہی میں سپریم کورٹ کے لئے تیار کیا تھا۔ پچھلے ہفتے پڑوسی ہندوستان میں یہ ایک ''فوری'' کتاب کی صورت میں نمودار ہوا۔ اگر یہ ایک صریحی انکسار کا اعلان نہیں کیا تھا۔ پاکستانی جانتے ہیں 'زلفی' ایسے شجرۂ نصب کے ساتھ پیدا ہوا تھا جس پر وہ یقیناً فخر کر سکے۔ ان کے والد 1920 میں صوبہ بمبئی کی برطانوی حکومت میں وزیر تھے اور سر سے پیر تک نواب تھے۔ 1936 جب ان کا آبائی صوبہ سندھ بالآخر بمبئی سے علیحدہ ہوا تو سر شاہنواز بھٹو کو سندھ میں مشیر اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ اس وقت زلفی کی عمر ۸ سال تھی۔

1947 میں جب پاکستان وجود میں آیا تو وہ لاس اینجلز میں یونیورسٹی آف ساؤتھ کیلیفورنیا میں انڈر گریجویٹ تھے، ۲ سال بعد انہوں نے برکلے سے پولیٹیکل سائنس میں ڈگری حاصل کی اور اس کے بعد آکسفورڈ میں کرائسٹ چرچ سے بیرسٹران لاء کی ڈگری لی۔ ایسی بے نقص اسناد کے ساتھ وہ 1954 میں پہلی بار پاکستان گئے۔ انہوں نے اپنی پیشہ وارانہ زندگی کی ابتداء کراچی کے سندھ مسلم کالج کانسٹی ٹیوشنل لاء پڑھانے اور وکالت کا پیشہ اختیار کرنے سے کی۔

بھٹو کو کبھی اس بارے میں شبہ نہیں ہوا کہ وہ قومی معاملات میں ایک ممتاز کردار کرنے کے لئے بنائے گئے ہیں۔ آج ان کے ناقدین ان کی ان مختلف ترکیبوں کا حوالہ دیتے ہیں جو انہوں نے برسر اقتدار لوگوں سے اپنے لئے عنایات حاصل کرنے کے لئے اختیار کیں۔ یہ ان

خطوط پر مشتمل ہیں جس میں انہوں نے برسر اقتدار لوگوں کی تعریف وتوصیف اور ان کے مخالفین پر تنقید کی ہے۔ 1957 تک بھٹو اقوام متحدہ میں پاکستانی وفد کے رکن بن چکے تھے۔ ایک سال کے اندر انہوں نے صدر اسکندر مرزا کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالی تھی اور جنیوا میں سمندری قانون کے بارے میں کانفرنس میں اپنے ملک کے وفد کے قائد کی حیثیت سے تقرر حاصل کرلیا تھا۔

1958 میں جنرل ایوب خان نے مرزا کو معزول کر دیا تھا اس بغاوت نے بھٹو کو متاثر نہیں کیا۔ جنہیں وزیر تجارت کی حیثیت سے کابینہ میں شامل ہونے کی دعوت دی جا چکی تھی اس کے بعد انہوں نے 1963 تک قومی تعمیر نو اطلاعات وزارتی وسائل کے قلمدان سنبھالے اس کے بعد انہیں وزیر خارجہ مقرر کیا گیا۔ بدنام کرنے والے بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ بھٹو نے سوویت یونین سے (تیل کے بارے میں معاہدہ) ہندوستان سے (کشمیر کے بارے میں) اور چین سے (ہندوستان کے بارے میں) مذاکرات میں کافی صلاحیت کا مظاہرہ کیا۔

ایوب کے ساتھ ۸ سال گزارنے کے بعد بھٹو نے استعفیٰ دیدیا۔ باوثوق ذرائع کہتے ہیں کہ وہ چوٹی پر پہنچنے کے راستے تلاش کر رہے تھے اور جب ایوب خان کے خلاف طلباء کی تحریک زور پکڑنے لگی تو انہوں نے آغاز تلاش کرلیا۔ برٹن رسل کے ویت نام میں جنگی جرائم کے بارے میں بین الاقوامی کمیشن سے کچھ عرصہ تعلق رکھنے کے بعد انہوں نے پاکستان پیپلز پارٹی قائم کرکے سیاست میں چھلانگ لگادی۔ انہوں نے طلباء کے احتجاج سے فائدہ اٹھایا اور اور جیل بھیج دیے گئے لیکن ۴ ماہ بعد جنرل یحییٰ خان نے ایوب خان سے اقتدار لے لیا اور بھٹو ایک ہیرو کی حیثیت سے رہا ہوئے۔

دسمبر 1970 میں یحییٰ خان نے پاکستان کے پہلے عام انتخابات کرائے اور پی پی پی مغربی پاکستان میں اکثریتی جماعت کے طور پر ابھری مگر مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ نے بھرپور فتح حاصل کر لی۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ ان دونوں جماعتوں کے درمیان رسہ کشی تھی جو مبصرین کے بقول بنگلہ دیش جنگ اور ملک کی تقسیم کا براہ راست سبب بنی آخر میں بھٹو نے خود کو تباہ حال پاکستان کا صدر پایا (دسمبر 1971) انہوں نے اگست 1973 میں دستور پر نظر ثانی کی اور وزیر

www.bhutto.org

اعظم بن گئے۔

واقعات سے بھرپور اپنے کردار میں بھٹو کا رویہ ایسا ہی رہا جیسا کہ اشرافیہ سے تعلق رکھنے والے ایک فرد کا ہوتا ہے۔ وہ خاندان جس کی انہوں نے تربیت کی انہی جاگیردارانہ روایات میں کی جس سے وہ خود لطف اندوز ہوئے تھے۔ انکی پہلی بیوی کے بارے میں کوئی معلومات نہیں ہیں۔ انہوں نے انہی موجودہ شریک حیات نصرت اصفہانی سے 27 برس قبل شادی کی۔ ان کے والدین ایران کے صوبے اصفہان سے آئے تھے گو کہ انہوں نے خود اپنی زندگی کا بیشتر حصہ پاکستان میں گزارا ہے۔ بیگم نصرت بھٹو ایوب خان کے دور میں اپنے شوہر کی پہلی گرفتاری کے وقت سے سیاسی طور پر سرگرم عمل ہیں۔

مسٹر اور بیگم نصرت بھٹو کے 2 بیٹے اور 2 بیٹیاں ہیں۔ 26 سالہ میر مرتضیٰ نے ہارورڈ یونیورسٹی سے گریجویشن کیا اور اب لندن کے چیک ڈسٹرکٹ میں رہتے ہیں اور تارکین وطن پاکستانیوں کے لئے ایک اردو، انگریزی ہفت روزہ شائع کرتے ہیں۔ 25 سالہ بینظیر 77-1976 میں آکسفورڈ یونیورسٹی یونین کی صدر تھیں اور اپنی پاکستان واپسی کے بعد سے سرگرم سیاست میں مصروف رہی ہیں، وہ بھٹو کی تنہا اولاد ہیں جو پاکستان میں ہے۔ 19 سالہ شاہنواز گرمیوں کی چھٹیاں اپنے بھائی کے ساتھ گزارنے کے لئے لندن جانے تک امریکہ میں تعلیم حاصل کر رہے تھے جہاں ان کو وزیراعظم کی قیام گاہ پر بم پھینکنے کے مقدمے کے سلسلے میں گرفتار کر لیا گیا تھا کیونکہ وہ اس وقت ضمانت پر ہیں اس لئے امریکہ واپسی سے قاصر ہیں۔ سب سے چھوٹی بیٹی 17 سالہ صنم سیما سوئٹزرلینڈ میں امریکن اسکول میں آخری سال میں ہیں۔

www.bhutto.org

بین الاقوامی رائے عامہ کو نظر انداز کرنا پاکستان کے لئے خطرناک ہوگا

(وائس آف کشمیر انٹرنیشنل، لندن)

ہماری پالیسی ابتداء سے یہ رہی ہے کہ ہم مملکت پاکستان کی خیر خواہی کو اپنے سیاسی ایمان کا ایک اہم ستون تصور کرنے کے باوجود پاکستان کی اندرونی سیاسی کش مکش میں غیر جانب دار رہیں۔ لیکن جب بھی مملکت پاکستان کی بقاء یا اس کے مستقبل کے بارے میں کوئی مسئلہ کھڑا ہوا۔ ہم نے اس بارے میں قلم اٹھایا اور زبان کھولی اور ارباب اقتدار کی ناراضگی کی پرواہ کئے بغیر اپنے جذبات اور نقطہ نظر کا برملا اظہار کیا۔

آج بھٹو صاحب کا مسئلہ ہے۔ اگر یہ مسئلہ صرف ایک شخص کی زندگی یا موت سے تعلق رکھتا تو ممکن ہے ہم خاموش رہتے۔ کیوں کہ بحیثیت ایک انسان بھٹو صاحب کو کسی نہ کسی دن مرنا ہے۔ کل نہ سہی آج سہی۔ ہم ایک حلقے کے اس دعوے کو انتہائی احمقانہ تصور کرتے ہیں کہ بھٹو کے بغیر پاکستان زندہ نہیں رہ سکتا۔ ہم ان لوگوں کی بھی مذمت کرتے ہیں جو یہ دھمکیاں دیتے ہیں کہ اگر بھٹو کو پھانسی دی گئی تو ہم پاکستان کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ لیکن بھٹو صاحب کو پھانسی دینے سے پاکستان کے مستقبل کے لئے جو خطرے پیدا ہو سکتے ہیں ان سے چشم پوشی کرنا بھی ہمارے بس سے باہر ہے۔

ایک خطرہ یہ ہے کہ اگر جناب بھٹو کو پھانسی دی گئی تو آئندہ کے لئے ایک مثال قائم ہو

www.bhutto.org

جائے گی اور مختلف طالع آزما بھٹو صاحب کی مثال پیش کر کے اپنے پیشرؤں کو ٹھکانے لگانے کا سلسلہ شروع کر دیں گے اور یہ سلسلہ پاکستان کی بقاء اور سیاسی استحکام کے لئے ایک انتہائی شدید خطرہ ثابت ہوسکتا ہے۔ دوسرا خطرہ یہ ہے کہ آج کی دنیا میں بین الاقوامی رائے عامہ کو نظر انداز کرنا مہلک ثابت ہوسکتا ہے اس غلطی کا خمیازہ پاکستان ایک بار پہلے بھی مشرقی پاکستان سے ہاتھ دھو بیٹھنے اور ایک ذلت آمیز شکست کی شکل میں بھگت چکا ہے۔ دنیا کے تقریباً تمام ممالک کے سربراہوں نے جن میں پاکستان کے عظیم اور اچھے برے وقت میں کام آنے والے دوست ممالک بھی شامل ہیں، بھٹو صاحب کو سزائے موت نہ دینے کی اپیل کی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس طرح کی بین الاقوامی رائے عامہ کو نظر انداز کرنا پاکستان کے لئے انتہائی نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے۔

ہم نہ تو بھٹو صاحب کی وکالت کرتے ہیں، نہ ہی ان سے کوئی عناد ہے۔ ہم نے آج سے ڈھائی سال پہلے جب بھٹو صاحب کا ستارہ عروج پر تھا لکھا تھا کہ بھٹو صاحب کا روشن پہلو انتہائی روشن ہے اور تاریک پہلو انتہائی تاریک۔ ہم آج بھی یہی کہتے ہیں لیکن مملکت پاکستان کا مفاد ہمیں دل سے عزیز ہے اور اسی بناء پر ہم پاکستان کے موجودہ حکمرانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ بھٹو صاحب کو پھانسی دی جانے کے ممکنہ نتائج کو نظر انداز نہ کریں۔

(فروری 1979)

www.bhutto.org

بھٹو کو چھوڑ دیا جائے گا؟

(عرب نیوز، جدہ)

پاکستان کے فوجی حکمران جنرل ضیاء الحق جنہوں نے 18 ماہ قبل ایک فوجی بغاوت کے ذریعے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کا تختہ الٹا تھا اب پہلی بار انہیں پھانسی دینے کے سلسلے میں ہچکچاہٹ کی علامات کا اظہار کر رہے ہیں۔

ضیاء نے اب فیصلہ کیا ہے کہ وہ تنہا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ وہ ملٹری کونسل میں اپنے دو رفقاء اور 23 افراد پر مشتمل کابینہ میں بھٹو کے سیاسی مخالفین اور اعلیٰ سرکاری ملازمین کے اجتماعی فیصلے کو قبول کر لیں گے۔

ضیاء نے یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ وہ بھٹو، انکے بیوی بچوں یا کسی بھی پاکستانی کی طرف سے رحم کی درخواست کے لئے مزید سات دن کی رعایتی مدت دیں گے۔ یہ مدت اس وقت تک شروع نہ ہوگی جب تک کہ آخری عدالتی چارۂ کار بھی ختم نہ ہو جائے۔ مگر غیر ملکی سربراہان مملکت کی اپیلوں کو بھی رحم کی درخواست تصور کیا جائے گا۔ اور ان پر غور کیا جائے گا۔

بیرون ملک تشویش اور اس امکان کے پیش نظر کہ ہو سکتا ہے کہ فیصلے کے نتیجے میں تشدد اور خون خرابہ ہو۔ ضیاء کی قلب ماہیت ہوئی ہے۔ یہ بات اس انٹرویو سے نمایاں ہوئی ہے جو حال ہی میں سی جی ایس ٹیلی ویژن کو دیا گیا تھا۔

جب ان سے پوچھا گیا کہ اب سابق وزیراعظم کی قسمت کا فیصلہ صرف ان کے ہاتھ میں ہے تو جنرل ضیاء نے جواب دیا میں اس آئینی اختیار کو اپنے تک محدود نہیں رکھوں گا۔ جب بھی

www.bhutto.org

ایسی اپیل رحم کے لئے آتی ہے، چند اپیلیں پہلے ہی مجھ تک پہنچ چکی ہیں تو میں اسے پوری کی پوری اعلیٰ فوجی قیادت کے سامنے رکھوں گا۔اور میں پوری کابینہ کے سامنے رکھوں گا۔اسے میری طرف سے یک طرفہ فیصلہ نہیں ہونا چاہئے۔کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ لوگ یہ سوچیں کہ میں مسٹر بھٹو کے خلاف ہوں اور میں نے انہیں اس مقدمے میں ملوث کیا ہے اس لئے میں یہ فیصلہ کر رہا ہوں کہ

''رحم کرنے کا یہ معاملہ، مسٹر بھٹو کی اپیل، مسٹر بھٹو کی جانب سے دوسروں کی طرف سے کی جانے والی، درخواستیں میں فوج کی اعلیٰ قیادت، ملٹری کونسل کے سامنے لے جاؤں گا۔اگر اور جب بھی اپیل آئے تو کابینہ یہ فیصلہ کرے کہ آیا اسے منظور کیا جائے یا مسترد کیا جائے۔''

''جنرل ضیاء نے کہا کہ وہ اکثریت کا فیصلہ قبول کر لیں گے۔اکثریتی فیصلے کو درست فیصلہ تصور کیا جائے گا۔''

بھٹو کی قسمت کا فیصلہ نظر ثانی کی اس درخواست پر سپریم کورٹ کے فیصلے کے بعد کیا جائے گا۔جس پر ابھی صفائی کی ٹیم دلائل دے رہی ہے۔اس میں الزام لگایا گیا ہے کہ وہ ۴ جج جنہوں نے ہائی کورٹ کے فیصلے اور سزا کو برقرار رکھا ہے۔انہوں نے ریکارڈ کی رو سے شدید نوعیت کی غلطیاں کی ہیں جس کے نتیجے میں انصاف میں شدید قسم کی رکاوٹ پڑی ہے۔سات افراد پر مشتمل بنچ کا اجلاس کا آغاز دلائل سننے کے لئے ہفتے کے دن ہوگا۔

بھٹو کے وکیل یحییٰ بختیار نے کہا ہے کہ مختلف نکات پر دلائل پیش کرنے میں ۲ سے ۳ ماہ کا وقت لیں گے لیکن انہیں اندیشہ ہے کہ عدالت انہیں اتنا وقت نہیں دے گی۔

اس کے بعد رحم کا معاملہ سیاست دانوں، اعلیٰ سرکاری افسروں اور فوجیوں کے مشترکہ فیصلے کا منتظر ہوگا۔

ملٹری کونسل خود جنرل ضیاء، ایڈمرل شریف (جو چیف آف نیول شاف ہیں) اور ایئر شاف کے چیف ایئر مارشل پر مشتمل ہے۔

کابینہ جو ایک حالیہ استعفیٰ تک 24 افراد پر مشتمل تھی، اپنی قیادتوں کے نامزد کردہ سیاست دان اور جنرل ضیاء کے مقرر کردہ سرکاری افسروں میں تقسیم ہے۔

www.bhutto.org

ابتدائی علامات یہ ہیں کہ بھٹو ان دونوں اداروں میں سے کسی ایک سے بھی کسی ہمدردی کی توقع نہیں کر سکتے۔فوج کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ اس بات پر یقین رکھتی ہے کہ قوم کی طویل المیعاد بھلائی کے لئے ضروری ہے کہ بھٹو کی پاکستان پیپلز پارٹی کو ان کے وجود سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پاک کردیا جائے۔

وہ جماعتیں جن کی کابینہ میں نمائندگی ہوتی ہے، میں سے کئی جماعتیں اپنے سیاسی حریف کے بارے میں اپنے احساسات کا کھل کر اظہار کرتی رہی ہیں۔

وفاقی وزیر برائے سیاسی امور ظہور الٰہی نے ان افواہوں کی پرزور مذمت کی ہے کہ بھٹو کو جلاوطن کرنے کا بندوبست کرنے کے لئے مذاکرات جاری ہیں۔جنرل ضیاء اور پی پی پی کے سابق سیکرٹری جنرل ڈاکٹر مبشر حسن میں ملاقات کے بعد یہ افواہیں پھیلی تھیں۔

الٰہی نے کہا کہ جلاوطنی کے بارے میں خیالات اور غیر حقیقی خیال آرائی خوش فہمی کے نتیجے سے زیادہ کچھ نہیں۔

انہوں نے مزید کہا کہ ''اسلام میں سربراہ مملکت کو کسی قاتل کی سزائے موت میں تخفیف کا اختیار نہیں............اسلام میں قاتل صرف وہی نہیں جو کسی شخص کو قتل کرتا ہے بلکہ وہ حقیقت انسانیت کے خلاف جرم کا ارتکاب کرتا ہے۔

(7فروری1979)

بھٹو رحم کی اپیل نہیں کریں گے

(کرسچین مونیٹر)

جب تک کہ صدر ضیاء الحق انہیں معاف نہ کریں یا رحم کی درخواست منظور نہ کریں پاکستان کے سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی طے پانا ہے۔ ملک کے سپریم کورٹ نے ایک سیاسی قتل کے اقدام سے ان کے تعلق کی بناء پر انہیں دی جانے والی سزائے موت کے خلاف بھٹو کی اپیل مسترد کر دی ہے اور مسٹر بھٹو اپنے خاندان کے بقیہ مختصر رعایتی مدت میں رحم کی درخواست کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔

مسٹر بھٹو کے جرم کے عوامل دعواقب میں گئے بغیر حقیقت یہ ہے کہ ایک فوجی بغاوت کے ذریعے انہیں معزول کرنے والے شخص جنرل ضیاء کے پاس رحم کرنے کا آئینی اختیار ہے اور اس معاملے میں انہیں اسے استعمال کرنا چاہئے۔ درست کہ جنرل ضیاء نے پہلے ہی یہ نشاندہی کر دی ہے کہ وہ عدالتی فیصلے کی پابندی کریں گے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی صدارتی مداخلت نہیں ہوگی۔ لیکن بھٹو کا معاملہ ایک خاص معاملہ ہے جو خصوصی غور و خوض کا متقاضی ہے۔

پاکستان اور اس کے رہنماؤں کے لئے مسئلہ یہ ہے کہ متنازعہ سابق صدر کو پھانسی دینے سے وہ شہید بن جائیں گے۔ اس سے اس اتحاد اور سیاسی استحکام کو فروغ دینے میں کوئی نہیں ملے گی۔ جس کی پاکستان کو فوری ضرورت ہے۔ اس کے باوجود اگر مسٹر بھٹو کو پھانسی نہیں دی جاتی تو بجا طور پر یہ نشاندہی کی جا سکتی ہے کہ جیل میں رہتے ہوئے بھی وہ پاکستان کی سیاست میں ایک موثر طاقت بنے رہیں گے۔ اس کے کئی پیروکاروں کے لئے ایک نقطۂ اتحاد اور قابل قیاس طور پر

www.bhutto.org

وہ کسی روز روز واپس برسر اقتدار آ سکتے ہیں۔ یہ ایک ایسا نقطہ ہے جسے موجودہ فوجی حکومت نظر انداز نہیں کر سکتی۔

ملک کے اندر اور باہر کئی ناقدین نے یہ محسوس کیا کہ انہوں نے اور ان کی پارٹی نے مارچ 1977 میں انتخابات اتنی بھاری اکثریت سے جیتے کہ وہ بظاہر معقول نظر نہیں آئے۔ مگر بعض مغربی قانون دان ان کے مقدمے کی کارروائی پر تنقید کرتے رہے ہیں اور یہ محسوس کرتے ہیں کہ بھٹو کے خلاف الزامات ان کی مغربی عدالتوں میں برقرار نہیں رہ سکتے تھے۔ مختصر یہ کہ بھٹو کا انجام ان کے اپنے ملک اور غیر ممالک میں شدید جذبات کو ہوا دیتا ہے۔

(7 فروری 1979)

بھٹو اس سے زیادہ مقبول ہیں جتنے فوجی بغاوت سے پہلے تھے

(نیویارک ٹائمز)

پاکستان کے متذبذب فوجی آمر جنرل ضیاء الحق کو اب ایک بنیادی رعیت کے فیصلے کا سامنا ہے۔ ملک کے سب سے زیادہ مقبول سیاستدان اور وہ شخص جن کا جنرل ضیاء نے ۱۹ ماہ قبل تختہ الٹا تھا کو ایک سیاسی مخالف کے خلاف سازش کے نتیجے میں ہونے والے قتل کے سلسلے میں سزائے موت سنادی گئی ہے۔ اس ہفتے پاکستان کے سپریم کورٹ نے ۳/۴ کے فیصلے میں اس سزا کو برقرار رکھا۔ جنرل ضیاء کے پاس اس میں تخفیف کرنے کا اختیار ہے۔ ہم توقع کرتے ہیں کہ وہ ایسا کریں گے۔

جب جنرل ضیاء نے مسٹر بھٹو کا تختہ الٹا تو نئے حکومت نے کہ اس کا بنیادی فریضہ دیانت دارانہ انتخابات کے لئے فضاء تیار کرنا ہے۔ دو ماہ بعد مسٹر بھٹو کو گرفتار کرلیا گیا تھا اور ان پر ایک سیاسی قتل کا الزام لگایا گیا۔ اس کے بعد جنرل ضیاء نے موجودہ انتخابات کو بھٹو کے مقدمے کے فیصلے تک کے لئے ملتوی کردیا۔

ایسا کوئی طریقہ نہیں تھا جس کے ذریعے بھٹو کے مقدمے کو سیاست سے علیحدہ کیا جاتا۔ عدلیہ کی غیر جانبداری کی خواہش کے باوجود مسٹر بھٹو پر اس انداز میں مقدمہ نہیں چلا سکتی تھی جیسے کہ وہ ایک عام مدعا علیہ ہوں۔ اپنے سرپرست کے خلاف ہوجانے والے جنرل ضیاء ہی کی طرح

www.bhutto.org

صدارت کرنے والے جج کا تقرر بھی بھٹو نے ہی کیا تھا۔ مدعا علیہ کے لیے جج اور جنرل کی حقارت اوران کے لئے اس کی حقارت ڈھکی چھپی نہیں تھی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ سزا پر اپنی آخری نظر ثانی میں ضیاء اس بات پر تلے ہوئے ہیں کہ منتقم المزاج بھٹو کے کسی دن دوبارہ برسر اقتدار آنے کی راہ روک دیں۔ لیکن انہیں اس پر غور کرنا چاہئے کہ شہید بھٹو بھی انتقام لے سکتا ہے، سابق وزیر اعظم شاید اس سے زیادہ مقبول ہیں جتنے کہ وہ فوجی بغاوت سے پہلے تھے۔ فوجی حکومت کی طرف سے ناخوشی میں اضافہ ہوتا رہا ہے اور انہوں نے ایک طرح کا نورانی ہالہ حاصل کر لیا ہے۔ اگر انہیں پھانسی دے دی گئی تو ہو سکتا ہے کہ صنمیات حقیقت کی جگہ لے لیں۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ پاکستان جس کی راہ میں ورثے کی ایسی رکاوٹ ہے کسی طرح جلد جمہوریت کی طرف لوٹ سکتا ہے۔

(7فروری1979)

www.bhutto.org

ضیاء خود کو خدا کا منتخب کردہ سمجھتے ہیں

(ڈیلی ٹیلیگراف)

راولپنڈی میں موت کی کوٹھڑی میں مقید مسٹر ذوالفقار علی بھٹو اور مراکش کے عشرت کدے میں مقیم قدیم اور حالات کے سازگار ہونے کے منتظر پاکستان کے ہمسایہ ملک کے سابق شاہ میں کئی اعتبار سے مماثلت پائی جاتی ہے۔ دونوں ہی ''اسلامی بغاوت کا نشانہ بنے۔''

دونوں جدیدیت پسند اور آزاد خیال تھے جنہوں نے اپنے اپنے ملک کی ترقی کی راہ میں حائل سماجی اور اقتصادی رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے سخت اقدامات کئے۔ دونوں پر بدعنوانیوں، اپنے اقتدار کو برسراقتدار رکھنے کے لئے جبر وتشدد کے استعمال اور مغرب زدگی کے الزامات لگائے گئے۔

1977 کے انتخابات (جہاں سے مسٹر بھٹو کا زوال شروع ہوتا ہے) کے دوران مسٹر بھٹو کے مخالفین نے ان کے Savilerow امیج، لباس اور بودوباش کو کڑی تنقید کا ہدف بنایا اور الزام لگایا کہ ان کا ذہنی رجحان عوام کی اسلامی ثقافت کا مخالف ہے۔ لیکن شاہ کے برعکس بھٹو کو فوج کی حمایت حاصل نہیں تھی۔ ان کی حکومت کا تختہ ایک ایسے راسخ العقیدہ مسلمان جنرل ضیاء الحق نے الٹا جو خود کو خدا کا منتخب کردہ سمجھتے ہیں، جنہیں پاکستان سے برائی کے خاتمے اور اسلام کے نفاذ کے لئے بھیجا گیا تھا۔

www.bhutto.org

جنگجو آباؤاجداد

مسٹر بھٹو کا تعلق سندھ کے ایسے دولت مند اور اشرافیہ خاندان سے ہے جس کا سلسلہ نسب چار صدیوں کے بعد ہندوستان کی جنگجو ذات راجپوتوں سے جا ملتا ہے۔ بھٹو کے والد محترم سر شاہنواز بھٹو برطانوی راج کے ممتاز سیاست دان تھے۔ انگریزوں سے ان کے دوستانہ اور قریبی تعلقات تھے۔ چنانچہ ان کے صاحبزادے ذوالفقار علی بھٹو نے ایسے ماحول میں پرورش پائی جہاں مغربی افکار رجحانات اور اقدار کو توقیر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔

بمبئی میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد بھٹو کیلیفورنیا چلے گئے جہاں انہوں نے پولیٹیکل سائنس میں ڈگری لی اور سیاست کا کچھ عملی تجربہ اس طرح حاصل کیا کہ امریکی سینٹ کی انتخابی مہم میں ڈیموکریٹک پارٹی کے لئے کام کیا جس میں رچرڈ نکسن سینیٹر منتخب ہوئے۔

ان کی تعلیم کرائسٹ چرچ، آکسفورڈ اور لنکن ان میں بھی جاری رہی۔ جہاں سے انہوں نے بار ایٹ لاء کی سند حاصل کی۔ اس کے بعد وہ ساؤتھمپٹن یونیورسٹی میں بین الاقوامی قانون کے لیکچرار مقرر ہو گئے۔ لیکن درس و تدریس کا یہ سلسلہ جلد ہی ختم ہو گیا۔ وہ 1953 میں پاکستان واپس آ گئے اور وکالت شروع کر دی۔ 1958 میں ایوب خان نے انہیں وزیر تجارت مقرر کیا۔ اس وقت ان کی عمر 30 سال تھی۔ اور وہ پاکستان کی تاریخ کے سب سے کم عمر وزیر تھے۔

بھٹو کے پس منظر، اس کی عمدہ اور خوبصورت انگریزی اور امور خارجہ میں مہارت کے پیش نظر ایوب خان ان سے دفتر خارجہ کے معاملات میں مشورہ لینے لگے اور جب 1962 میں وزیر خارجہ بیمار ہو گئے تو وزارتِ خارجہ کو بھٹو کی نگرانی میں دیدیا گیا۔ اور ایک سال کے بعد انہیں وزیر خارجہ بنا دیا گیا۔ برق رفتار عروج کے اس زمانے میں بھٹو ایک رجعت پسند جماعت مسلم لیگ سے وابستہ رہے۔ اگرچہ وہ اس کی بعض پالیسیوں سے اتفاق نہیں کرتے تھے لیکن جنگ دسمبر 1965 کے فوراً بعد بھٹو نے اس سے علیحدگی کی اور بائیں بازو کی طرف جھکاؤ کا تاثر دینا شروع کر دیا۔

بھٹو نے 1966 میں وزیر خارجہ کے عہدے سے استعفیٰ دیدیا اور ایوب خان کو آمر قرار دیا اور ایک نئی پارٹی ''پاکستان پیپلز پارٹی'' قائم کی، جس نے اپنے منشور میں دیگر باتوں کے

www.bhutto.org

علاوہ ''اسلامی سوشلزم'' کے نفاذ کا وعدہ کیا۔ پھر بھٹو نے پاکستان میں عوامی سیاست کو رواج دیا۔ وہ سڑکوں پر آ گیا اس سیاست کو اس کے مخالفین نے ''بازاری سیاست'' کا نام دیا۔ لیکن بھٹو مقبول ہوتا گیا۔ اس نے ایوب خان کے خلاف تحریک چلائی لیکن یہ مظاہرے تشدد کی صورت اختیار کر گئے۔ ایوب خان نے بھٹو کو جیل میں ڈال دیا اور تحریک کو دبانے کے لئے بھرپور طاقت کا استعمال کیا۔

ایوب خان کو معزول کر دیا گیا اور جنرل یحییٰ خان نے عنانِ حکومت سنبھال لی۔ بھٹو پھر سیاسی افق پر نمودار ہوا اور 1970 کے الیکشن میں اس کی پارٹی نے قومی اسمبلی میں اکثریت حاصل کر لی۔ لیکن مشرقی پاکستان (اب بنگلہ دیش) نے خودمختاری کے بارے میں جو مطالبہ کیا اس سے سیاسی بحران پیدا ہو گیا۔ اور قومی اسمبلی کا اجلاس نہ ہو سکا۔ یحییٰ خان نے مشرقی پاکستان کو حکومت دینے کی بجائے طاقت کا استعمال کیا اور فوجی کارروائی کی جس سے خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ پھر بھارت نے مداخلت کی جس کا نتیجہ آزاد بنگلہ دیش کی صورت میں برآمد ہوا۔ بھٹو کو نائب وزیراعظم اور وزیر خارجہ بنا کر پاکستان کے دفاع کے لئے اقوام متحدہ میں بھیجا گیا اور وہ امریکہ ہی میں تھے کہ یحییٰ خان نے اپنے استعفیٰ کا اعلان کر دیا اور بھٹو کو صدارت کی پیش کش کی۔ ایک یا دو دن کی بڑھتی ہوئی کشیدگی کے بعد وہ پاکستان واپس آئے اور اپنے ہیرو نپولین کیسی جرات اور برق رفتاری سے اپنے فوجی مخالفین کو سبکدوش کر دیا اور اپنی کابینہ تشکیل دیدی۔

ملک کے 22 سرمایہ دار خاندانوں کا زور توڑنے اور انہیں زمین پر لانے کے لئے بھٹو نے مالیاتی اقدامات کئے اور اس طرح اس نے اشرافیہ سے علیحدگی اور عوام کا دوست ہونے کا مظاہرہ کیا۔ اس کے علاوہ مزید اصلاحات کیں جن میں کوڑوں کی سزا کا خاتمہ بھی شامل تھا۔

صدر مملکت کی حیثیت سے اس نے موت کی تمام سزاؤں میں تخفیف کی۔ ایسی روایت جس کی اس کے جانشین جنرل ضیاء الحق پیروی کرتے نظر نہیں آتے۔

(7 فروری 1979)

www.bhutto.org

بھٹو کو پھانسی دینا پاکستان کے مفاد میں نہیں ہوگا

(ڈیلی ٹیلیگراف، لندن)

اس بات کی کئی وجوہات ہیں کہ پاکستان کے سربراہ مملکت جنرل ضیاء، بھٹو کے بارے میں معافی کے اپنے خصوصی اختیار کو کیوں استعمال کریں۔ اس کی وجوہات میں سے چند لاہور ہائی کورٹ میں مسٹر بھٹو کے خلاف مقدمے کی کارروائی میں طریقۂ کار، جس کی وافر شہادتیں موجود ہیں، کی غیر اطمینان بخش نوعیت سے پیدا ہوتی ہیں۔ دوسری وسیع تر غور وخوض سے پیدا ہوتی ہیں۔ آیا جنرل ضیاء الحق ان میں سے کسی ایک کی پرواہ کریں گے، لازماً ایک مشتبہ معلوم ہوگی۔ لاہور میں مقدمے کی کارروائی کے چار ماہ اور اپیل کی سماعت کے دوران مبصرین کی رپورٹوں سے یہ تاثر مرتب ہوتا ہے کہ وہ تمام عرصہ بھٹو کو گھیرنے پر تلے رہے ہیں۔ ایسا ہے کہ نہیں ہے، اور ہوسکتا ہے کہ یہ ایک انتہائی غیر منصفانہ تاثر ہو، ایک لرزا دینے والی ٹھوس حقیقت انہی جگہ ہے کہ ان کے 1977 میں اقتدار کرنے کے بعد سے رحم کی جو نوے درخواستیں ان کے سامنے پیش ہوئیں ہیں۔ ان میں سے سے انہوں نے ایک بھی درخواست منظور نہیں کی۔

لاہور ہائی کورٹ میں مسٹر بھٹو کے خلاف مقدمے کی سماعت کے دوران ہونے والی خامیاں، دستاویزات میں بخوبی موجود ہیں۔ ان میں سے دو بنیادی خامیاں یہ ہیں کہ استغاثہ کا مقدمہ کھلی عدالت میں سنا گیا۔ جب کہ مسٹر بھٹو کے بیانِ صفائی کی سماعت عدالت نے بند کمرے

www.bhutto.org

میں کی اور استغاثے کی بیشتر شہادت سرسری سماعت کی تھی۔اس کے بعض اہم حصوں کو صفائی کی شہادت سے غلط ثابت کیا گیا لیکن اسے نظرانداز کردیا گیا۔

راولپنڈی کی لاتمناہی نظر آنے والی اپیل کی سماعت کے بارے میں عمومی رائے یہ معلوم ہوئی ہے کہ وہ منصفانہ ہوئی ہے۔لیکن اس سے دوسری پریشان کن بنیادیں ابھرتی ہیں۔ 4جج جنہوں نے اپیل مسترد کی ہے۔ان 3 ججوں کے برعکس جنہوں نے اسے منظور کیا،ان سب کا تعلق پنجاب سے ہے۔جو پاکستانی فوج کی گھریلو بنیاد ہے۔سماعت کے دوران حکومت نے ۳ طویل قرطاس ابیض شائع کئے۔ان تمام کا مقصد بھٹو کی شہرت کو داغدار کرنا تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ وسیع مقاصد ہیں۔ایسے متزلزل پسِ منظر میں جنرل ضیاء کو چاہئے کہ بہت زیادہ اور مخلصانہ غور کریں۔کہ آیا یہ صرف انصاف ہی کے نہیں بلکہ پاکستان کے بھی مفاد میں ہوگا کہ مسٹر بھٹو کو پھانسی نہ دی جائے۔ان کی تمام غلطیوں کے باوجود تقریباً وہی ایک مدبر ہیں جو پاکستان پیدا کرسکا ہے۔

(7فروری1979)

www.bhutto.org

ایک قبر، دو آدمی

(بروس لوڈن، ڈیلی ٹیلیگراف)

قتل کی سازش کی بناء پر مجرم قرار دیا جانا اور سزائے موت کے خلاف مسٹر بھٹو کی اپیل سپریم کورٹ کی طرف سے مسترد کیا جانا۔ ایک آزاد ملک کی حیثیت سے، پاکستان کی 32 سالہ تاریخ جو ہمیشہ عذاب میں مبتلا اور اکثر المناک رہی ہے کا ایک انتہائی ڈرامائی واقع ہے۔ مناظر ایسے تھے کہ جن کی اس سے پہلے کوئی مثال نہیں ملتی۔ اکثر مبصرین کی نظر میں ان کی اہمیت اتنی ہمہ گیر ہے کہ وہ مسٹر جناح کے بنائے ہوئے ملک پر انتہائی گہرے اثرات ڈالے گی۔ کارروائی شروع ہونے سے بہت پہلے سینکڑوں پولیس والوں اور فوجیوں نے راولپنڈی چھاؤنی میں واقع سپریم کورٹ کی عمارت کی ناکہ بندی کر دی تھی۔

آس پاس کی عمارتوں کی چھتوں پر بندوقچیوں نے مورچے سنبھال لئے تھے۔ آہنی گیٹ بند کر دیا تھا اور صرف خصوصی اجازت نامہ دکھانے پر کھولا جاتا تھا۔

لکڑی کے تختے جڑی دیواروں والا چھوٹا سا کمرۂ عدالت کارروائی شروع ہونے سے تقریباً دو گھنٹے پہلے ہی کھچا کھچ بھر گیا تھا۔ اکثریت وکیلوں، صحافیوں اور عدالتی عملے پر مشتمل تھی لیکن سادہ لباس میں بے شمار پولیس اور انٹیلی جنس کے افسر بھی موجود تھے۔ سپریم کورٹ کے سات جج تاخیر سے آئے۔ سبز مشیروانیوں، طرہ دار پگڑیوں میں، عدالت کے چپڑاسیوں نے معزز جج کو ان کی نشستوں پر بٹھانے میں مستعدی دکھائی اور سعادت مندی کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔

www.bhutto.org

سیاہ چغے پہنے ہوئے صفائی اور استغاثے کے وکلاء قطار بنا کر آئے۔ سابق وزیراعظم کے سینئر وکیل اور پرانے دوست مسٹر یحییٰ بختیار یوں لگ رہے تھے۔ جیسے دنیا بھر کا بوجھ ان کے کندھوں پر ہو۔ شاید انہیں علم تھا کہ کیا پیش آنے والا ہے۔

تماش بین کی دھمکی

عدالت کے اجلاس کرنے میں سات منٹ کی تاخیر کافی طویل محسوس ہوئی۔ تب اچانک عدالت کے پچھلے حصے سے جعلی وردی میں ملبوس ایک داڑھی والا سپاہی کھڑا ہوا۔ اس نے اردو میں چیخ کر کہا'' سنو میں کیا کہہ رہا ہوں، تمام نگاہیں اس کی طرف پلٹ گئیں۔ اگر بھٹو کو سزا دی گئی تو میں کسی جنرل کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ سیکورٹی افسر اسے دھکیلتے ہوئے لے گئے۔

یہ آنے والے واقعات کا نمونہ تھا فوجی حکومت کے اس فوری بیان کے باوجود بھی کہ وہ شخص درحقیقت چرائی ہوئی وردی میں مسٹر بھٹو کی پاکستان پیپلز پارٹی کا ایک کارکن تھا، ایسا ہو سکتا ہے۔

ججوں کی نشست کے پیچھے ایک دروازہ کھلا۔ چپڑاسی مستعد ہو کر کھڑے ہو گئے اور آکسفورڈ کے تعلیم یافتہ چیف جسٹس آئے۔ ان کے پیچھے ان کے ساتھی چھ جج تھے۔ فضا میں بجلی سی دوڑ گئی اور تمام نگاہیں چیف جسٹس کے گنجے ہوتے ہوئے سر پر مرکوز ہو گئیں۔

حیرت زدہ خاموشی

انہوں نے پڑھنا شروع کیا'' فوجداری اپیل نمبر 11، بابت 1978 ذوالفقار علی بھٹو بنام سرکار، کثرت رائے کے مطابق یہ اپیل مسترد کی جاتی ہے اور مجرم قرار دینے اور سزاؤں کا جو حکم ہائی کورٹ نے دیا تھا بحال رکھا جاتا ہے، اور اس کی توثیق کی جاتی ہے۔

حیرت زدہ خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ بھٹو کے حامی ناظرین میں سے کوئی نہ سمجھ سکا تھا کہ کیا کہا گیا تھا۔ انکے محبوب رہنما جو صرف چند سال پہلے بین الاقوامی منظر پر درخشندہ سیاستدان میں سے ایک تھا۔ کے لئے پھانسی کا پھندہ۔

www.bhutto.org

آنسو بہہ رہے تھے، مسٹر بختیار کھڑے ہوئے تھے اور سپریم کورٹ سے سپریم کورٹ کی کارروائی پر نظر ثانی کی آئینی درخواست کے فیصلے تک سزا پر عمل درآمد ملتوی کرنے کی درخواست کر رہے تھے۔ انہیں اندیشہ تھا کہ جیل حکام اپنے طور پر تقریباً فوری مسٹر بھٹو کو پھانسی دیدیں گے۔

قلیل اکثریت سے اپنے فیصلے کو محل نظر بنا کر بنچ سخت ہو گئی تھی اور بہ ظاہر کسی ایسی بات کو قبول کرنے کے موڈ میں معلوم نہیں ہوتی تھی۔ جو مسٹر بھٹو کو پھانسی چڑھانے میں تاخیر کرے۔

''سات دن وہ مدت ہے جس کی قانون اجازت دیتا ہے اور یہ سات دن ہی رہیں گے۔'' چیف جسٹس مسٹر بختیار سے یہ کہتے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ پھانسی کو روکنے کا کوئی طریقہ تلاش کرنے کے لئے انہوں نے اپنی قانونی کتابوں کو الٹتے پلٹتے وہ تقریباً دیوانے لگ رہے تھے۔

دلائل نمایاں طور پر جاری رہے، مسٹر بھٹو اچانک 'پھانسی کے منتظر سزا یافتہ' بن گئے۔ جب کہ پہلے عدالت میں جب بھی ان کا ذکر ہوتا تو تقریباً ہمیشہ مسٹر بھٹو کو کہا جاتا تھا۔ چیف جسٹس نے اچانک کارروائی ختم کردی۔ ناظرین قطار میں عدالت کے احاطے میں آگئے جو پولیس اور فوج سے ابلا پڑا تھا۔

عدالت سے واپسی پر میری کار سے چند فٹ کے فاصلے پر ٹوٹی اینٹوں کی ایک بوچھاڑ آئی جو شاید پولیس کے گشتی دستے پر پھینکی گئی تھی۔

''ایک قبر دو آدمی'' میرے ڈرائیور نے صابرانہ انداز میں کہا۔ مسٹر بھٹو تو تقریباً قبر میں ہیں۔ ان کے بعد ہو سکتا ہے کہ جنرل ضیاء ہوں یا ہو سکتا ہے کہ پاکستان ہو۔

(7 فروری 1979)

www.bhutto.org

قومی افتخار کو بلند کرنے کے سلسلے میں ان کی خدمات کا اعتراف ان کے بعض دشمنوں نے بھی کیا

(ہیرالڈ ٹریبون، نیویارک)

راولپنڈی، پاکستان 6 فروری سپریم کورٹ آف پاکستان نے آج سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو اور چار دوسروں کو تقریباً پانچ سال قبل ایک سیاسی مخالف کو قتل کرنے کی سازش کے الزام کے تحت دی جانے والی سزائے موت کی تصدیق کر دی ہے۔

چیف جسٹس انوار الحق نے کھچا کھچ بھرے ہوئے کمرۂ عدالت کے سامنے سات ججوں پر مشتمل پینل کا فیصلہ پڑھتے ہوئے کہا کہ ٹریبونل اکثریت نے فیصلے سے اتفاق کیا ہے۔

مسٹر بھٹو کے وکلاء نے بذریعہ تار ملنے والی اطلاعات کے مطابق کہا کہ وہ عدالت سے نظرثانی کی اپیل کریں گے۔ آخری چارۂ کار کے طور پر سابق وزیراعظم صدر محمد ضیاء الحق سے براہ راست اپیل کر سکتے ہیں۔ لیکن مسٹر بھٹو کہہ چکے ہیں۔ وہ جنرل ضیاء سے رحم کی درخواست کرنے کی بہ نسبت پھانسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ صدر کارٹر اور اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کوٹ والڈ ہائیم نے درخواست کی ہے کہ مسٹر بھٹو کی جان بخشی کی جائے۔ بھٹو کو پھانسی ہوتی ہے یا نہیں۔ اس کا انحصار فیصلے پر نظرثانی کے نتیجے، جس کی درخواست ان کے وکیل یحییٰ بختیار نے فوری طور پر کی اور صدر ضیاء سے جنہوں نے 1977 میں بھٹو کا تختہ الٹا تھا، رحم کی درخواست اگر کی جائے تو اس پر ہوگا۔

www.bhutto.org

تین ججوں کا اختلاف

مسٹر بھٹو کے خلاف فیصلے سے تین ججوں نے اختلاف کیا اور مسٹر بھٹو کی رہائی کے حق میں فیصلہ دیا۔ مسٹر بختیار نے کہا کہ یہ عدالتی نظر ثانی کے لئے مضبوط بنیادیں ہیں۔

مسٹر بختیار نے جو بھٹو کی حکومت میں اٹارنی جنرل تھے۔ سپریم کورٹ سے درخواست کی کہ پورے تیس دن کے لئے پھانسی کے التواء کا حکم جاری کیا جائے۔ یہ وہ مدت ہے جس کی نظر ثانی کے لئے اجازت ہے۔ لیکن عدالت نے یہ درخواست مسترد کر دی۔ سزا پانے والے ۵ افراد کو رحم کی درخواست کرنے کے لئے ایک ہفتے کا وقت دیا گیا۔

51 سالہ مسٹر بھٹو جو اپنی اپیل پر فیصلے کے انتظار میں راولپنڈی جیل کی کوٹھری میں محصور ہے ہیں، فیصلہ سننے کے لئے عدالت میں موجود نہیں تھے۔ حکومت نے بظاہر اس خطرے کے پیش نظر کہ اگر عدالت کا فیصلہ سابق وزیر اعظم کے خلاف گیا تو گڑبڑ ہو سکتی ہے۔ پچھلے چند دنوں میں ملک بھر میں مسٹر بھٹو کے سیاسی حامیوں کی گرفتاری کا حکم دیا اور ملک کے کالجوں یونیورسٹیوں اور بعض نچلے درجے کے اسکولوں کو غیر معینہ مدت کے لئے بند کرنے کی ہدایت کی۔

بیوی حفاظتی حراست میں

یہ بھی اعلان کیا گیا کہ مسٹر بھٹو کی بیوی نصرت کو قریب ہی واقع دارالحکومت اسلام آباد میں ان کی قیام گاہ میں حفاظتی تحویل میں لے لیا گیا ہے۔ جہاں بھٹو کی بیٹی بے نظیر پہلے ہی سے نظر بند تھیں۔ دوسری بیٹی اور دو بیٹے ملک سے باہر ہیں۔

عدالت شروع ہونے سے پہلے منتظر گھمبیر مجمع میں ایک شخص کو پولیس نکال کر لے گئی۔ اس سے پہلے اس نے اردو میں نعرہ لگایا تھا کہ ''اگر بھٹو کو سزا دی گئی تو میں کسی جنرل کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ یہ اشارہ مارشل لاء حکومت کی طرف تھا جو اس وقت ملک پر حکمران ہے۔ وہ لوگ جنہیں مسٹر بھٹو کے ساتھ سزا دی گئی ہے، سب کے سب حکومت کی ایک سیکورٹی ایجنسی کے افسر تھے۔ پانچوں سزا یافتہ افراد کو پچھلے سال مارچ میں بھٹو حکومت کے پرجوش نقاد اور پارلیمنٹ کے رکن

www.bhutto.org

احمد رضا قصوری کو قتل کرنے کی سزا سنائی گئی تھی۔ مسٹر قصوری کی کار پر اس وقت گھات لگا کر حملہ کیا گیا تھا۔ جب کہ وہ اور ان کا خاندان لاہور میں گیارہ نومبر 1974 کو شادی کی ایک تقریب سے لوٹ رہے تھے۔ مسٹر قصوری کو کوئی چوٹ نہیں آئی۔ لیکن انکے والد قتل ہو گئے۔ سیکورٹی افسروں میں سے دو ارشد اقبال اور رانا افتخار حملے کے مجرم پائے گئے، دوسرے دو افسروں میاں عباس، سیکورٹی فورس میں ڈائریکٹر آپریشنز اینڈ انٹیلی جنس اور اس ایجنسی میں انسپکٹر غلام مصطفیٰ کو حملے کے لئے خودکار ہتھیار فراہم کرنے پر سزا دی گئی۔ مسٹر بھٹو کو حملے کے ایماء پر سزا دی گئی۔ سزا یافتہ افراد کو سات سال قید کی بھی سزا دی گئی تھی۔ یہ عرصہ انہیں پھانسی کی سزا میں تخفیف ہو جانے کی صورت میں جیل میں گزارنا تھا۔ حکومت نے مسٹر بھٹو کے خلاف چھ اور جھوٹے الزامات بھی لگا رکھے تھے۔ ان الزامات میں انتخابی دھاندلی، سرکاری اختیارات کا ناجائز استعمال، سرکاری رقوم کا ناجائز خرچ اور ملک سے باہر خریدے ہوئے سامان پر کسٹم ڈیوٹی بچانا تھا۔

رحم کی اپیلیں

ساڑھے پانچ سال تک پاکستانی حکومت کے سربراہ، پہلے صدر اور اس کے بعد وزیراعظم کی حیثیت سے مسٹر بھٹو نے بہت سے سفر کئے تھے۔ وہ غیر ملکی سیاستدانوں کے ذاتی دوست بن گئے تھے۔ اطلاعات یہ تھیں کہ اونچے مناصب پر فائز ان کے دوستوں میں سے بعض نے جن میں ایران کے شاہ رضا پہلوی بھی شامل تھے۔ مسٹر بھٹو کی جان بخشی کے لئے لکھا تھا۔

آج مسٹر بھٹو کی جان بچانے کے لئے ایمنسٹی انٹرنیشنل، انٹرنیشنل کمیشن آف جیورسٹس اور برطانوی وزیراعظم جیمز کالیہان سمیت کئی حکومتوں کے سربراہوں کی طرف سے اپیلیں وصول ہوئی ہیں۔ سابق وزیراعظم ایک شہری آدمی ہیں۔ جنہوں نے دولت میں آنکھ کھولی اور جنہوں نے آکسفورڈ اور برکلے میں واقع یونیورسٹی آف کیلیفورنیا میں تعلیم حاصل کی۔ وہ بادشاہوں اور صدور کے ساتھ آسانی سے گھل مل جاتے تھے۔ مسٹر بھٹو میں یہ اہلیت بھی تھی کہ وہ اپنی قوم کے کارخانوں کے مزدوروں اور کسانوں سے ربط رکھیں جو کوئی اور پاکستانی لیڈر نہیں کر پائے گا۔

www.bhutto.org

1971 میں حوصلہ شکن جنگ کے بعد جس میں پاکستان کا مشرقی علاقہ آزاد بنگلہ دیش بن گیا۔ قومی افتخار کو بلند کرنے کے سلسلے میں ان کی خدمات کا اعتراف ان کے بعض دشمنوں نے بھی کیا ہے مگر دوسرے ناقدین نیا س بد انتظامی میں مسٹر بھٹو کے کسی حد تک ذمہ دار ہونے کا الزام لگایا۔ جس کے نتیجے میں علیحدگی واقع ہوئی۔ جس میں پاکستان اپنی سابقہ آبادی میں سے آدھی سے زیادہ اور کافی حد تک قومی صنعتی بنیاد سے محروم ہو گیا۔

مسٹر بھٹو کو لاکھوں پاکستانیوں کی وفاداری حاصل رہی ہے۔ مقدمے کے سماعت سے پہلے اور اس کے دوران انہوں نے یہ موقف اختیار کیا کہ وہ بیرونی طاقتوں کی سازش کا شکار ہوئے ہیں۔

پاکستان کے سابق وزیراعظم کا مفہوم یہ تھا کہ امریکہ نے ان کے خلاف مقدموں کو شہہ دی ہے کیونکہ وہ اسرائیل کے خلاف فلسطینی کاز سے گہری دلچسپی رکھتے تھے اور وہ فرانس سے ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ خریدنے پر مصر تھے۔ جس کے ذریعے پاکستان اپنے ایک ری ایکٹر میں استعمال شدہ ایندھن کو ایسے مواد میں تبدیل کر سکتا تھا جو ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری میں استعمال ہو سکے۔ مسٹر بھٹو کی معزولی نے اس منصوبے کو پس پشت ڈال دیا ہے۔

(7 فروری 1979)

www.bhutto.org

بھٹو اب بھی پاکستان میں مقبول ہیں

(دی جاپان ٹائمز)

پاکستان کے سپریم کورٹ نے منگل کو سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کی سزائے موت کے فیصلے کی توثیق کر کے قوم کو سنگین سیاسی بحران میں دھکیل دیا۔

بھٹو کے وکلاء نے کہا کہ وہ بھٹو کی دی جانے والی پھانسی کی سزا منسوخ کرانے کے لئے عدالت سے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کی درخواست کریں گے۔ اگر عدالت نے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کی درخواست کو بھی مسترد کر دیا۔ تو 51 سالہ سابق وزیراعظم کو صدر ضیاء الحق سے جنہوں نے 5 جولائی 1977 میں فوجی بغاوت کے ذریعے انہیں معزول کیا تھا۔ رحم کی درخواست کرنی ہوگی۔ لیکن بھٹو کہہ چکے ہیں کہ وہ ضیاء سے رحم کی بھیک مانگنے کی بجائے تختۂ دار پر چڑھنے کو ترجیح دیں گے۔ عدالت نے اپنے اکثریتی فیصلے میں چار سابق وفاقی پولیس والوں کو سزائے موت کے فیصلے کو برقرار رکھا۔ انہوں نے اعتراف کیا کہ انہوں نے بھٹو کے حکم پر اپوزیشن کی ایک شخصیت پر گھات لگائی تھی۔ سیاستدان احمد رضا قصوری اپنی کار پر حملے کے دوران بچ گئے۔ لیکن اس کا باپ گولیاں لگنے سے مر گیا۔

ضیاء حکومت نے امکانی عوامی ردعمل اور ہنگاموں کو روکنے کے لئے اپوزیشن کے 455 رہنماؤں کو جن میں مسز بھٹو کی اہلیہ اور ان کی صاحبزادی بھی شامل ہیں گرفتار کر لیا۔ جبکہ اپوزیشن کے ذرائع گرفتار ہونے والوں کی تعداد ہزاروں میں بتاتے ہیں۔ فیصلے کے اعلان سے قبل یہ واقعہ پیش آیا کہ جونیئر آرمی لیفٹیننٹ کی وردی میں ایک نوجوان سپریم کورٹ میں داخل ہو گیا اور

www.bhutto.org

چلاتا "اگر بھٹو کو سزا دی گئی تو میں کسی بھی جنرل کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ یہ شخص جو اپنا نام ٹیپو سلطان بتاتا تھا کمرۂ عدالت میں گھسنے میں کامیاب ہو گیا۔ حالانکہ سینکڑوں پولیس والے اور فوجی دستے سپریم کورٹ اور علاقے کو گھیرے ہوئے تھے۔

بھٹو، جنہوں نے ضیاء کے ہاتھوں معزولی سے قبل پاکستان پر ساڑھے پانچ سال حکمرانی کی کہہ چکے ہیں کہ وہ قتل کے الزامات تسلیم یا رحم کی اپیل کرنے کی بجائے پھانسی پر لٹکنا پسند کریں گے۔ دسمبر میں بھٹو نے عدالت میں کہا تھا کہ "میں یہاں رحم طلب کرنے نہیں آیا۔ میں یہ الزامات ماننے کی بجائے تختہ دار پر چڑھ جانے کو ترجیح دوں گا، دوسری جانب ضیاء وعدہ کر چکے ہیں کہ وہ سپریم کورٹ کے فیصلے پر عمل درآمد کریں گے۔ اگر سپریم کورٹ انہیں بری کر دیتی ہیں۔ تو میں انہیں رہا کر دوں اور اگر وہ بھٹو کو پھانسی دینے کا حکم دیتی ہے تو میں انہیں پھانسی پر چڑھا دوں گا۔ بھٹو اب بھی پاکستان میں مقبول ہیں۔ اسی لئے حکومت نے مارشل لاء کو سخت کیا اور وسیع پیمانے پر گرفتاریاں کیں تاکہ کسی نئے تشدد آمیز ہنگامے کی روک تھام کی جا سکے پاکستان کی آزادی کے 32 سال میں متعدد بار ایسے ہنگامے ہوئے۔ یہ وقفے وقفے سے ہوتے رہتے ہیں اور ملک کو مفلوج کر دیتے ہیں۔ حفاظتی فورس قومی ریلوے، سرکاری دفاتر اور رفاع عامہ کے اداروں پر مامور کر دی گئی اور یونیورسٹیاں بند کر دی گئیں۔

1971 کی پاک بھارت جنگ جس کے نتیجے میں مشرقی پاکستان علیحدہ ہوا اور بنگلہ دیش وجود میں آیا، کے بعد بھٹو کی قسمت کا بحران پاکستان کو متاثر کرنیوالا سب سے زیادہ سنگین سیاسی دھچکہ ہے۔ امریکن "پالیسی میکرز" کو اس امر پر تشویش ہے کہ بھٹو کو پھانسی دینے سے پاکستان سیاسی طور پر ٹکڑے ٹکڑے ہو سکتا ہے۔ بلوچ اور پختون آبادی میں علیحدگی کی تحریکات کی حوصلہ افزائی ہو سکتی ہے۔ امریکی حکام کا کہنا ہے کہ ایران میں عدم استحکام اور افغانستان میں سوویت نواز انقلاب کے بعد اس علاقے میں سوویت یونین کے لئے حالات سازگار ہو گئے ہیں۔

(7 فروری 1979)

www.bhutto.org

وہ تاریخ میں ایک عظیم انسان کی حیثیت سے زندہ رہیں گے: نصرت بھٹو

(بنگلہ دیش ٹائمز)

پاکستان سپریم کورٹ نے 3-4 کے فیصلے کے ذریعے معزول وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کے جرم قرار دیئے جانے اور پھانسی کے ذریعے موت کے فیصلے کو برقرار رکھا، اس کے بعد عدالت نے مسٹر بھٹو کے وکیل کی اس درخواست کو مسترد کر دیا کہ پاکستان کے سب سے زیادہ شہرت یافتہ عدالتی مقدمے پر قانونی نظر ثانی کی کارروائی کے لئے ۳۰ دن کے لئے سزا پر عملدرآمد ملتوی کر دیا جائے۔ بہرحال اعلیٰ ترین عدالت نے وکیل صفائی کو یقین دلایا کہ رحم کی درخواست کے لئے عام رواج کے تحت سات دن کی مدت دی جاتی ہے۔ اس کے دوران مسٹر بھٹو کو پھانسی نہیں دی جائے گی اور وکیل صفائی کو مشورہ دیا گیا کہ مزید وقت کے لئے باقاعدہ درخواست پیش کرے۔

چیف جسٹس انوار الحق نے فیصلہ لکھا تھا جس میں لاہور ہائی کورٹ کے 18 مارچ 1978 کے فیصلے، جس میں مسٹر بھٹو اور چار دوسرے مدعا علیہان کو ایک سیاسی قتل کی سازش کرنے اور اس کا بندوبست کرنے کا مجرم قرار دیا گیا تھا اور پانچوں کو سزائے موت سنائی گئی تھی کو برقرار رکھا۔ تین ججوں نے اس سے اتفاق کیا۔ عدالت نے 3-4 سے مسٹر بھٹو اور ایک دوسرے مدعا علیہ مسٹر بھٹو کی فیڈرل سیکیورٹی فورس کے آپریشنز چیف میاں عباس کو سزائے موت دینے کے حق میں فیصلہ دیا۔ دوسرے تین مدعا علیہان کو مجرم قرار دینے اور سزائے موت کا فیصلہ

www.bhutto.org

متفقہ طور پر دیا گیا۔ صدر ضیاء الحق کو فوجی حکومت نے قوم کے سب سے زیادہ جانے پہچانے سیاستدان کی حمایت میں مظاہروں کا سر کاٹنے کی کوشش کی۔ تین صوبوں میں اسکول بند کر دیئے گئے۔ سیاسی طور پر سرگرم مسٹر بھٹو کی بیوی کو گھر میں نظر بند کر دیا گیا اور انکی پیپلز پارٹی کے اکثر رہنما اور کارکن جیلوں میں ڈال دیئے گئے۔ مسٹر بھٹو کی طرف سے درخواست کرتے ہوئے سابق اٹارنی جنرل یحیٰی بختیار نے عدالت سے کہا کہ مسٹر بھٹو سزائے موت کو بحال رکھنے کے فیصلے کے خلاف درخواست دائر کرنا چاہتے ہیں۔

مسٹر جسٹس انوار الحق نے کہا کہ اس وقت یہ درخواست کرنا موزوں نہیں ہے درخواست عدالت میں پیش ہونی چاہئے۔ جو یہ فیصلہ کرے گی کہ آیا اس کی سماعت کی جائے یا نہیں۔ 51 سالہ بھٹو جواب راولپنڈی سنٹرل جیل میں ہیں، فوج کے 5 جولائی 1977 کو ان کا تختہ الٹا تھا اور اسی سال ستمبر سے وہ قید میں ہیں۔

کاسٹنگ ووٹ

آج چیف جسٹس کے کاسٹنگ ووٹ نے سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کی سزائے موت کی توثیق کر دی ہے۔ اس مقدمے کے اختتام پر جو اس ملک کی قانونی تاریخ کا سب سے زیادہ غیر معمولی مقدمہ تھا، چھ ماہ سے زیادہ عرصے کے غور وخوض کے بعد سپریم کورٹ معنوی اعتبار سے بیچ سے تقسیم ہو گیا ہے۔ تین ججوں کی نظر میں مسٹر بھٹو بے گناہ ہیں۔ لیکن دوسرے چار ججوں نے انہیں ایک سیاسی حریف مسٹر احمد رضا قصوری جن کے والد درحقیقت ہلاک ہوئے کے قتل کی سازش کا مجرم قرار پائے۔ عدالت کے ذرائع نے رائٹر کو بتایا تھا جج 5-2 میں تقسیم تھے۔ قانون کے ماہرین کا خیال ہے کہ شاید درخواست میں فیصلے کی یہ نسبت عدالتی طریقہ کار کو چیلنج کیا جائے گا۔ پچھلے سال مارچ میں کی جانے والی سزا کی توثیق کے فوری بعد مسٹر بھٹو کی بیوی بیگم نصرت بھٹو نے اسلام آباد میں گھر سے نظر بند توڑ کر نکل آئیں اور کار میں اپنے شوہر سے ملنے روانہ ہو گئیں۔ مسلح پولیس نے ان کی گاڑی کا پیچھا کیا لیکن وہ جیل پہنچ گئیں اور

www.bhutto.org

اپنے شوہر سے ملاقات کرنے میں کامیاب ہوگئیں۔

سپریم کورٹ نے حکم جاری کیا کہ مسٹر بھٹو مزید سات دن تک اس جیل میں رکھا جس سے ان کے وکیلوں کے لئے ممکن ہوگا کہ ان سے مشورہ کرسکیں مسٹر بھٹو رحم کی درخواست کرسکتے ہیں لیکن مصر یہ بات دہراتے ہیں کہ وہ ''رحم نہیں انصاف'' چاہتے ہیں اور انہوں نے اپنے خاندانوں کو اپیل کرنے سے منع کردیا ہے۔

وہ اس بات کو بھی نوٹ کرتے ہیں۔ فیصلہ بآسانی دوسرا رخ بھی اختیار کرسکتا تھا۔

نو ججوں میں سے جن پر سپریم کورٹ کی بنچ مشتمل تھی ایک کو مقدمے کی کارروائی کے دوران ریٹائرڈ ہونا پڑا۔ کیونکہ وہ ایک جج کے متعینہ عمر کی حد کو پہنچ گئے تھے اور دوسرے ایک جج فیصلے سے دو مہینے پہلے علیل ہوگئے تھے۔ عام طور پر اچھی طرح باخبر ذرائع میں سے ایک کے مطابق چیف جسٹس انوارالحق نے آخری لمحے تک اپنے اختلاف کرنے والے ساتھیوں کو اپنا ہمنوا بنانے کی انتھک کوشش کی۔ مسٹر بھٹو کو سزائے موت پچھلے سال مارچ میں لاہور ہائی کورٹ نے دی تھی۔ قاتلانہ حملہ لاہور میں ہوا تھا۔

نصرت بھٹو کا بیان

لندن سے ایک رپورٹ مزید بتاتی ہے کہ اتوار کی رات کو یہاں ایک ٹیلیویژن انٹرویو میں بیگم نصرت بھٹو نے کہا' آج سپریم کورٹ کو سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کو قتل کے الزام سے بری کردینا چاہئے۔''

راولپنڈی سے جہاں وہ گھر میں نظر بند ہیں انٹرویو میں بیگم بھٹو نے کہا ''اگر وہ (ضیاء) مسٹر بھٹو کی زندگی چھینتے ہیں تو ان کی گردن پھنسے گی۔''

بیگم بھٹو نے گذشتہ شب اعلان کیا کہ اگر وہ لوگ انہیں پھانسی چڑھا دیتے ہیں تو وہ تاریخ میں ایک عظیم انسان کی حیثیت سے زندہ رہیں گے۔''

www.bhutto.org

رحم کی کوئی درخواست نہ ہوگی

لندن میں مسٹر بھٹو کے ایک بیٹے نے کہا ان کے والد کے لئے جن کی سزائے موت کی آج توثیق ہوئی ان کا خاندان رحم کی درخواست نہیں کرے گا۔

''جہاں تک خاندان کا تعلق ہے رحم کی کوئی درخواست نہ ہوگی، ہم ان کی خواہش کا احترام کریں گے۔اطلاعات کے مطابق مسٹر بھٹو نے کہا ہے وہ رحم کے لئے درخواست نہیں کریں گے۔اور اپنے خاندان کو حکم دے رہے ہیں کہ ان کی جانب سے کوئی رحم کی درخواست نہ کرے۔

شاہنواز بھٹو جو ایک طالب علم ہیں نے کہا وہ کم از کم اس وقت تک کسی مظاہرے کا منصوبہ نہیں بنا رہے ہیں جب تک کہ سزا پر عمل نہ ہو یا اس میں تخفیف ہو جائے۔

انہوں نے کہا ''ہمیں انتظار کرنا اور دیکھنا ہے کہ ضیاء اپنی دھمکی پر عمل کرتے ہیں؟''

(7 فروری 1979)

www.bhutto.org

ضیاء، بھٹو اور ان کے حامیوں سے خائف تھے

(ڈیلی ٹیلیگراف، لندن)

اس بات کی علامات موجود ہیں کہ پاکستان کے فوجی حکمران جنرل ضیاء الحق مسٹر بھٹو کی جان بخشی کسی بھی درخواست کو منظور نہیں کریں گے۔ یہ بات گذشتہ رات ایک وکیل نے بتائی جو سزا یافتہ سابق وزیراعظم کے لئے کام کر رہا ہے۔ اس نے کہا ''حالات مخدوش نظر آ رہے ہیں۔ ہم لوگ اپنی استطاعت بھر کوشش کریں گے۔ درحقیقت محسوس یہی ہوتا ہے کہ امید بہت کم ہے۔ آپ آئندہ ہفتے یا اس سے اگلے ہفتے پھانسی دیئے جانے کی توقع کر سکتے ہیں۔

گذشتہ شب پاکستانی حکام نے ان اپیلوں کے بارے میں اعلانیہ حقارت اور ذلت آمیز رویہ کا اظہار کیا جو مسٹر بھٹو کی جان بخشی کے لئے بیرونِ ملک سے کی گئی ہیں اور جن میں مسٹر کالیہان اور صدر کارٹر کی اپیلیں بھی شامل ہیں۔ ایک سینئر افسر نے متکبرانہ انداز میں کہا ''یہ ہمارا داخلی معاملہ ہے، غیر ممالک سے اس کا کوئی سروکار نہیں۔ ہمارے نزدیک ان اپیلوں کی صرف اتنی اہمیت ہے کہ یہ ہمارے صدر کے نام ذاتی مراسلے ہیں اور جنرل ضیاء نے برطانیہ میں مقیم پاکستانیوں سے کہا ہے ''ہر چیز ٹھیک ٹھاک ہے اور ہم اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہنے جا رہے ہیں۔''

ایک انٹرویو میں جنرل ضیاء نے اس بات کی تردید کی کہ سپریم کورٹ نے بھٹو کے بارے میں 4 اور 3 کی نسبت سے جو فیصلہ دیا ہے وہ واضح فیصلہ نہیں۔ انہوں نے نشاندہی کی کہ تکنیکی اعتبار سے سپریم کورٹ کے 50-50 فیصد سے بھی نچلی عدالت کا فیصلہ برقرار رہتا ہے۔

www.bhutto.org

جنرل ضیاء نے اصرار کیا کہ سپریم کورٹ کے فیصلے میں ججوں کے اختلاف رائے سے عدلیہ کی آزادی کا اظہار ہوتا ہے۔ پاکستان کے فوجی حکمران جنہوں نے 1977 میں مسٹر بھٹو کے خلاف بغاوت کی قیادت کی۔ راولپنڈی میں انڈی پینڈنٹ ٹیلی ویژن کے نمائندے سینڈی گال کو انٹرویو دے رہے تھے۔ انہوں نے نہایت اعتماد سے کہا ہوسکتا ہے کہ میں نے اس ملک کو کچھ بھی نہ دیا ہو لیکن میں نے اسے ایک چیز ضرور دی ہے میں نے انہیں قانون کی حکمرانی دی ہے۔

بیشتر آزاد خیال مبصرین کو یقین ہے کہ اگر جنرل ضیاء نے بھٹو کے معاملے میں نرمی برتی تو ہوسکتا ہے انہیں معزول کر کے کوئی اور فوجی حکمران بن جائے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی نسبت اس معاملے میں ان کے ماتحت جرنیلوں کا رویہ زیادہ سخت ہے۔ مسٹر بھٹو جیل میں بند ہونے کے باوجود فوجی حکمرانوں کے لئے مسلسل پریشانی کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ اگر چہ فوجی حکمران اس بات کو تسلیم نہیں کرتے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ بھٹو اور اس کے حامیوں سے خائف ہیں۔ ان کے ہزاروں حامی اور انکی پاکستان پیپلز پارٹی کی حمایت کرنے والی تنظیموں کے سرگرم رہنما اور کارکن جیلوں میں بند یا گھروں میں بند کر دیئے گئے ہیں اور پاکستان کے سزا یافتہ سابق لیڈر، جس نے اپنے مخالف کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا، اور قاتلانہ حملے کے دوران مخالف کا باپ ہلاک ہوگیا، سے ذرا سی ہمدردی رکھنے والوں کو دبانے کے لئے فوج مامور کر دی گئی ہے۔

گذشتہ شب مسٹر بھٹو کے وکیل نے بتایا کہ ”وہ (مسٹر بھٹو) محسوس کرتے ہیں کہ تاریخ میں ان کا مقام ہے اور وہ جان بخشی کے لئے۔ جنرل ضیاء سے اپیل نہیں کریں گے۔ بتایا جاتا ہے کہ موت کی کوٹھری میں مسٹر بھٹو گڈ سپرٹ میں ہیں کل ایک وکیل نے کہا 'یہ بات حد درجہ حیران کن ہے کہ ہم مایوسی کے عالم میں ان کے (بھٹو کے) پاس جاتے ہیں لیکن واپسی پر آپنے آپ کو بہتر محسوس کرتے ہیں۔ یا یہ کہا جاسکتا کہ ان کی جرات سے ہمیں تقویت ملتی ہے۔“

(8 فروری 1979)

www.bhutto.org

سزائے موت برقرار

(دی اکانومسٹ)

اب جب کہ پاکستان کے سپریم کورٹ نے مسٹر بھٹو کی سزائے موت برقرار رکھی ہے، سابق وزیراعظم پھانسی سے صرف دو ہی صورتوں میں بچ سکتے ہیں کہ عدالت خود اپنے فیصلے پر نظرثانی کرے یا صدر ضیاء الحق سزا میں نرمی کر دیں۔

صدر ضیاء نے جو اعلانیہ یہ وعدہ کر چکے ہیں کہ وہ عدالت کے فیصلے پر عملدرآمد کریں گے، سزا میں نرمی کی تو ایسا محسوس ہوگا کہ وہ غیر ملکی دباؤ میں آ گئے ہیں اور اپنے الفاظ سے پھر رہے ہیں۔

لیکن ایسا کرنے کے لئے (سزا میں نرمی) صدر ضیاء کو ایک اچھا بہانہ مل گیا ہے۔ عدالت نے مسٹر بھٹو کے خلاف اکثریتی فیصلہ دیا۔ چار ججوں نے اپیل مسترد کرنے کے حق میں فیصلہ دیا جب کہ تین ججوں نے فیصلے سے اختلاف کیا۔ اقلیت نے نہ صرف سزائے موت مسترد کر دی بلکہ مسٹر بھٹو کے خلاف پورے کیس کو غیر ثابت شدہ قرار دیتے ہوئے انہیں بالکل بری کر دینے کا حکم دیا۔ اپنے اس فیصلے کے ذریعے انہوں نے مسٹر بھٹو کے اس موقف کو غلط ثابت کر دیا کہ ان کے مقدمے کی سماعت کرنے والی عدالت محض دکھاوا تھی۔ علاوہ ازیں انہوں نے صدر ضیاء کو سزائے موت میں نرمی کر کے عمر قید میں بدلنے کی دلیل بھی فراہم کر دی ہے جس کی بنیاد یہ ہے کہ سزائے موت کے لئے اتفاق رائے یا کم از کم بھاری اکثریت ہونی چاہئے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے وکلاء صفائی کو یہ قانونی بنیاد بھی فراہم کر دی ہے کہ وہ عدالت سے اسی کے فیصلے پر نظرثانی

www.bhutto.org

کی درخواست کریں۔ پاکستان کے قانونی نظام کی بنیاد برطانوی قانونی نظام پر ہے اور لارڈ چیف جسٹس ڈوگری نے 1969 میں کوپر کیس میں رولنگ دی تھی کہ اپیل کورٹ کی طرف سے مجرم قرار دیئے جانے کے فیصلے کو کالعدم کیا جاسکتا ہے اگر ذرا بھی شبہ ہو کہ انصاف نہیں کیا گیا۔

ان دو امکانات میں سے زیادہ آسان اور سہل صدر ضیاء کی جانب سے سزا میں نرمی ہوگی۔ منگل کو عدالت نے فیصلہ سنائے جانے سے قبل ہی صدر مملکت نے دوست حکومتوں کو یقین دلایا تھا کہ مسٹر بھٹو کو پھانسی نہیں دی جائے گی۔ ہمسایہ ملک ایران اور خود پاکستان میں اسلام کے غلغلے کے باوجود عدالت کے فیصلے میں اختلاف نے ان کے لئے اپنے خفیہ وعدوں کو پورا کرنا آسان کر دیا ہے۔ صدر ضیاء کے لئے اب اسلام کی سختی اور اس کے عدل دونوں کے تقاضوں کو پورا کرنے کا موقع مہیا ہو گیا ہے کہ مجرم قرار دینے کا فیصلہ برقرار رہے لیکن سزائے موت میں نرمی کر کے اسے عمر قید میں تبدیل کر دیا جائے۔ پس دیوار زنداں یرغمال کا خطرہ شاید زمین میں دفن شہید سے کم ہو۔

(10 فروری 1979)

www.bhutto.org

بھٹو نے سزائے موت کی خبر کو سکون اور جرأت سے سنا

(دی اکانومسٹ،لندن)

مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی زندگی کے لئے لڑنے والے وکلاء (صفائی) نے امید کا دامن چھوڑ دیا ہے۔انہیں یقین ہے کہ پاکستان کے معزول وزیراعظم ایک ماہ کی مدت میں پھانسی پا لیں گے۔منگل کے دن ملک کی سپریم کورٹ نے چار اور تین کے فیصلے کے تحت سزائے موت کو بحال رکھا تھا جو گذشتہ سال لاہور ہائی کورٹ نے قتل کی سازش کے جرم میں دی تھی۔

مسٹر بھٹو کے وکلاء نے نوٹس دیا ہے کہ وہ ان چار ججوں کے سامنے فیصلے پر نظر ثانی کی درخواست پیش کریں گے جنہوں نے ان کو مجرم قرار دیا ہے۔یہ نظر ثانی قانونی بنیاد ہوگی۔امر واقعہ کی بنیاد پر نہیں۔الا یہ کہ ڈرامائی انداز میں کوئی نئی شہادت سامنے آ جائے۔ یہ درخواست 13 فروری تک پیش کرنی ہوگی جو فوری طور پر مسترد کی جا سکتی ہے یا اس پر تیس دن کے عرصے میں غور ہو سکتا ہے۔

بچاؤ کا دوسرا واحد راستہ پاکستان کے فوجی حکمران صدر ضیاء الحق سے جاں بخشی کی اپیل ہے۔مسٹر بھٹو خود کہہ چکے ہیں کہ وہ رحم کی اپیل نہیں کریں گے اور اپنے خاندان کو بھی ہدایت دے چکے ہیں کہ وہ رحم کی اپیل نہ کریں۔لیکن رحم کی اپیلیں بیرونِ پاکستان سے آ چکی ہیں۔صدر کارٹر،اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کرٹ والڈ ہائیم، برطانوی وزیراعظم کیلہان اور متعدد دیگر

www.bhutto.org

سیاست دانوں کی اپیلیں پاکستان کے صدر کو مل چکی ہیں۔ مسٹر کیلہان نے دارالعوام کو بتایا کہ ''مجھے یقین ہے کہ جاں بخشی کے نتائج قانون پر سختی سے عمل درآمد کرنے کے مقابلے میں پاکستان کے لئے زیادہ فائدہ مند ہوں گے اور جنرل ضیاء ایک عقلمند شخص ہیں۔ لیکن پاکستان میں بیشتر فوجی اس نقطۂ نظر سے اتفاق نہیں کرتے۔ ایک سینئر آفیسر نے یوں تبصرہ کیا'' بھٹو کو پھانسی دینا خطرناک ہوگا لیکن بھٹو کو پھانسی نہ دینا تباہ کن ہوگا۔''

جنرل ضیاء نے جاں بخشی کی اپیلوں کے بارے میں اپنے رویے کا اظہار کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ تاہم بتایا جاتا ہے کہ 1977 کی بغاوت کے نتیجے میں برسر اقتدار آنے کے بعد انہیں موت کی سزا پانے والے تین سو افراد کی جانب سے رحم کی درخواستیں ملیں۔ لیکن انہوں نے ہر درخواست کو مسترد کر دیا۔ عدالتی فیصلے کا اعلان کرنے میں چیف جسٹس انوار الحق نے ایک منٹ سے بھی کم وقت صرف کیا۔ لیکن مکمل فیصلہ دو ہزار سے بھی زیادہ صفحات پر مشتمل ہے۔ کیس کی بیشتر بنیاد فیڈرل سیکورٹی فورس کے سابق ڈائریکٹر جنرل مسعود محمود کی شہادت ہے۔ مسٹر مسعود محمود نے دعویٰ کیا کہ اسے مسٹر بھٹو نے ایک نوجوان سیاسی مخالف مسٹر احمد رضا قصوری کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا لیکن گھات کے دوران غلطی سے مسٹر قصوری کے باپ کو قتل کر دیا گیا۔ اس مقدمے میں مسٹر محمود اپیل کنندہ نہیں تھا وہ سلطانی گواہ بن گیا اور اسے معافی بھی دے دی گئی۔

چیف جسٹس نے فیصلہ دیا کہ استغاثہ نے ثابت کر دیا کہ مسٹر بھٹو احمد رضا قصوری کو قتل کرنا چاہتے تھے کیوں کہ اس نے تیز اور تند تقریر کی تھی۔ انہوں نے یہ بھی تسلیم کیا کہ مسٹر بھٹو نے مسٹر محمود کو حکم دیا کہ ''احمد رضا قصوری کی لاش یا ایسی حالت میں کہ اس کے پورے جسم پر پٹیاں بندھی ہوئی ہوں پیش کیا جائے۔'' انہوں نے مزید کہا کہ اس کا قطعی کوئی ثبوت نہیں ملا کہ مسٹر بھٹو کے خلاف مقدمہ سیاسی اغراض کی بناء پر یا بین الاقوامی سازش کی بنیاد پر تیار کیا گیا اور انہوں نے اس الزام کو بھی رد کر دیا کہ لاہور ہائی کورٹ بغض وعناد رکھتا تھا۔

ججوں کے مابین اختلاف نے تلخ اور افسوسناک الزامات کو جنم دیا کہ عدالت کے اس اختلاف کی بنیاد محض صوبائی تھی۔ چار ججوں کا تعلق جنہوں نے مسٹر بھٹو کو مجرم قرار دیا، پنجاب سے

www.bhutto.org

ہے جب کہ اختلافی فیصلہ دینے والے تین ججوں کا تعلق پاکستان کے دیگر تین صوبوں سے ہے۔ ان میں سے ایک مسٹر (جسٹس) صفدر شاہ نے اپنے فیصلے میں کہا "میرے ذہن میں اس بات پر ذرہ برابر بھی شبہ نہیں کہ استغاثہ اپنا مقدمہ ثابت کرنے میں مکمل طور پر ناکام ہو گیا۔" سپریم کورٹ کے اندر اور باہر زبردست حفاظتی اقدامات اور پہرہ تھا۔ فیصلہ سننے کے لئے آنے والوں کی دو مرتبہ تلاشی لی گئی تھی۔ جب کمرۂ عدالت میں ججوں کی آمد کا انتظار کیا جا رہا تھا کہ پیچھے سے فوجی وردی میں ملبوس نوجوان چلایا۔ "اگر بھٹو کو سزا دی گئی تو میں کسی جنرل کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" اسے فوراً گرفتار کر لیا گیا۔ فیصلے سے تین دن قبل فوجی حکام نے بڑے اختلاف کے متوقع مراکز کو کنٹرول میں لینے کے اقدامات کر لیے تھے۔ مسٹر بھٹو کی پیپلز پارٹی کے کارکنوں اور ان کے حامیوں کو گرفتار کر لیا تھا اور بتایا گیا تھا کہ انہیں دو یا تین ماہ کے لئے نظر بند کر دیا گیا ہے۔ حکام کو گرفتار کیا گیا ہے،۔ تمام اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کو غیر معینہ مدت کے لئے بند کر دیا گیا اور ہوسٹلوں میں مقیم طلباء کو اپنے اپنے گھروں کو چلے جانے کا حکم دیا گیا۔

مسز بھٹو کو سب سے پہلے فیصلے کے بارے میں اطلاع راولپنڈی جیل کے حکام سے ملی، جنہوں نے غلطی سے بتایا کہ ان کی اپیل اتفاق رائے سے مسترد کر دی گئی ہے۔ مسز بھٹو کو ریڈیو کی خبروں سے صحیح موقف کا علم ہوا۔ انہیں چند گھنٹے قبل اسی گھر میں نظر بند کر دیا گیا تھا جہاں ان کی بیٹی اور آکسفورڈ یونین کی سابق صدر بے نظیر گذشتہ کئی ماہ سے نظر بند تھیں (جس دن فیصلہ سنایا گیا) اس دن مسز بھٹو کو موت کی کوٹھری میں مقید اپنے شوہر سے ہفتہ وار ملاقات کرنی تھی۔ جب پولیس انہیں لینے نہیں آئی تو تیزی سے کار چلاتی ہوئیں راولپنڈی جیل تک پہنچ گئیں۔ جہاں پولیس نے ان کا راستہ روکا۔ انہیں گھر واپس لایا گیا اور ان کو خواب گاہ میں بند کر کے تالا لگا دیا گیا اور گھر کو بھی تالا لگا دیا گیا۔ مسٹر بھٹو کے وکلاء کا کہنا ہے کہ سابق وزیر اعظم نے خبر کو بڑے سکون اور نہایت جرات سے سنا۔ ان کے خلاف کیے بعد دیگرے وہائٹ پیپروں کی اشاعت سے انہوں نے یقین کر لیا تھا کہ انہیں پھانسی ہو جائے گی۔

(10 فروری 1979)

www.bhutto.org

ضیاء نے اپنے ہی
وضع کردہ قوانین کی دھجیاں اڑا دیں

(بلٹز بمبئی)

تاریخ میں ایسے واقعات شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آئے ہیں۔ جب کوئی حکمران، جسے قوم کی قسمت کی معمار کا عظیم کام بخشا جاتا ہے۔ قوم کی قسمت اور تاریخ سے ایسا خطرناک کھلواڑ کرے جس کا معاوضہ ایک عرصے تک آنے والی نسلوں کو چکانا پڑے۔ پاکستان میں بہرحال یہی ہوا ہے۔ ناعاقبت اندیش جاہ پرستی نے اس ملک کے مقدر پر سیاہی کی گہری تہہ چڑھا دی ہے۔ سپریم کورٹ کی طرف سے بھٹو کی سزائے موت کی توثیق پہلے ہی سے مصائب میں گرفتار اس ملک کے لئے انتہائی بدشگونی ہے۔

پاکستان کے فوجی حکمرانوں کے لئے بھٹو کی زندگی شاید ایسا عذاب بن گئی تھی جسے وہ عالمی رائے عامہ اور مخالفت کے باوجود برداشت کرتے گھبراتے ہیں، انہیں شاید جواہر لال نہرو کے وہ الفاظ بھی یاد نہیں آئے جو مرحوم نے پیٹرس لومبا کے قتل کے وقت کہے تھے۔ نہرو کی تاریخی الفاظ تھے۔ ''ایک مردہ لومبا سو زندہ لومباؤں پر بھاری ہے۔'' یہ تاریخی الفاظ بے کم و کاست بھٹو کے بارے میں بھی دہرائے جا سکتے ہیں۔ پاکستانی حکمرانوں کو جلد ہی ان الفاظ کی صداقت کا احساس ہو جائے گا۔

اس میں شبہ نہیں کہ ذوالفقار علی بھٹو کو اس طرح سے عوام دوست نہیں کہا جا سکتا جس

www.bhutto.org

طرح دنیا کے عظیم انقلابیوں کو کہا گیا۔ اور وہ اپنے رویہ کے اعتبار سے خالصتاً جاگیردار تھے لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ قیام پاکستان کے ایک طویل عرصے کے بعد ان ہی کے دور میں پاکستان نے جمہوریت کی ایک جھلک دیکھی تھی۔ جھلک خواہ کتنی ہی ادھوری اور نامکمل کیوں نہ ہو۔ لیکن اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے ٹوٹے پھوٹے پاکستان میں زندگی کی ایک نئی لہر چونکائی تھی۔

جہاں تک بدعنوانیوں کا تعلق ہے۔ کیا موجودہ خاص "اسلامی" حکومت ان سے پاک ہے جس نے اسلام کی عظمت کو اپنی سختیوں، کوڑے بازیوں اور گرفتاریوں سے داغدار کر رکھا ہے جس نے غریبوں کے لئے لاکھوں سزائیں بنا رکھی ہیں۔ اور سیٹھوں، ٹیکس چوروں اور زمینداروں کے لئے ہلکی سی سزا بھی مقرر نہیں کی ہے۔

ضیاء الحق کی سرکار کتنی اسلامی ہے اس کا اندازہ اسی بات سے ہو جاتا ہے کہ اس نے خود اپنے ہی وضع کئے ہوئے قوانین کی دھجیاں بکھیر دی ہیں۔ دنیا کا قانون ہے (اور پاکستان کا بھی) کہ کسی مقدمہ کا سماعت کے دوران عدالت سے باہر مقدمہ یا ملزم کے بارے میں ایسی شہادتیں شائع نہیں کی جاتیں جن کا مقدمہ پر اثر پڑے۔ ایسی باتوں کو توہین عدالت قرار دیا جاتا ہے اور اس جرم کا مرتکب خواہ وہ حکومت ہی کیوں نہ ہو لائق سزا ہوتا ہے لیکن پاکستان کی فوجی سرکار نے عین سماعت کے دوران بھٹو کے سیاہ کارناموں پر مشتمل ایسی سفید دستاویز چھاپی جو............کی غیر جانبداری پر اثر انداز ہو سکتی ہے۔ اس کے باوجود فوجی سرکار کو شرم نہ آئی۔

عقل سلیم اب بھی یہ بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہے کہ فوجی حکمران اس قدر کوتاہ میں ہوں گے کہ بھٹو کو پھانسی پر ہی لٹکا دیں کہ عالمی رائے عامہ کی اس حد تک پائمالی بھی ممکن ہے کہ پاکستانی حکومت خود ہی اس ملک میں افراط زر پر تلی ہوئی ہے لیکن شاید پاکستانی حکمرانوں کی عقل سلیم مر ہی چکی ہے۔ بھٹو گناہ گار ہیں تو موجودہ حکومت ان سے بھی بڑی گناہ گار ہے۔ اور قول عیسیٰ ہے کہ گناہ گار کو پہلا پتھر وہ مارے جس نے خود کوئی گناہ نہ کیا ہو۔ پاکستانی جیلوں میں بند پاکستان کے جیالے، صحافی اور عوامی لیڈر فوجی حکمرانوں کے گناہوں کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں۔

www.bhutto.org

جو بھی ہو، یہ طے ہے کہ اس فیصلے کے بعد حکمرانوں کو اگر یہ ہوش آ جائے تو غنیمت ہے۔ سات ججوں میں سے تین نے برملا بھٹو کو رہا کر دینے کا مشورہ دیا تھا۔ اس طرح فیصلہ ''ایک رائے'' سے نہیں ہوا ہے۔ اس نکتے کے پیش نظر بھٹو کے وکیل یحییٰ بختیار کو حق حاصل ہے کہ وہ ایک پٹیشن کے ذریعہ سپریم کورٹ سے فیصلہ پر نظر ثانی کی اپیل کریں اور انہوں نے کہا بھی ہے کہ وہ اپنے اس حق کا استعمال ضرور کریں گے۔ جہاں تک صدر سے رحم کی اپیل کا سوال ہے یہ ممکن نظر نہیں آتا۔ بھٹو کے لئے ایک مطلق العنان اور منتقم المزاج حکمران کی انا کی تسکین کی بجائے موت کے آگے سر جھکا دینا زیادہ بہتر ہوگا۔ اس کا بھی امکان کم ہی ہے کہ بھٹو اپنے لواحقین میں سے کسی کو رحم کی اپیل کرنے کی اجازت دیں گے۔ ہاں اگر ان کے ساتھ جن چار دوسرے افراد کی سزائے موت کی بھی توثیق ہوئی ہے۔ وہ یا ان کے لواحقین میں سے کسی کو رحم کی اپیل کرنے کی اجازت دیں گے۔ تو قاعدے کے مطابق اس میں بھٹو کی اپیل خود بخود شامل ہو جائے گی۔ اس مقدمے کا فیصلہ سننے کے لئے جو شاید جدید تاریخ میں سب سے اہم اور مشہور مقدمہ ثابت ہوا ہے بھٹو خود عدالت میں نہیں تھے وہ جیل میں اپنی قبر کا کتبہ لکھ رہے تھے جو یہ ہے کہ ''ایک شاعر اور انقلابی...... جو میں تمام عمر رہا اور اس وقت تک رہوں گا جب تک میرے جسدِ خاکی سے آخری سانس نہ نکل جائے۔''

وہ نہ شاعر ہیں اور نہ انقلابی، لیکن وہ فوجی آمریت کے مارے سارے پاکستان میں جمہوریت کی پہلی کھڑکی کھولنے والے معمار ضرور ہیں۔ اور ان کا یہی کارنامہ انہیں زندہ رکھنے کے لئے کافی ہے۔ زندہ صرف موت کے بعد نہیں شاید آج بھی جب انہیں پھانسی دیئے جانے کا اعلان ہو چکا ہے اور ان کی گردن اور پھانسی کے پھندے میں بظاہر آٹھ دن یا ایک ماہ کا فاصلہ ہے۔ یہ فاصلہ بہت ہے اور اس کے درمیان بہت سے واقعات رونما ہو سکتے ہیں۔ اگر سپریم کورٹ کے...... فیصلہ پر عمل ہو گیا تو ہم بلا جھجک بیگم نصرت بھٹو کے یہ الفاظ دوہرا سکتے ہیں کہ 'اگر ضیاء الحق نے مسٹر بھٹو کو پھانسی دے دی تو یہ پھندا ان کی گردن بھی نہیں چھوڑے گا۔'

(10 فروری 1979)

www.bhutto.org

بھٹو دوران تعلیم ہی قائداعظم کے معتقد بن گئے تھے

(روزنامہ اجیت، جالندھر)

پاکستان کی سپریم کورٹ نے پاکستان کے سابق وزیراعظم شری بھٹو کی موت کی سزا بحال رکھی ہے انہیں ایک شخص نواب محمد احمد خاں کے قتل کی سازش کے الزام میں لاہور ہائی کورٹ نے پھانسی کی سزا کا حکم سنایا تھا۔ مسٹر بھٹو نے اس سزا کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل کی۔ سپریم کورٹ نے مسٹر بھٹو اور سرکار دونوں پارٹیوں کو اپنا اپنا کیس پیش کرنے کا موقعہ دیا اور قانونی طور پر مناسب سماعت کی گئی۔ اور اپنے فیصلے میں سزا بحال رکھی۔ مسٹر بھٹو کی زندگی جدو جہد سے بھرپور رہی ہے۔ ان کے والد سیاسی میدان کے کھلاڑی رہے ہیں اور صوبہ سندھ میں انہیں بہت احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا رہا ہے۔ ان کے ہاں سیاسی لیڈروں کی آمدورفت جاری رہتی تھی۔ بھٹو ان سے سیاست کی جانکاری تو حاصل نہیں کرتے تھے بلکہ سیاسی رہنماؤں کا طرز عمل کیا ہوتا ہے۔ اس سے وہ بخوبی واقفیت حاصل کرتے رہے۔ مسٹر بھٹو تقسیم وطن سے پیشتر ابھی زیر تعلیم تھے دوران تعلیم وہ مسٹر جناح کے معتقد بن گئے۔ اور ان کی دو قوموں کی تھیوری مسٹر بھٹو کے لئے بہت پسندیدہ بن گئی۔ وہ بحث مباحثوں میں حصہ لیتے اور اس طرح انہیں سیاسی میدان میں کودنے کا موقعہ مل گیا۔ مسٹر بھٹو کا پریوار سندھ کے علاقہ لاڑکانہ میں رہائش پذیر تھا تاہم ان کی بمبئی میں بھی کافی جائیداد تھی۔ مسٹر بھٹو اس جائیداد سے اپنا گذارہ چلاتے تھے۔ ایک جاگیردار پتا کی اولاد

www.bhutto.org

ہونے کے ناطے شری بھٹو کو روپے پیسے کی کمی نہیں تھی۔

اس کے بعد مسٹر بھٹو اعلیٰ تعلیم کے حصول کیلئے بیرون ملک چلے گئے ان کی غیر حاضری میں بمبئی کی ان کی جائیداد نکاسی قرار دیدی گئی۔ وہ انگلینڈ میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ وہاں سے وہ خود پاکستان منتقل ہو گئے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ انہوں نے بمبئی کے ہی ایک پریوار میں شادی کی ان کی بیوی نصرت ہے۔ نصرت بہت اونچے گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں۔ مسٹر بھٹو پاکستان میں اپنے رشتہ داروں سے ملنے گئے تو ان کے رشتہ داروں نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ پاکستان میں ہی اپنی رہائش اختیار کرلیں۔ مسٹر بھٹو نے ان کی صلاح کو لبیک کہتے ہوئے پاکستان کو ہی اپنا مسکن بنالیا۔ اس وقت تک پاکستانی فوج فیلڈ مارشل ایوب خان کی زیر قیادت اقتدار سنبھال چکی تھی۔ ایک تقریب میں مسٹر بھٹو نے تقریر کی وہاں خوش قسمتی سے ایوب خاں بھی موجود تھے جو بھٹو کی تقریر سے بہت متاثر ہوئے اور مسٹر بھٹو کو اپنی وزارت میں شامل ہونے کی دعوت دیدی۔

بھٹو وزارت میں

فیلڈ مارشل ایوب خاں فوج کی امداد سے حکومت چلا رہے تھے لہذا کوئی بھی ان سے کسی طرح کی پوچھ تاچھ کرنے کی جرات نہ کرسکتا تھا۔ انہوں نے جب مسٹر بھٹو کو اپنی وزارت میں شامل کرلیا تو پاکستان بھر میں کسی طرح کے ردعمل کا اظہار نہیں ہوا اور اس تقرری کو معمول کی کارروائی ہی سمجھ لیا گیا۔ اس وقت کون جانتا تھا کہ یہ نوجوان ایک دن بین الاقوامی شہرت کا مالک بن جائے گا۔ مسٹر بھٹو نے وزارتی عہدہ سنبھالتے ہی اس میں انقلابی تبدیلیاں کردیں جس پر وزارت کے افسران کو احساس ہوا کہ ان کا واسطہ ایک ذہین شخص سے پڑا ہے، ایوب خاں نے ان پر اس حد تک اعتبار کرنا شروع کردیا کہ ایک روز وزارت خارجہ کے عظیم عہدہ پر مسٹر بھٹو کو تعینات کردیا۔ اتنی بڑی چھلانگ پر سبھی حیران و ششدر رہ گئے۔ وزیر خارجہ ہونے کے ناطے شری بھٹو دنیا بھر کی نظروں میں آنا شروع ہو گئے۔ انہوں نے کشمیر کے متعلق بھارت سرکار کے ساتھ بات چیت کی۔ اس وقت پنڈت نہرو زندہ تھے اور انہوں نے سردار سورن سنگھ کو بھٹو کے ساتھ تبادلۂ خیالات

www.bhutto.org

کے لئے مقرر کیا کشمیر مذاکرات اگرچہ ناکام رہے لیکن مسٹر بھٹو بھارتیوں کی نظر میں آ گئے۔

جنگ کے دوران کردار

ستمبر 1965 میں بھارت و پاکستان کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ اس لڑائی میں پاکستان کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا دراصل ایوب خان کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی گئی تھی کہ کشمیر پر پاکستانی حملہ اتنی شدت سے ہوگا کہ بھارتیہ فوج کے لئے اس کا مقابلہ مشکل ہو جائے گا اور وہ اس حملہ کی تاب نہ لا سکے گی۔ پاکستانی فوج کا سب سے زیادہ زور چھمب سیکٹر میں ہی تھا۔ پاکستانی فوج کی یہ زبردست کوشش تھی کہ وہ پٹھان کوٹ جموں شاہراہ پر قبضہ کر لے۔ اس طرح کشمیر میں مقیم بھارتیہ فوج محاصرے میں آ سکتی تھی لیکن بھارت کے وزیراعظم شری شاستری نے کشمیر پر پاکستانی دباؤ میں کمی لانے کے لئے لاہور پر حملہ کرنے کا حکم دیدیا اور اس طرح کشمیر کو بچا لیا۔

بھٹو تاشقند میں

روس نے ہند پاک جنگ بند ہونے کے بعد سمجھوتہ کرانے کی کوشش کی۔ اس وقت بھٹو نے اڑیل رویہ اختیار کئے رکھا اور اس نے بھارت کے ساتھ ایک ہزار سال تک جنگ جاری رکھنے کا اعلان کر دیا۔ ایوب خان کو اپنی ذمہ داری کا بجا طور پر احساس تھا کہ اگر ہند پاک معاہدہ نہ ہو سکا تو اس کا نتیجہ کیا رونما ہو سکتا ہے۔ ایوب خان اگرچہ مسٹر بھٹو کے زیر اثر کچھ اکڑے تاہم مسٹر کوسیگن کی ایک ہی گھرکی سے وہ بھی آخرکار سمجھوتہ کے لئے رضامند ہو گئے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فیلڈ مارشل ایوب اور مسٹر بھٹو میں اختلافات پیدا ہو گئے۔ ایوب خان نے محسوس کیا کہ بھٹو اب ان کے اس طرح وفادار نہیں رہے جیسے کہ وہ پہلے تھے۔ لہٰذا انہوں نے ایک دن شری بھٹو سے استعفیٰ طلب کر لیا۔ اس پر بھٹو اور ایوب میں کھلم کھلا لڑائی چھڑ گئی۔ عوام پہلے ہی فوجی حکومت سے پریشان تھے۔ انہوں نے بھٹو کا ساتھ دیا اور ایوب کے لئے ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ وہ گدی سے دست بردار ہو گئے۔

www.bhutto.org

یحییٰ کا دورِ حکومت

فیلڈ مارشل ایوب خان خود تو اقتدار سے الگ ہوگئے لیکن جاتے جاتے وہ عنانِ حکومت فوج کے اس وقت کے کمانڈر انچیف جنرل یحییٰ خان کے سپرد کر گئے۔ جنرل موصوف سیدھے سادھے انسان تھے اور انہوں نے برسر اقتدار آتے ہی اس بات کا فیصلہ کرلیا کہ وہ حکومت کی باگ ڈور سیاستدانوں کے حوالے کردیں گے۔ انہوں نے 1970 میں پاکستان میں عام انتخابات کرائے۔ جس کے نتیجہ کے طور پر پاکستان کی قومی اسمبلی میں شیخ مجیب الرحمٰن کی پارٹی عوامی لیگ کو اکثریت حاصل ہوگئی جب کہ مغربی پاکستان میں بھٹو کی پیپلز پارٹی اکثریت میں آ گئی۔ چونکہ بنگلہ دیش کی آبادی مقابلتاً زیادہ ہے۔ لہذا پاکستان کا وزیر اعظم بننے کا حق شیخ مجیب الرحمٰن کو تھا۔ جنرل یحییٰ خان نے شیخ کو یہ دینے سے انکار کردیا۔ اس کے نتیجہ کے طور پر بنگلہ دیش میں گڑبڑ شروع ہوگئی۔ اس پر بھارت کو دخل دینا پڑا اور اس سے آزاد بنگلہ دیش معرض وجود میں آ گیا۔ بعض فوجی جرنیلوں کی دخل اندازی پر بھٹو کو پاکستان کا صدر بنا دیا گیا۔ جنہوں نے جنرل یحییٰ خان کو نظر بند کردیا۔ مسٹر بھٹو نے بھارت کے ساتھ شملہ معاہدہ کر کے جہاں پاکستانی علاقہ آزاد کرالیا وہاں اپنے 92 ہزار جنگی قیدی بھی رہا کرالئے۔ اس طرح وہ پاکستان بھر میں شہرت کے عروج پر پہنچ گئے لیکن 1977 میں پاکستان کے عام انتخابات کے دوران ان پر ہیرا پھیری کرنے کا الزام لگایا گیا اور اپوزیشن نے ان کے خلاف زبردست جدوجہد شروع کردی جو کافی دیر تک چلی۔ اندرون ملک خانہ جنگی کی سی صورت حال پیدا ہوگئی۔ جس پر فوج کو دخل دینا پڑا۔ اور اس نے اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

(10 فروری 1979)

www.bhutto.org

یہ مقدمہ ایک سیاسی ڈائنامائیٹ ہے

(ڈیلی آبزرور، لندن)

جیسے جیسے یہ ملک اپنے سابق وزیراعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دینے کے قریب ہوتا جارہا ہے فوجی سپاہی اور خود پوش پولیس اس پرانے فوجی چھاؤنی والے شہر کے ہر اہم مقام کی پہریداری کررہی ہے۔

تمام بڑے اور چھوٹے شہروں میں سخت حفاظتی احتیاطی اقدامات نے پچھلے ہفتے سپریم کورٹ کے ڈرامائی غیر متفقہ فیصلے پر ردعمل کو کم سے کم سطح پر رکھا ہے۔ لاہور میں بم پھینکنے کے ایک واقعے کے علاوہ صرف چھوٹے چھوٹے مظاہرے ہوئے جنہیں فوری طور پر منتشر کردیا گیا۔ گذشتہ روز مارشل لاء حکام اپنی حکمت عملی کے اگلے مرحلے ''کشن'' میں اس وقت داخل ہوگئے جب پاکستان کے فوجی حکمران جنرل ضیاء الحق نے اسلامی اصلاحات کے اس سلسلے کا اعلان کیا جس کا کافی عرصہ سے انتظار کیا جارہا تھا۔ یہ اور اسی دن منعقد ہونے والے محمدؐ کے یوم ولادت کی سالگرہ کے جشن سے توقع کی جارہی تھی کہ وہ بھٹو کی حمایت میں مزید کسی ردعمل کو ٹھنڈا کردیں گے۔

19 ماہ قبل ایک پرامن فوجی بغاوت کے ذریعے بھٹو کو اقتدار سے محروم کرنے کے بعد سابق رہنما کی زندگی دوسری بار جنرل ضیاء کے ہاتھ میں ہے۔ اگر وہ نظرثانی کی درخواست جو مسٹر بھٹو کے وکلاء نے پیش کردی ہے ناکام ہوجاتی ہے جیسے کہ انہیں توقع ہے کہ وہ ناکام ہوجائے گی۔ اگر جنرل ضیاء سزائے موت میں تخفیف نہیں کرتے۔ یا رحم کی سہولت نہیں دیتے، جس کا امکان معلوم ہوتا ہے تو ہوسکتا ہے کہ مسٹر بھٹو کی زندگی کے صرف چند روز اور باقی ہوں۔

www.bhutto.org

پاکستان میں روزانہ دو سے زائد کے شرح سے لوگوں کو پھانسی دی جاتی ہے لیکن ایسی کوئی قابل اعتبار نظیر موجود نہیں ہے جس میں ایک اختلافی فیصلے کی بناء پر کوئی پھانسی دی گئی ہو۔ یہ مقدمہ ایک سیاسی ڈائنامائیٹ بھی ہے۔ ان وجوہات کی بناء پر اس میں مسٹر بھٹو ملوث ہونے کی وجہ سے اور عدالت میں اختلاف کی نوعیت کی وجہ سے جس کے بارے میں بڑے پیمانے پر یہ رائے قائم کی گئی ہے کہ یہ ملک کے اندر موجود گہرے صوبائی اختلافات کی عکاسی کرتی ہے۔ وہ ۴ جج جنہوں نے سزائے موت کی توثیق کی ہے ان کا تعلق غلبہ رکھنے والے پنجاب سے ہے جب کہ ۳ وہ جج جو اس نتیجے پر پہنچے کہ مسٹر بھٹو کو رہا کیا جانا چاہئے وہ سب کے سب غیر پنجابی ہیں۔ مسٹر بھٹو کا تعلق جنوبی صوبے سندھ سے ہے۔

حکومت نے اس تعبیر پر غصے کے ردعمل کا اظہار کیا ہے۔ کابینہ کے ایک وزیر نے کہا کہ مغربی ذرائع ابلاغ نے پاکستانی عوام کی تذلیل کی ہے اور عدلیہ کی توہین کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اختلاف کرنے والے ایک جج متنازعہ تعبیر سے اختلاف کرتے ہیں لیکن یہ مسٹر بھٹو کے حامیوں کے لئے کھدائی کرنے کے لئے واضح طور پر ایک امکانات سے بھرپور شگاف ہے اور عوامی بے چینی کی دوسری وجوہات میں اس کا اضافہ کیا جا سکتا ہے۔

ان میں سب سے زیادہ اہم انتخابات منعقد کرنے میں ناکامی ہے۔ جنرل ضیاء اس سال انتخابات کرانے کا وعدہ کر چکے ہیں لیکن اس سے قبل وہ ایسے وعدے توڑ چکے ہیں۔ وسیع پیمانے پر یقین کیا جاتا ہے کہ اب بھی پاکستان میں مسٹر بھٹو وہ واحد رہنما ہیں جنہیں قومی پیمانے پر حمایت حاصل ہے اور اگر اس وقت انتخابات کرائے گئے تو وہ جیت جائیں گے۔

(11 فروری 1979)

www.bhutto.org

بھٹو شہید یا............؟

(ڈیلی عرب نیوز، جدہ)

ذوالفقار علی بھٹو پچھلے ہفتے سپریم کورٹ کی طرف سے ان کی سزائے موت کو برقرار رکھے جانے کے بعد جیل کی سلاخوں کے پیچھے عالمِ انتظار میں ہیں جب کہ متصادم جذبات کہ دھماکہ خیز فضا ان کے مقدمے کے اطراف چکرا رہی ہے۔

ان کے حامی جن کی تعداد لاکھوں میں بتائی جاتی ہے بے چینی کے ساتھ یہ توقع کرتے ہیں کہ صدر ضیاء الحق، وہ جنرل جنہوں نے 5 جولائی 1977 کو پرامن بغاوت کے ذریعے بھٹو حکومت کو اقتدار سے محروم کیا تھا کہ حکومت ان اپیلوں پر توجہ دے گی جو بھٹو کی جان بخشی کے لئے اسے امریکی صدر جمی کارٹر سمیت کئی عالمی رہنماؤں کی طرف سے وصول ہوئی ہیں۔

وسیع پیمانے پر یہ یقین کیا جاتا ہے کہ آزادانہ انتخابات کی صورت میں بھٹو دوبارہ اقتدار میں آسکتے ہیں۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پاکستانیوں میں کوئی درمیانی صورت حال موجود نہیں ہے۔ ''لوگ یا تو بھٹو سے نفرت کرتے ہیں یا محبت'' ایک غیر ملکی سفارت کار نے یہ تبصرہ کیا۔

اس دوران ایسی کوئی علامت نہیں کہ ضیاء کی حکومت بیرون ملک سے ہونے والی مداخلت سے متاثر ہوئی ہو۔ سفارت کار یہ محسوس کرتے ہیں کہ جنرل اور ان کے مشیروں کے غیر ملکی ردعمل، چاہے وہ ذریعہ کتنا ہی اہم ہو، کی بہ نسبت مقامی ردعمل کا زیادہ اثر قبول کریں گے۔

جب سے سپریم کورٹ کے مخالفانہ فیصلے نے بھٹو کو سولی کے اور قریب دھکیل دیا ہے۔ وہ

www.bhutto.org

عوامی مظاہرے عملی صورت اختیار نہ کر سکے جن کی ان کے حامیوں نے پیشن گوئی کی تھی۔ ان کے ساتھی گلیوں میں اس خاموشی کی وجہ حالیہ دنوں میں ان کی سیاسی جماعت کے رہنماؤں کی وسیع پیمانے پر گرفتاری بتاتے ہیں۔

سابق وزیر اعظم کی اپیل عدالت نے 3-4 کے فیصلے سے منگل کے روز مسترد کر دی تھی، کے پاس قانون کے تحت لازمی 7 دن کی رعایتی مدت ہے جس میں وہ یا کوئی اور صدر سے رحم کی درخواست کرسکتا ہے۔ اس عارضی امتناعی مدت میں توسیع ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ سپریم کورٹ اپنے تازہ ترین فیصلے پر نظر ثانی کا فیصلہ کرے۔ یہ درخواست قانونی اغلاط کی بنا پر۔ جن کا ابھی تک اظہار نہیں ہوا ہے۔ بھٹو کے وکلاء کو پیش کرنی ہے۔

ایسے وقت جب کہ بھٹو راولپنڈی جیل 2x3 میٹر پیمائش کی کوٹھری میں اپنے موت کا انتظار کر رہے ہیں اور اطلاعات کے مطابق قید کے نتیجے میں غذائیت کی کمی کا شکار ہیں۔ وہ ملک جس پر انہوں نے حاکمانہ انداز میں حکومت کی ان کے کردار پر گوشوارہ تیار کر رہا ہے۔ ایک نکتۂ نظر کے مطابق ان کے مطلق العنانہ دورِ حکومت میں جو زیادتیاں ہوئیں۔ جس کا قومی اخلاقی صحت سے خارج کیا جانا لازمی ہے۔ دوسروں کی نظر میں وہ عام آدمی کے ایسے عظیم علمبردار ہیں جو جاگیردارانہ پس منظر رکھنے والی اس قوم نے پیدا کیا۔

بھٹو کی حمایت کی جڑیں اس مایوسی میں تلاش کی جا سکتی ہیں جو ایک قوم کی حیثیت سے پاکستان کی تین دہائیوں میں زیادہ عرصے حکومت کرنے والی فوجی حکومتوں سے ہوئی۔ حالانکہ انہوں نے فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کی حکومت میں کابینہ کے وزیر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں اور جب سیاسی گڑبڑ قابو سے باہر ہوتی ہوئی نظر آئی تو مارشل لاء نافذ کیا۔ ایسے لوگ بھی ہیں جو سیاسی گڑبڑ کے اکثر اوقات میں فوجی حکومتوں کے ساتھ چلنے پر آمادہ ہیں لیکن حکمران جنرلوں پر فریضہ ہونے سے بہت پیچھے ہیں۔

ایک ایسے ملک میں جو اسلامی تعلیمات کا معتقد ہے، ۵۱ سالہ سابق وزیر اعظم ایک اعلانیہ طور پر دنیادار شخص کی حیثیت سے بھی متنازعہ شخصیت ہیں۔ پیدائشی امیر، خوش لباس، شعلہ

www.bhutto.org

مزاج بھٹو اس نفاست کا اظہار ہیں جو انہوں نے پہلے یونیورسٹی آف کیلی فورنیا پھر برکلے اور بعد میں آکسفورڈ میں حاصل کی تھی۔

دوسروں کے لئے ان کی موت شہادت ہوگی، جو شاید ایک لازوال علامت بن جائے یا مختصر عرصے میں فراموش کی دی جائے۔

(12 فروری 1979)

www.bhutto.org

میں موت کی کوٹھڑی میں مرنے کے لئے پیدا نہیں ہوا: بھٹو

(روزنامہ عرب نیوز، جدہ)

''میں ایک قوم کو بنانے اور عوام کی خدمت کے لئے پیدا ہوا ہوں۔'' پاکستان کے معزول وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو لکھتے ہیں۔ ''میں موت کی کوٹھری میں مر جانے کے لئے پیدا نہیں ہوا۔''

80 ہزار الفاظ پر مشتمل ایک عرضداشت جو سپریم کورٹ آف پاکستان کے نام لکھی گئی تھی راولپنڈی جیل سے اسمگل کر دی گئی اور اس ہفتے بھارت میں وقاص پبلشنگ ہاؤس نے اسے کتابی شکل میں شائع کر دیا۔ پہلے اس کی طباقت پاکستان میں کرانے کی کوشش کی گئی تھی لیکن فوجی حکومت نے اس کی اشاعت پر پابندی لگا دی۔

یہ بیان جس عدالت کے لئے لکھا گیا تھا، اسی عدالت نے ۶ فروری کو ۴۔۳ کے فیصلے کے ذریعے قتل کے الزام میں بھٹو کی سزائے موت بحال رکھی۔ بھٹو کی مذکوری بالا کتاب درحقیقت، اس سرکاری وہائٹ پیپر کا جواب ہے، جس میں سرکار نے معزول بھٹو حکومت کی مبینہ دھاندلیوں کو بے نقاب کیا تھا۔

اس کتاب کا نام ''اگر مجھے قتل کر دیا گیا'' ہے۔ یہ کتاب ۵۱ سالہ بھٹو کی ذہانت، ذاتی فلسفے، جوش، ولولے، رجحانات اور نظریات کے بارے میں بہت کچھ بتاتی ہے۔ یہ شاہکار نہیں

www.bhutto.org

بلکہ یہ خالص بھٹو ہے۔" ان کے ایک سابق ساتھی نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا اس نے اس کی سائیکلواسٹائل کاپی پڑھی تھی، جسے خفیہ طور پر اسلام آباد میں تقسیم کیا گیا تھا۔

"میں ہی وہ واحد شخص ہوں، جو مکمل تباہی کے راستے پر گامزن لوگوں کو واپس لاسکتا ہوں، بچا سکتا ہوں" میں عوام کو آزادی اور وقار دلانے اور انہیں باعزت اقوام کی صف میں کھڑا کرنے کے لئے پیدا ہوا تھا۔" بھٹو لکھتے ہیں۔

اس کتاب میں بھٹو نے الیکشن مارچ 1977 میں دھاندلی کے الزامات کی تردید کرتے ہوئے اپنی حکومت کی آئندہ پالیسیوں کے بارے میں انکشافات کئے ہیں۔

جب مسٹر بھٹو وزیراعظم تھے، تو ان کی حکومت نے فرانس سے ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ کی خریداری کا معاہدہ کیا تھا اور اعلان کیا تھا کہ اس پلانٹ کو پرامن مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے گا۔ لیکن اس کتاب میں پلانٹ کے حقیقی استعمال کے بارے میں یہ انکشاف کیا گیا ہے کہ اس (پلانٹ) کے ذریعے "مسلم" پاکستان، ایٹمی ہتھیار بنانے کی "عیسائی، یہودی اور ہندو" اجارہ داری اور صلاحیت کو توڑنا چاہتا تھا۔

"ہم مکمل ایٹمی صلاحیتوں کی منزل حاصل کرچکے تھے کہ مجھے موت کی کوٹھری میں آنے کے لئے حکومت چھوڑنی پڑی" مسٹر بھٹو لکھتے ہیں کہ "صرف اسلامی دنیا کے پاس (ایٹمی صلاحیت) نہیں تھی لیکن اب صورتحال تبدیل ہونے والی تھی۔"

جولائی 1977 میں جنرل ضیاء الحق نے بھٹو حکومت کا تختہ الٹا، اس وقت سے حکومت فرانس نے اس (پلانٹ) کے معاہدے میں رکاوٹ ڈال رہی ہے۔

بھٹو نے امریکہ کے سابق صدر رچرڈ نکسن اور اپنا موازنہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دونوں اس لئے "معزول" کئے گئے کہ وہ دونوں ہی اپنی اپنی حکومتوں کو منظم کرنے کے لئے انقلابی منصوبے بنا چکے تھے۔ بھٹو لکھتے ہیں کہ "مماثلت اس قدر ہے کہ اس نے مجھے حیران کر دیا۔"

یہ کتاب دراصل ایک خودنوشت سوانح عمری بن گئی ہے کیونکہ مسٹر بھٹو نے اپنی زندگی کے بعض اہم واقعات تحریر کئے ہیں۔ یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ جب وہ سات سال کے تھے تو انہوں

www.bhutto.org

نے واپنے والد کی موجودگی میں ایک برطانوی افسر سے کہا "تم اس لئے سرخ و سپید ہو کہ تم نے ہمارے خوبصورت ملک کا خون چوسا ہے۔"

یہ برطانوی افسر، بمبئی کا گورنر تھا۔ اس نے بھٹو کے والد سے کہا۔ "تمہیں اس بیٹے کے روپ میں ایک شاعر اور ایک انقلابی مل گیا ہے۔"

اس کتاب میں بھٹو نے ان ممکنہ خطرات کی نشاندہی بھی کی ہے جو سزائے موت پر عمل درآمد کی صورت میں پیش آ سکتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔ "میری زندگی سے زیادہ اور بہت کچھ داؤ پر لگا ہوا ہے۔ اس سلسلے میں کوئی غلطی نہ کرنا، پاکستان کا مستقبل داؤ پر لگا ہوا ہے۔"

کتاب کے آخری حصہ میں وہ بتاتے ہیں کہ سیاسی رہنماؤں کو پھانسی دینے کی وجہ سے ایک مسلم ملک ترکی، کس قدر اور کتنا غیر مستحکم ہو گیا۔ اور اگر انہیں تختہ دار پر لٹکایا گیا تو پاکستان بھی ترکی جیسی صورتحال سے دوچار ہو سکتا ہے۔

سابق صدر پاکستان ایوب خان نے 1960 میں بھٹو کو انقرہ بھیجا تھا کہ وہ ترکی کے ان تین سول سیاسی رہنماؤں کی جان بخشی کی اپیل کریں، جنہیں نئی فوجی حکومت نے سزائے موت سنا دی تھی۔

بھٹو نے جنرل گرسل سے ہونے والی گفتگو کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انہوں نے کہا تھا "مسٹر پریزیڈنٹ سر ترکی کے مسائل، سزائے موت پر عمل درآمد سے شروع ہوں گے۔"

(12 فروری 1979)

www.bhutto.org

ذلت آمیز شکست کے بعد
ملک کو بھٹو نے وقار بخشا

(دی جاپان ٹائمز)

پاکستان میں یہ سوال خصوصی اہمیت اختیار کر چکا ہے کہ کیا صدر ضیاء الحق سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کی جان بخشی کی بین الاقوامی اپیلوں، جن کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہوتا جا رہا ہے پر کوئی توجہ دیں گے اور شنوائی کریں گے۔ کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ مسٹر بھٹو کی پھانسی کا نتیجہ تشدد آمیز حکومت دشمن مظاہروں اور سیاسی عدم استحکام کی صورت میں برآمد ہو۔

گذشتہ ہفتے ملک کے سپریم کورٹ نے مسٹر بھٹو کی پھانسی کی سزا کا فیصلہ بحال رکھا۔ یہ سزا انہیں مارچ 1978 میں سنائی گئی تھی۔ الزام یہ تھا کہ انہوں نے اپنی پیپلز پارٹی کے بانی کارکن احمد رضا قصوری کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا لیکن مسٹر بھٹو کا سیاسی حریف حملے میں بچ گیا۔ البتہ اس کا بوڑھا باپ مارا گیا۔ ججوں نے ۴-۳ سے اختلافی فیصلہ دیا۔ چنانچہ نتیجہ اس مطالبے کی صورت میں برآمد ہوا کہ مقدمے پر نظر ثانی کی جائے۔

اگر نظر ثانی کی درخواست مسترد کر دی گئی تو عدالت عظمیٰ کے فیصلے کے بعد ایک ہفتے کے اندر پھانسی دی جانی چاہئے۔ لیکن بعض افراد کو یقین ہے کہ پھانسی دینے میں عجلت کی جائے گی۔ مسٹر بھٹو اپنی جان بچانے کے لئے صدر ضیاء سے رحم کی درخواست کر سکتے ہیں لیکن مسٹر بھٹو متعدد بار کہہ چکے ہیں کہ وہ ایسا نہیں کریں گے۔ یہ موقف اختیار کرنے کا سبب یہ ہے کہ رحم کی

www.bhutto.org

درخواست کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ اپنے جرم کا اعتراف کرتے ہیں۔ جب کہ ان کا اصرار ہے کہ وہ بے گناہ ہیں۔ جنرل ضیاء خود بھی سزا میں نرمی کر سکتے ہیں لیکن وہ کہہ چکے ہیں میں عدالتی فیصلے میں کوئی مداخلت نہیں کروں گا۔ انہوں نے حال ہی میں کہا ہے ''اگر وہ (عدالت) بھٹو کو پھانسی دینے کا حکم دیتی ہے تو میں اسے پھانسی پر لٹکا دوں گا۔''

البتہ مسٹر بھٹو کی سزائے موت کے خلاف دنیا بھر میں واویلا مچا ہوا ہے۔ عالمی لیڈروں نے، جن میں صدر جمی کارٹر، برطانوی وزیر اعظم کالاہان اور بھارتی صدر نیمل سنجیوا ریڈی بھی شامل ہیں زور دیا ہے کہ مسٹر بھٹو کو پھانسی نہ دی جائے۔ یہ اطلاعات بھی ہیں کہ چین نے پیغام بھیجا ہے کہ وہ (چین) بھی مسٹر بھٹو کو زندہ دیکھنا چاہتا ہے۔ علاوہ ازیں ایمنسٹی نیشنل نے بھی صدر ضیاء سے اپیل کی ہے کہ وہ مسٹر بھٹو کی سزائے موت پر عملدرآمد روک دیں۔ بلاشبہ یہ اپلیں انسانی بنیادوں پر کی گئی ہیں۔ کم از کم متن کی حد تک، لیکن اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ سوویت بلاک سے باہر ممالک کو اس امر پر گہری تشویش ہے کہ مسٹر بھٹو کی موت پاکستان میں سیاسی ہنگامہ اور اضطراب پیدا کر سکتی ہے۔ جس سے سوویت یونین کو اس علاقے میں مداخلت کرنے کا ایک اور موقع مل جائے گا۔ ہمسایہ ملک افغانستان میں پہلے ہی سے بائیں بازو کی ماسکو نواز حکومت قائم ہے اور ایران کے بحران نے بھی (ایرانی) قوم کے مستقبل کو مخدوش اور خطرناک بنا دیا ہے۔

اگرچہ مسٹر بھٹو کے مقدمے اور سزا کی بنیاد یہ الزام تھا کہ انہوں نے ایک سیاسی قتل کا حکم دیا۔ مگر کچھ شبہ یہ بھی ہے کہ مسٹر بھٹو کے اس رویے پر جب وہ برسراقتدار تھے غور کیا گیا۔ گذشتہ دسمبر میں سپریم کورٹ میں پیش ہونے سے قبل مسٹر بھٹو نے دفاع کے لئے نہایت اعلیٰ سطح کی سیاسی لائن اپنائی۔ انہوں نے کہا کہ جب وہ برسراقتدار تھے تو ملک میں ایک پارلیمان تھی لیکن اب صدر ضیاء جنہوں نے جولائی 1977 میں مسٹر بھٹو کے خلاف ''کودیتا'' کیا مارشل لاء کے تحت ملک پر حکمرانی کر رہے ہیں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ پاکستان میں کی جانے والی ایک عام شکایت سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے کہ صدر ضیاء نے الیکشن کرانے اور سول حکومت کے قیام کے وعدے کے باوجود ابھی تک الیکشن کی تاریخ کا اعلان بھی نہیں کیا۔ اس امر کا اندازہ لگانا مشکل ہے کہ مسٹر بھٹو کی حمایت کتنی

www.bhutto.org

ہے اور کتنی طاقت ور ہے۔ اسی لئے یہ اندازہ بھی نہیں لگایا جا سکتا کہ پھانسی دینے کا ردِعمل کتنا خطرناک ہوگا۔ 1971 کی جنگ کے بعد جس میں پاکستان بھارت کے ہاتھوں تباہ ہوا۔ اور جس کا نتیجہ پاکستان کی تقسیم اور بنگلہ دیش کی صورت میں ظاہر ہوا۔ مسٹر بھٹو برسراقتدار آئے اس وقت انہیں زبردست مقبولیت اور حمایت حاصل تھی۔

ان کے نعرے "روٹی، کپڑا اور مکان" میں پاکستان کے غریب عوام کے لئے بڑی زبردست کشش تھی۔ اگرچہ اسے حقیقت کا روپ نہیں دیا جا سکا۔ بھارت کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست کھانے کے بعد پاکستان اپنی تاریخ کے شدید ترین بحران میں مبتلا تھا۔ اس نازک موقع پر مسٹر بھٹو نے اپنے ملک کو قیادت دی اور وقار بخشا۔ جو اس وقت اہم ترین تقاضا تھا۔ بھٹو کی پیپلز پارٹی عوام میں مقبول ترین جماعت تھی، اگرچہ ان پر انتخابات (1977) میں بدعنوانی اور سیاسی مخالفین کو سزا دینے کے الزامات لگائے گئے۔ لیکن معمولی شبہ یہ بھی ہے کہ مسٹر بھٹو انتہائی پرامید تھے اور سمجھتے تھے کہ صرف وہ ہی پاکستان کے سات کروڑ بیس لاکھ عوام پر حکومت کر سکتے ہیں۔

قطع نظر کہ ان پر جو الزامات لگائے گئے، انہوں نے ان کا ارتکاب کیا یا نہیں، یہ بات طے شدہ ہے کہ ان کی سیاسی بے اعتدالیاں ان کے زوال کا باعث بنیں۔ اس کے باوجود عوام کی بھاری اکثریت کی وفاداریاں ان کے ساتھ ہیں۔ موصولہ اطلاعات متنازعہ ہونے کے باوجود بتاتی ہیں کہ ان کی پیپلز پارٹی اب بھی ہر الیکشن جیت سکتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ سچ ہو، لیکن یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ پارٹی منتشر ہے اور اس کے کئی رہنماؤں کو سات سال کے لئے سیاست اور کسی عہدے کے لئے نااہل قرار دیا جا چکا ہے۔ افواہیں گرم ہیں کہ مسٹر بھٹو پھانسی پانے کے بعد شہید بن گئے تو یہ پاکستان میں علیحدگی کی تحریکوں کے لئے ایک شعلہ بن جائے گی جس سے ملک مزید ٹکڑے ٹکڑے ہوسکتا ہے۔ بظاہر یہ پیشگوئی نہیں کی جاسکتی کہ اگر مسٹر بھٹو کو پھانسی دے دی گئی تو کیا ہوگا۔ مگر یہ صاف ظاہر ہے کہ سزائے موت پر عملدرآمد سے قوم کا مستقبل سنگین خطرے میں پڑ جائے گا۔ اور صدر ضیاء کو یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ کیا ان خطرات کو مول لیا جا سکتا ہے۔

(13 فروری 1979)

www.bhutto.org

بھٹو کو پھانسی دینے سے
منحوس روایت قائم ہو جائے گی

(ریمزے کلارک، نیویارک ٹائمز)

ذوالفقار علی بھٹو، جنہیں 1974 میں ایک غیر اہم سیاسی مخالف کے قتل کا حکم دینے کے الزام میں پاکستانی فوجی حکومت کے ہاتھوں پھانسی کا سامنا ہے۔ دوبار غیر منصفانہ عدالتی کارروائی کا شکار ہوئے ہیں۔ کیا اب وہ قانونی بنائے گئے سیاسی قتل کا شکار ہوں گے؟

عمداً طول کی گئی ایک مدت میں سابق وزیراعظم کے مجوزہ اقدام کو عدالتی کارروائی کے ذریعے قانونی لبادہ پہنایا گیا ہے۔

وہ لوگ بھی جو یہ فرض کر سکتے ہوں کہ فوجی حکومت کے تحت عدلیہ آزاد ہے۔ مندرجہ ذیل باتوں سے انکار نہیں کر سکتے۔

اول یہ کہ بھٹو کو دراصل سزا لاہور ہائی کورٹ کی خصوصی طور پر تشکیل کردہ ۵ ججوں پر مشتمل بنچ نے دی تھی، ان دو ججوں کو بنچ میں شامل نہیں کیا گیا تھا جنہوں نے ان کی اجراء پروانہ کی حبس بیجا کی درخواست منظور کی تھی۔ چیف مشتاق حسین کے بارے میں علم تھا کہ وہ بھٹو سے سخت عناد رکھتے ہیں اس لئے انہیں نااہل قرار دیا جانا چاہئے تھا۔ سماعت کے دوران ان کا رویہ واضح طور پر ضرر رساں رہا۔ انہوں نے سزا سنائے جانے سے پہلے بر سر عام بھٹو کے ''جرم'' پر تبصرہ کیا اور اپنے آخری فیصلے میں وہ خود کو اس بات سے نہ روک سکے کہ مدعا علیہ کو ''عادی جھوٹا'' اور بے قابو جیسے خطابات دیں۔

www.bhutto.org

دوئم یہ کہ شہادت مجرم قرار دینے کے فیصلے کی حمایت نہیں کرتی۔ استغاثہ کے مقدمے کا زیادہ تر انحصار ایک ایسے پولیس افسر کے حلفیہ بیان پر ہے جسے پہلے فوجی حکومت نے قید رکھا پھر ضمانت پر رہا کیا گیا اور اس کے بعد مکمل طور پر معافی دی گئی۔ اس کی شہادت کی آتشیں اسلحہ اور دوسری ٹھوس شہادتوں سے تردید ہوگئی۔ بقیہ تمام شہادت بالواسطہ اور قرائنی تھی۔ مزید یہ کہ استغاثے کے تمام مقدمے کی کھلی سماعت ہوئی جب کہ مدعا علیہ کا مقدمہ گواہوں کے توسط سے کبھی بھی کھلی عدالت میں پیش نہیں ہوا۔

سوئم یہ کہ وہ سیاستدان جس کے خلاف سازش کرنے کا بھٹو پر الزام ہے وہ نہیں بلکہ اس کا باپ اس اچانک حملے میں ہلاک ہوا تھا۔ وہ اتنی غیر اہم شخصیت ہے کہ وہ حریف یا سیاسی خطرہ نہیں بن سکتا تھا۔

مزید یہ کہ مسٹر بھٹو کے خلاف سزائے موت کی توثیق 9 اراکین پر مشتمل پاکستان سپریم کورٹ میں سے صرف 4 ججوں نے کی۔ سزائے موت کے خلاف مسٹر بھٹو کی اپیل کی سماعت جب شروع ہوئی تو یہ 9 ججوں پر مشتمل فل بنچ کے سامنے پیش ہوئی لیکن اپیل پر فیصلہ صرف 7 ججوں نے دیا جس میں سے 3 نے اختلاف کیا۔ گو کہ سپریم کورٹ میں اپیل کی سماعت میں اس سے دوگنا وقت لگا جتنا کہ اصل مقدمے کی کارروائی میں لگا تھا مگر کسی ایک گواہ کو بھی دوبارہ طلب نہیں کیا گیا، نہ ہی عدالت نے ماتحت عدالت میں سماعت کے دوران ہونے والی شدید فاش غلطیوں کی اصلاح کی اگر پوری بنچ فیصلہ دیتی تو اغلب ہے کہ مسٹر بھٹو بری ہو جاتے۔ اس کا اظہار اس حقیقت سے ہوتا ہے کہ سپریم کورٹ کے ۷ ججوں میں سے 3 نے پہلے دی گئی سزا کی توثیق سے اختلاف کیا ہے۔

اختلاف کرنے والے ججوں میں سے ایک نے یہ قرار دیا کہ استغاثہ اپنے بنیادی گواہ کے بیان کے لئے ''تائیدی شہادت'' فراہم کرنے میں ناکام رہا ہے۔ دوسرے نے دلیل دی ہے کہ اس مقدمے میں مسٹر بھٹو کے رویے کے بارے میں شہادت میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جو معقول حد تک اس قابل نہ ہو کہ اس سے بے گناہی کے معنی نہ لئے جا سکیں۔

کہ دوسرے 2 جج بھی یہی کرتے۔ یہ صرف اندازے کی بات نہیں۔ ایک نے جنہوں

www.bhutto.org

نے ایک موقع پر کہا تھا کہ وہ دباؤ کے سامنے نہیں جھکیں گے انہیں 1978 میں ریٹائرڈ کر دیا گیا حالانکہ عدل اصول کا تقاضہ تھا کہ اس مقدمے کے اختتام تک ان کے ریٹائرمنٹ کو ملتوی کر دیا جاتا۔ دوسرے جج نومبر سے مبینہ علالت کی وجہ سے عدالت میں اجلاس کرنے سے روک دیئے گئے ان کی حالت کے بارے میں فیصلہ حکومت کے مقرر کردہ ایک میڈیکل بورڈ نے کیا تھا۔ اس طرح برات اور رہائی کے حق میں ایک 5-4 کا ممکنہ اختلافی فیصلہ 4-3 کے مجرم قرار دینے اور موت کے حق میں فیصلے میں تبدیل کر دیا گیا۔

آخری یہ کہ مسٹر بھٹو کو پھانسی دینے سے ایسے مقبول رہنماؤں اور سابق سربراہانِ حکومت کو، جن سے ان کے جانشینوں کو یہ خطرہ ہو کہ وہ دوبارہ اقتدار میں آجائیں گے، قانون کے ذریعے صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کی منحوس روایت قائم ہو جائے گی۔

مسٹر بھٹو کے ناقدین بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اگر آج پاکستان میں آزادانہ انتخابات منعقد ہوں تو وہ بھاری اکثریت سے دوبارہ برسر اقتدار آجائیں گے۔ ان کے مقدمے اور سزا یابی کے دوران ان کی مقبولیت میں اضافہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ پاکستان کے عوام عام طور پر عدالتی کارروائی سے مطمئن نہیں ہیں اور یہ محسوس کرتے ہیں کہ عدلیہ اپنی آزادی کھو چکی ہے۔ مسٹر بھٹو کو پھانسی دینا، پاکستان میں قانون کی حکمرانی کو مستحکم کرنا تو دور رہا، اس کی عدلیہ میں مزید ٹوٹ پھوٹ اور قانون کے ذریعے جبر کی راہ ہموار کرے گا۔ بالآخر یہ اندورنی مناقشات میں اضافے کا سبب بنے گا۔

جانسن انتظامیہ میں سابق اٹارنی جنرل ریمزے کلارک نے جولائی 1978 میں ذوالفقار علی بھٹو کے مقدمے کی سپریم کورٹ میں کارروائی کا مشاہدہ کیا تھا۔

(14 فروری 1979)

www.bhutto.org

بھٹوازم جاری رہے گا

(فار ایسٹرن اکنامک ریویو)

ذوالفقار علی بھٹو کا کتبہ یہ ہوگا کہ انہوں نے حکومت کی تشکیل کے عمل میں عوام کو شامل کر کے پاکستانی سیاست کی نوعیت ہی بدل دی تھی۔ موجودہ حالات میں یہ خلاصہ درست ہے یا بعد میں بھی جب وہ تقدیر کے کسی کرشمے سے اپنے کردار کو جاری رکھتے ہیں یہ خلاصہ درست ہوگا۔ بھٹو کے دور سے پہلے دولت مند زمینداروں پاکستان سول سروس (نوکر شاہی) کے سرغنوں اور ۲۲ صنعت کار خاندانوں کی ساز باز سے حکومتیں بنتی اور ٹوٹتی تھیں۔ ان جھگڑوں کو ختم کرنے کے لئے فوجی آمریتیں قائم کی جاتی تھیں۔ بھٹو خود بھی پہلے آمر سکندر مرزا کے لاؤلشکر میں شامل ہونے کی وجہ سے اس کا ایک حصہ تھے اور اس کے بعد ایوب خان کے لاؤلشکر میں شامل رہے اور وزیر خارجہ کی حیثیت سے ان کی خدمات انجام دیں۔

اس کے بعد بھٹو نے گلیوں کی سیاست کو اپنایا اور اس احتجاج کی قیادت کی جو طالب علموں نے ایوب خان کے خلاف شروع کیا تھا۔ سیاسی سائنسدان بھٹو نے خود اپنے حلقے کے لئے نوجوانوں، دانشوروں، غریب کسانوں اور بے رحم استحصال کے شکار شہری مزدوروں کی طرف دیکھنا شروع کیا۔ بھٹو سوشلسٹ نہیں تھے لیکن ان کے عوامی پروگرام نے انہیں نہ صرف 1970 کے انتخابات میں مغربی پاکستان کا مقتدر رہنما بنا دیا بلکہ انہوں نے اپنے نعرے ''روٹی، کپڑا اور مکان'' کو ایسا سکہ رائج الوقت بنا دیا کہ ہر پاکستانی سیاست دان چاہے وہ انتہا پسند ہو یا قدامت پرست، کے لئے لازمی ہے کہ ووٹوں کی سودے بازی میں اس کا استعمال کرے۔

www.bhutto.org

اقتدار ملنے کے بعد بھٹو نے زمین کی ازسرنو تقسیم صنعتی مزدوروں کے لئے کم از کم اجرت اور دوسرے سماجی قوانین بنانے کا سلسلہ شروع کیا۔اس سے غریبوں کو وقار کا ایک نیا احساس ملا۔اورصدیوں پرانی مصیبتوں سے چھٹکارا پانے کی بے صبری پیدا ہوئی۔

جو چیز بھٹو کے زوال کا سبب بنی وہ ان کا اپنا طبقاتی پس منظر تھا۔وہ سماج کے خوشحال حصے کے ایک رکن تھے۔ان کی سماجی وراثت نے انہیں سماجی انصاف کے لئے سماج کی ازسرنو تشکیل کے اس وعدے کی تکمیل میں ہچکچاہٹ کا شکار بنایا جس کا انہوں نے اقتدار میں آتے وقت عہد کیا تھا۔وہ اس منزل سے بہت پیچھے ہی رک گئے جوان کے سماجی طبقے کو مہلک طور پر ختم کر دیتی۔نہ ہی انہوں نے ان عوام پر انحصار رکھا جنہیں انہوں نے متحرک کیا تھا۔بھٹو کے سیاسی کردار میں گھماؤ پھراؤ کی یہی وجہ تھی۔

بھٹوکوئی سیاسی انحراف نہیں ہیں۔وہ آزادی کے بعد کی جنوبی ایشیائی فضا ہیں۔ان کے ہم پلہ مسز اندرا گاندھی (جن کا نعرہ تھا غریبی ہٹاؤ) اور سری لنکا کے پہلے انتہا پسند وزیراعظم سولومن بندرانائیکے (1956-59) اوران کی بیوہ سری ماؤ بندرانائیکے ہیں۔

بھٹوکی طرح وہ بھی عوامی سیاستدان، بھٹوکی طرح وہ بھی خوشحال اورامیر طبقے سے آئے تھے اور بھٹو کی طرح وہ تینوں معاشی اصلاحات اور جاگیردار، سرمایہ دار گروہوں سے سمجھوتے کے درمیان چکراتے رہے۔چاروں نے ان نئی سیاسی طاقتوں کی ترجمانی کی جو آزادی کے بعد کم خوشحال لوگوں میں ابھرتی تھیں۔

اس طرح بھٹو پھانسی پرموت سے ہمکنار ہوں یا جیل میں گھل جائیں، مگر بھٹوازم یا اگر محاورہ استعمال کیا جائے تو آزادی کے بعد ''بڑھتی ہوئی توقعات کا انقلاب'' جاری رہے گا۔ابتداً خفیہ طور پر اور اسکے بعد جیسے جیسے اس کی مایوسیاں ناقابل برداشت ہو جائیں تو کھلے ہوئے تشدد کی صورت میں جاری رہے گا۔بھٹو کو پھانسی دینا اس جذبے کو تقویت دے گا۔اس کردار کے بارے میں بھٹو اپنا دعویٰ کتنا ہی برخود غلط کیوں نہ ہو۔ایک غیر مربوط تحریک کو ایک شہید فراہم کر دیا جائے۔

(16فروری1979)

www.bhutto.org

اے روشنیٔ طبع تو بر من بلا شدی

(فار ایسٹرن اکنامک ریویو)

سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کو اس سے قبل مقامی عدالت کی طرف سے قتل کے مقدمے میں مجرم قرار دے کر دی گئی سزائے موت کی پاکستان کے سپریم کورٹ نے ۳ جج ایک طرف اور ۳ جج دوسری طرف اور چیف جسٹس کے فیصلہ کن ووٹ کے ذریعے توثیق کر دی ہے۔ انہیں تقریباً ایک ماہ کے عرصے میں پھانسی دی جانی ہے۔ بشرطیکہ سپریم کورٹ اپنے فیصلے پر نظرثانی نہ کرے یا جنتا کے لیڈر جنرل محمد ضیاء الحق اس سزا میں تخفیف نہ کریں۔

مگر ضیاء نے سماعت کے دوران واضح کر دیا تھا کہ وہ بھٹو کو مرجانے دیں گے۔ اگر عدالت یہ فیصلہ کرے اور اپنے دور اقتدار میں انہوں نے سزائے موت کے خلاف کوئی رحم کی درخواست منظور نہیں کی ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ بھٹو وزیراعظم کی حیثیت میں سرکاری فائلوں کو فوری نمٹا دیا کرتے تھے مگر وہ سزائے موت کے خلاف اپیلوں کو نمٹانے میں انتہائی سست رفتار تھے۔ نتیجہ یہ کہ درجنوں مجرموں کو پھانسی کا حکم دینے کی ذمہ داری ان کے جانشین پر آن پڑی۔

کچھ عرصے سے ذمہ دار حلقے بھٹو کی سزائے موت کی توثیق کی پیش گوئی کر رہے تھے۔ فیصلے سے قبل پورے ملک میں پاکستان پیپلز پارٹی کے ان رہنماؤں اور کارکنوں کی گرفتاری کی لہر آئی جو ابھی جیل سے باہر تھے، پورے ملک میں کالج اور یونیورسٹیاں غیر معینہ مدت کے لئے بند کر دیئے گئے۔ اس کے باوجود فیصلے نے ابتدائی طور پر بے یقینی کا ردعمل پیدا کیا۔

www.bhutto.org

پاکستان کی قانون کی تاریخ میں پہلے کبھی اتنا طویل اور تفصیلی قتل کا مقدمہ نہیں چلا۔اور پہلے کبھی ججوں میں ایسا اختلاف نہیں ہوا۔وہ چار ججوں نے سزائے موت کو برقرار رکھا،وہ سب کے سب پنجاب سے تعلق رکھتے ہیں۔بھٹو کو بری کرنے والے 3 ججوں میں سے ایک کا تعلق شمال مغربی سرحد سے اور دو کا تعلق صوبہ سندھ سے ہے۔ان تین میں سے ایک نے اس رائے کا اظہار کیا کہ تمام تفصیلات سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ 2 اقبالی ملزموں (ملزم جنہیں استغاثے کا گواہ بنا لیا گیا) نے مل کر احمد رضا قصوری کو قتل کرنے کی سازش کی ہو اور بدقسمتی سے ان کے باپ کو قتل کر دیا۔"طویل سماعت کے دوران بھٹو کی اپیل کی سماعت شروع کرنے والے 9 ججوں میں سے 2 ریٹائر ہو گئے۔ان میں سے ایک شمال مغربی سرحد سے اور دوسرے سندھ سے تھے۔

استغاثے کے مقدمے کی بنیاد یہ تھی کہ بھٹو ایک برہم کرنے والے سیاسی حریف، چھوٹے قصوری کو مروانا چاہتے تھے۔اور فیڈرل سیکورٹی فورسز کے سربراہ مسعود محمود سے کہا کہ ان کی ہلاکت کا انتظام کریں۔اس کے بعد چلنے والی گولیوں سے قصوری کے باپ ہلاک ہو گئے اور بیٹے بچ گئے اور انہیں کوئی زخم نہیں آیا لاہور ہائی کورٹ کو دی جانے والی آتشیں اسلحہ کی شہادت الجھی ہوئی تھی اور اس پر سخت تنازعہ تھا۔اور قتل کے ارتکاب کا اعتراف کرنے والے ۴ میں سے ایک سرکاری ریکارڈ کے مطابق فائرنگ کے وقوعے کے وقت 1000 میل دور تھا۔

بھٹو کے دفاع کا بڑی حد تک انحصار ان کے اس دعوے پر تھا کہ مقدمہ انہیں معزول کرنے کی ایک سازش تھا کیوں کہ انہیں جمہوری طریقوں سے معزول نہیں کیا جا سکتا تھا۔انہوں نے دکھایا کہ سابق سیکیورٹی فورس کے سربراہ ابھی تک سرکاری ملازمت میں ہیں اور تمام معترف "قاتلوں" کو جو گواہ بن گئے تھے مکمل معافی دی گئی ہیت۔انہوں نے اس ذاتی عناد کا بھی ذکر کیا جو لاہور ہائی کورٹ کے سربراہ ان کے خلاف رکھتے تھے اور سماعت کے دوران بے قاعدگیوں کا بھی ذکر کیا۔

مقامی قانون کے تحت بھٹو 6 فروری سے 7 دن کے اندر سپریم کورٹ سے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کی درخواست کر سکتے ہیں۔اگر فیصلہ پھر ایک بار برقرار رکھا جاتا ہے تو وہ جنرل ضیاء سے

www.bhutto.org

رحم کی اپیل کر سکتے ہیں۔ گو کہ ابھی انہیں نظر ثانی کی درخواست کے بارے میں اپنے وکلاء کے منصوبے کی منظوری دینی ہے۔ مگر وہ انتظامیہ کو مطلع کر چکے ہیں کہ وہ ضیاء سے رحم کی درخواست نہیں کریں گے۔ بھٹو نے اس سے پہلے دھمکی دی تھی کہ اگر ان کے خاندان میں سے کسی نے ضیاء سے اپیل کی تو وہ اس سے اپنی لاتعلقی کا اعلان کر دیں گے۔

حکومت اور بھٹو کے مخالف سیاستدان دونوں کو اعتماد ہے کہ فیصلے پر ردعمل پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ فیصلے کے چند گھنٹوں بعد جو اطلاعات ملیں وہ صرف دارالحکومت میں چند خورواحتجاجوں تک محدود تھیں۔ پھر بھی کچھ گڑبڑ کا اندیشہ ہے جیسا کہ خود عدالت میں فیصلے کے اعلان سے قبل ایک ڈرامائی واقعہ سے نشاندہی ہوتی ہے۔ فوج کے ایک سارجنٹ نے جو اپنی وردی کی وجہ سے سخت حفاظتی پہرے سے گذر کر عدالت میں پہنچ گیا تھا، چلا کر دھمکی دی کہ اگر بھٹو کو پھانسی دی گئی تو وہ ہر ایک جنرل کو ہلاک کر دیگا۔ پولیس اسے فوراً اٹھا لے گئی۔

بھٹو کی بیوی اور پاکستان پیپلز پارٹی کی قائم مقام چیئرمین نصرت کو فیصلے سے پہلی شام کو ان کے اسلام آباد والے مکان میں نظر بند کر دیا گیا تھا۔ دوپہر کے قریب فیصلہ سننے کے بعد وہ طوفانی انداز میں گھر سے نکلیں اور اس سے پہلے کہ حیران پہرے داروں کو ہوش آتا وہ ۱۵ میل دور راولپنڈی جیل جانے کے لئے اپنی گاڑی میں روانہ ہو گئیں۔ جیل پہنچ کر انہوں نے تقریباً ۴۵ منٹ تک بھٹو سے ملاقات کی۔ اس وقت تک پولیس کا دستہ ان کا پیچھا کرتا ہوا پہنچ گیا۔ تب انہیں گھسیٹا گیا اور وہ چلاتی رہیں۔ مگر انہیں جیپ میں پھینک دیا گیا اور واپس ان کے گھر لیجایا گیا جسے سب جیل قرار دیا گیا ہے۔

پاکستان کے قانون کے تحت فیصلے پر کسی قسم کے تبصرے کی اجازت نہیں بہرحال اس کے قانونی جواز سے قطع نظر بھٹو کو پھانسی دینے سے چند بنیادی اقدار میں یقین بھی یقیناً پھانسی چڑھ جائے گا۔ اسی طرح یہ بات بھی واضح ہے کہ بھٹو کی موت ان ''مثبت نتائج'' کی ضمانت نہیں دے گی جن کا حصول بقول ضیاء، الیکشن کے لئے پیشگی شرط ہے کیوں کہ بھٹو پہلے ہی ایک داستان بن چکے ہیں جو ان کے ساتھ ختم نہیں ہو جائے گی۔

www.bhutto.org

بھٹو کے نقاد ہی نہیں بلکہ ان کے کئی ہمدرد بھی کہتے ہیں الفاظ جوان کی بہتر تصویر کشی کرتے ہیں۔ فارسی کا وہ مصرعہ ہے جس کا یہاں بہت حوالہ دیا جاتا ہے ''اے روشنی طبع تو برمن بلاشدی''۔ ان کی روشنی طبع نے ان کے بعض بدترین بدنام کرنے والوں میں اس قدر احساس کمتری پیدا کیا کہ وہ 1977 کی بغاوت کے بعد یہ دلیل دینے پر مجبور ہوئے کہ چونکہ ایک انتہائی ذہین شخص نے پاکستان کو تباہی کے قریب پہنچا دیا۔ اس لئے یہ اب کم ذہین لوگوں کے ہاتھ میں محفوظ رہے گا۔ یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ پاکستان کی تاریخ میں کوئی دوسرا راہنما انتہائی قسم کے ردعمل پیدا کرنے میں ان کے ریکارڈ کی برابری نہیں کرسکتا۔ یا تو شدید ترین نفرت یا شدید ترین عقیدت۔ اس صورت حال کا بہترین عکاس امریکہ کے مرحوم نائب صدر نیلسن راکفیلر کا یہ تبصرہ ہے کہ ''خدا کا شکر ہے کہ کسی انتخاب میں میرا ان سے مقابلہ نہیں ہے۔''

خلوص کی بہ نسبت چالاکی بھٹو کی مہک تھی اور یہی ان کے زوال کا سبب بنی۔ ان کے ہم رتبہ ان پر اعتماد نہیں کرتے تھے اور ان سے عقیدت رکھنے والے ان پر ایسا اعتماد کرتے تھے کہ کوئی عام فانی انسان اس کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ 1971 کی خانہ جنگی کے اثرات کے بعد قوم کی انتہائی کامیاب رہنمائی اس کے بعد وہ درخشندگی جو انہوں نے لاہور اسلامی سربراہی کانفرنس سے حاصل کی اور کئی ممکنہ قومی تباہی کے خطرات سے بچانے میں ان کی کامیابی نے یہ بات ان کے لئے آسان بنادی کہ دیوتاؤں جیسا تصور بن جائیں۔ مگر ان کے ناقدین کے لئے بھی اتنا ہی آسان تھا کہ وہ انہیں جنونی اور اخلاق سے مبرا بنا کر پیش کریں۔

برطانوی سامراجی دور کی باقیات از کار رفتہ سیاست دانوں پر غالب آکر بھٹو نے ایسا تفاخر حاصل کرلیا جوان کی ناگوار خو، بن گئی۔ سیاسی حریفوں کے لئے ان کی حرارت کا اظہار جلسہ عام میں تقریروں میں ہوتا تھا اور دبی ہوئی ناراضگی کو ہوا دیتا تھا۔

سرکاری فائلوں کے حاشیوں پر نوٹس کے انبار کو دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ لوگوں کے زرہ بکتر کے اندر جھانکنے کی وزیراعظم کی خواہش لامنتہا تھی۔ اپنے ساتھیوں اور مخالفین کے افعال کے بارے میں تمام افواہیں اور اطلاعات پوری جزئیات کے ساتھ جمع اور محفوظ کی گئیں۔ جو بعد

www.bhutto.org

میں ان کے فوجی جانشینوں کے ہاتھ میں ہتھیار بن گئیں۔

دوسروں کے لئے منطقی اور خود بھٹو کے لئے تعجب خیز یہ ہے کہ پچھلے ۲۰ ماہ میں جو لوگ جبر کے سامنے سینہ سپر رہے ہیں ان میں صرف چند ہی ایسے لوگ ہیں جو ان کے شریک حکومت تھے اور زیادہ تر پاکستان پیپلز پارٹی کی نچلی سطح کے کارکن ہیں۔

ناقدین کے بقول بھٹو کی حد سے بڑھی ہوئی وفاداری کی خواہش ان کے عدم تحفظ کے شدید احساس سے پیدا ہوئی۔

دائیں اور بائیں کے درمیان بھٹو کے ادھر ادھر ہوتے رہنے کی وجہ ان کا عزم امیری کم اور اپنے موجودہ حالات کا مطالعہ زیادہ تھی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انہیں یقین تھا کہ پاکستانی عوام کو مقامی طور پر ایک دوسرے کے مقابل صف آراء دو نظریات اسلام اور مارکسزم میں سے کسی ایک کے ذریعے ہی اپنا حامی بنایا جا سکتا ہے۔ ایک جدید روشن خیال جمہوری اسلامی ریاست ان کی اپنی منزل مقصود تھی لیکن غربت زدہ عوام کے لئے کوئی متبادل نہیں تھا۔ ایسی صورت میں انہوں نے دو متحارب نظاموں کے درمیان تنے ہوئے رسے پر چلنے کی کوشش کی۔ ملک ٹوٹنے کے بعد برسر اقتدار آ کر بھٹو نے اندازہ لگایا کہ مختلف النوع علیحدگی کے موجودہ رجحانات پر قابو پانے کے لئے انہیں وقت کی ضرورت ہے گو کہ بالآخر وہ وقت کے خلاف اپنی دوڑ میں ہار گئے۔ مگر پاکستان کے لئے اپنے اعلیٰ جذبات کو عملی صورت دینے کے لئے انہوں نے انتہائی تیزی کے ساتھ کام کیا۔

انہیں یقین تھا کہ عوام کو انتہائی غربت اور آبادی کے بڑے تناسب کے غیر تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود پاکستانی زراعت، صنعت، فوج اور جوہری سائنس میں اپنی خصوصی مہارت کی وجہ سے مسلم ممالک کی فہرست میں سب سے اوپر ہے۔ اس حیثیت کو فروغ دینے کی کوشش میں انہوں نے قدامت پرست اقتصادی ماہرین کے ان مشوروں کو نظر انداز کر دیا جو وہ مزید ایٹمی ری ایکٹر حاصل کرنے۔ متنازعہ ری پروسیسنگ پلانٹ لگانے اور ایسے منصوبوں میں سرمایہ کاری کرنے، جو بھٹو کے خیال میں خود کفالتی اقتصادی ترقی پیدا کر سکتے تھے کے خلاف دیئے۔

(16 فروری 1979)

www.bhutto.org

سزا کا فیصلہ متفقہ نہیں ہے: روزنامہ مساوات

(ایشیاویک)

چند ہفتے قبل جب جنرل ضیاء الحق کی حکومت نے پاکستان کے سزا یافتہ وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کے سیکڑوں حامیوں کو گرفتار کرنا شروع کیا تو کئی دیکھنے والوں کو شک ہو گیا کہ کچھ ہونے والا ہے۔ پھر گذشتہ ہفتے کثیر الاشاعت روزنامہ جنگ نے اطلاع دی کہ بھٹو کے وکیل صفائی یحییٰ بختیار کو سپریم کورٹ نے راولپنڈی طلب کیا ہے تو فوراً قیاس آرائیاں پھیل گئیں کہ قوم کا اعلیٰ ترین قانونی ادارہ سزائے موت کے خلاف معزول وزیراعظم کی اپیل پر فیصلہ جس کا طویل عرصہ سے انتظار کیا جارہا تھا دینے ہی والا ہے۔ اگلے چند ہی دن میں اس افواہ کی تصدیق ہوگئی جبکہ اسلام آباد نے تمام سرکاری ملازمین کی چھٹیاں منسوخ کر دیں۔ پولیس اور سیکورٹی کے محفوظ دستوں کو طلب کرلیا اور ملک کے ہر ایک تعلیمی ادارے کو بند کر دیا۔ 6 فروری کو دوپہر سے کچھ ہی پہلے فیصلہ آ گیا۔ پاکستان کی سپریم کورٹ نے 4-3 ووٹ سے 1495 صفحات پر مشتمل فیصلے میں طے کیا کہ 51 سالہ بھٹو کو ۴ سال قبل ایک سیاسی قتل کا حکم دینے کی بنا پر پھانسی دے دی جائے۔

فیصلے کے فوری بعد بیگم نصرت بھٹو، قریب ہی اسلام آباد میں اپنے گھر میں نظر بندی کو توڑ کر باہر نکل آئیں اور پولیس نے انہیں دوبارہ پکڑ کر گھر پہنچانے سے قبل راولپنڈی کوٹھری میں اپنے شوہر سے 15 منٹ تک ملاقات کرنے میں کامیاب ہوگئیں۔ لندن میں ان کے 19 سالہ بیٹے شاہنواز نے اپنے خاندان کا یہ فیصلہ دہرایا کہ صدر ضیاء سے رحم کی درخواست نہ کی جائے۔ بھٹو کے نونہال نے تنبیہ کی کہ ''اگر جنرل ضیاء پھانسی دیتے ہیں تو انہیں بہت پچھتانا پڑے گا کیونکہ پھر

www.bhutto.org

ہمیں جوابی کارروائی کرنی پڑے گی اور یہ پاکستان کے لئے انتہائی المناک صورت حال ہوگی۔ ایک خونریز خانہ جنگی ہوگی۔

اس وقت پاکستان پرسکون رہا۔ فیصلے کے آدھے گھنٹے بعد ایشیا ویک کے آصف شیم نے تار بھیجا کہ اخبارات کا پہلا خصوصی ضمیمہ اس وقت سڑکوں پر آ گیا۔ جب دفتروں میں کام کرنے والے دوپہر کے کھانے کے وقفے پر جا رہے تھے۔ بھٹو کی پاکستان پیپلز پارٹی کے روزنامے ''مساوات'' نے سیاسی زمین پر بھٹو کی ایک بڑی تصویر شائع کی اس کی سرخی تھی ''اپیل مسترد ہوگئی، فیصلہ متفقہ نہیں ہے'' دائیں بازو پاکستان قومی اتحاد کے حامی ''جسارت'' نے بھٹو کی گردن میں پھانسی کا پھندا ڈالا اور یہ سرخی لگائی ''قاتل بھٹو کو پھانسی دی جائے گی'' مضمون میں کہا گیا تھا کہ ''بھٹو کو پھانسی پر عوام مسرور تھے۔''

ملک کی بڑی سیاسی پارٹیوں کی طرف سے فوری ردعمل تو نہ تھا مگر ان کے رہنما ممکنہ اقدامات پر غور کرنے کے لئے اکٹھے ہوئے۔ اس بات کا امکان ہے کہ پی این اے سے علیحدگی اختیار کرنے والا ایک گروہ اختتام ہفتہ سے قبل ضیاء سے بھٹو کی جان بخشی کے لئے کہے گا۔ قدامت پسند جماعت اسلامی نے اپنی حد تک کہا کہ جماعت کے کارکن شیرینی تقسیم کر رہے تھے اور حالات کی اس طرح پلٹنے پر نماز شکرانہ ادا کر رہے تھے۔ مگر پی پی پی سے تعلق رکھنے والوں نے ساری ساری رات قرآن خوانی کا انتظام کیا اور اللہ سے دعا کی کہ وہ ان کے رہنما کی حفاظت کرے۔ پارٹی کے ایک ترجمان نے نامہ نگار شیم کو بتایا کہ سزایافتہ شخص کے فیصلے سے پہلے ملاقات کرنے والے آخری شخص ان کے چچا نواب بخش بھٹو تھے۔ ملاقاتی نے بتایا کہ 'قیدی مطمئن، پرسکون اور پراعتماد تھے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قوت امدادی نے انہیں فولادی شخص بنا دیا ہے۔''

اب کیا ہوگا؟ پاکستانی قوانین کے تحت رحم کی درخواست کرنے کیلئے بھٹو کے پاس ایک ہفتہ ہوگا۔ اس کے بعد انہیں تیار ہونے کے لئے تین دن کا وقت دیا جائے گا۔ اس کے بعد کسی بھی وقت پھانسی دی جا سکتی ہے۔ بھٹو کے بظاہر نہ جھکنے کے عزم کی وجہ سے مبصرین یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کہ طرف سے کسی اپیل پر جان بخشی ممکن نہیں ہوگی۔ اس اندازے کو دو عناصر سے تقویت ملتی

www.bhutto.org

ہے۔ ضیاء نے اپنے اٹھارہ ماہ کے دور اقتدار میں کوئی انتظامی معافی نہیں دی اور اطلاعات کے مطابق انہوں نے ایک نجی محفل میں کہا ہے کہ اگر بھٹو کی سزائے موت کی تصدیق ہو جاتی ہے تو وہ ''اس کو پھانسی چڑھائیں گے۔''

اب بھی ضیاء کو بین الاقوامی رائے اور بھٹو کو پھانسی دینے کی صورت میں ملک کے اندر نتائج کا سامنا ہے۔ پہلے ہی ایمنسٹی انٹرنیشنل اور انٹرنیشنل کمیشن آف جیورسٹس اور ساتھ ہی ساتھ آسٹریلیا، سویڈن، ترکی، فرانس اور یونان کی حکومتوں کی طرف سے ان پر زور دیا گیا ہے کہ وہ رحم کریں۔ اور اپیلوں کا آنا یقینی ہے اور دیکھنے والے یہ دیکھنے کے منتظر ہیں کہ بااثر اسلامی ریاستوں کی طرف سے بھٹو کو بچانے کی کسی تحریک پر ضیاء کا ردعمل کیا ہوتا ہے۔ ملک کے اندر فیصلے کی قریبی نوعیت اور یہ حقیقت کو سابق وزیراعظم کو سزا دینے والے چاروں جج پنجابی ہیں (جیسے کہ خود ضیاء ہیں) ان دونوں نے کافی بڑا تنازعہ کھڑا کر دیا ہے۔ اسلام آباد میں ایک سفارت کار کا کہنا ہے کہ ''اختلاف کرنے والے تین جج روشن خیال ہیں ان کا تعلق مختلف صوبوں سے ہے۔ ضیاء بھٹو کو معاف کرنے سے کم جو کوئی بھی فیصلہ کرتے ہیں اس پر سیاسی جوڑ توڑ کا الزام لگ سکتا ہے۔

(16 فروری 1979)

www.bhutto.org

اسلامی تعزیرات کے تحت بھٹو کو پھانسی نہیں دی جاسکتی

(دی اکانومسٹ ،لندن)

اگر پاکستان میں نافذ کردہ نئے اسلامی تعزیری قوانین کا اطلاق سزا یافتہ سابق وزیراعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو پر کیا جائے تو پھر انہیں موت کی سزا نہیں دی جاسکتی۔ اسلامی قوانین میں شرعی نظام کے تحت قتل کی سازش مستوجب قتل جرم نہیں ہے لیکن گذشتہ اختتام ہفتہ صدر جنرل ضیاء الحق نے جن قانونی تبدیلیوں کو متعارف کرایا ہے ان سے مسٹر بھٹو کے لئے کوئی نئی امید نظر نہیں آتی۔ ان کے وکلاء کو لاہور ہائی کورٹ کے شریعت بنچ میں پارلیمنٹ کے ایک سابق رکن مسٹر غلام جیلانی کی جانب سے پیش کی جانے والی رحم کی درخواست پر کسی مثبت جواب کی توقع نہیں ہے۔ درخواست میں کہا گیا ہے کہ مقتول کے ورثا کو قصاص ادا کر کے مسٹر بھٹو کی زندگی بچانے کی اجازت دی جائے۔

منگل کو مسٹر بھٹو کے وکلاء نے سپریم کورٹ میں نظر ثانی کی ابتدائی درخواست پیش کر دی، جن میں ان چار ججوں پر، جنہوں نے مسٹر بھٹو کی سزا بحال رکھنے کا فیصلہ کیا" ریکارڈ پر موجود شہادتوں کے غلط مطالعے کی متعدد شدید اور سنگین مثالوں حقائق کی غلط جانچ پڑتال اور قانون کے غلط اطلاق کے الزامات عائد کئے گئے ہیں انہیں مزید دس روز کی مدت دی گئی ہے تاکہ وہ فیصلہ میں تبدیلی کے لئے تفصیلی دلائل دے سکیں۔

www.bhutto.org

گذشتہ ہفتہ صدر ضیاء نے غیر ملکی سفارت کاروں اور اہم شخصیتوں کے سامنے اسلام کے تعزیری قوانین پیش کرتے ہوئے کہا کہ بیرون ملک اسلام کا غلط تصور لیا جاتا ہے۔ اسلام کو محض ایسا مذہب سمجھا جاتا ہے جس میں کسی شخص کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے اور برہنہ کر کے کوڑے لگائے جاتے ہیں۔ انہوں نے چند سبق آموز سزاؤں کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا کہ ان پر مشکل ہی سے عمل ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر عصمت دری کے جرم میں سنگسار کرنے کی سزا سب سے پہلے تو چار گواہوں کو پیش کرنا ہوتا ہے جنہوں نے اپنی آنکھوں سے یہ فعل دیکھا ہو لیکن انہوں نے چوری اور ڈکیتی کے جرم میں ہاتھ یا پاؤں کاٹنے کی سزا سے قانون کی پوری فہرست کو الٹ دیا۔

کوڑے کی سزا مختلف جرائم پر دی جائے گی جس میں ڈکیتی کی کوشش، عصمت فروشی، کسی زندہ یا مردہ پر زنا کاری کا جھوٹا الزام اور شراب نوشی شامل ہیں۔ اگر کوئی مسلمان شراب نوشی کرے گا تو پبلک میں اسے ۸۰ کوڑے لگائے جائیں گے۔ غیر مسلم اور غیر ملکیوں کو اپنے سفارتخانوں کی حدود رہائش گاہوں یا ہوٹل کے کمروں میں شراب پینے کی اجازت ہوگی۔ بصورت دیگر اسے تین سال قید اور تیس کوڑے کھانے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

جنرل ضیاء زور دیتے ہیں کہ اسلام ایک ترقی پسند مذہب ہے اور تعزیری قوانین کے نفاذ سے سماجی برائیوں کا خاتمہ کرنے میں مدد ملے گی۔ بہت سے پاکستانیوں کا خیال ہے کہ دو مذہبی ٹیکسوں کے خود تعین اور رضا کارانہ نفاذ سے ٹیکسوں کی چوری ختم ہو جائے گی۔ دولت پر زکوۃ 2.5 فیصد اور زرعی پیداوار پر عشر ۱۰ فیصد سے سالانہ 150 ملین پاؤنڈ کی آمدنی ہوگی۔ جس سے بھوکوں کو روٹی اور بے گھروں کو مکان کی سہولت مہیا ہوگی لیکن اس کا انحصار اس بات پر ہوگا کہ پاکستان کے مسلمان اپنے اسلامی فرائض کی ادائیگی میں کتنے سنجیدہ ہیں۔

(17 فروری 1979)

پھانسی سے انکار فاش غلطی ہوگی

(ڈیلی آبزرور)

بھٹو کو پھانسی دینا انہیں ان لاکھوں پاکستانیوں کی نظر میں شہید بنانا ہوگا جو انہیں غریبوں کا علمبردار تصور کرتے ہیں۔ اس سے وہ ملک اور زیادہ تقسیم کا شکار ہوگا۔ جو پہلے ہی علاقائی اور دوسرے تنازعوں میں خطرناک حد تک بٹا ہوا ہے۔

یہ ایسا آخری اقدام بھی ثابت ہوسکتا ہے جو پاکستان کے کمزور اتحاد کو ٹکڑے ٹکڑے کردے۔ اس کا ٹوٹنا صرف اس کے عوام کے لئے مصائب میں اضافے سے بھی زیادہ اثر ڈالے گا۔ یہ افغانستان سے ہندوستان اور بنگلہ دیش کے پورے علاقے کے استحکام کے لئے بھی ایک بڑا خطرہ بن سکتا ہے۔

مسٹر بھٹو جب تک زندہ ہیں ایک ذمہ داری بنے رہیں گے۔ مرجانے کی صورت میں وہ اس سے بھی بھاری ذمہ داری ہوں گے۔

(18 فروری 1979)

www.bhutto.org

اگر ملک میں سکون ہے تو بھٹو کے وفادار حامیوں کی گرفتاری کے کیا معنی ہیں؟

(گارجین، لندن)

طویل انتظار تقریباً ختم ہوا۔ چند ہفتوں کے اندر پاکستان کے معزول وزیراعظم کو ایک قاتل کے طور پر پھانسی دے دی جائے گی، بشرطیکہ انہیں معزول کرنے والے شخص صدر ضیاء الحق رحم کھا کر ان کی سزا میں تخفیف کا فیصلہ نہ کریں۔ رحم دلی اور عام سوجھ بوجھ کے ساتھ ہم یہ یقین کرتے ہیں کہ انہیں قطعی طور پر یہی کرنا چاہئے۔ لیکن درحقیقت پاکستان میں شاید ہی کسی کو یہ یقین ہو کہ صدر مداخلت کریں گے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب مسٹر بھٹو نے بھی موت سے سمجھوتہ کر لیا ہے۔

مگر یہ درست یا غلط کا کوئی سادہ سا سوال نہیں ہے۔ مسٹر بھٹو کوئی سادہ آدمی نہیں ہیں جیسا کہ ان کے زوال کے بعد سے شائع ہونے والی شہادتوں کی طاقت ور لہر سے تصدیق ہوتی ہے۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ انہیں پھانسی دے دی جائے۔ جوں جوں لامتناہی سماعت سست رفتاری سے بڑھتی رہی ہے توں توں ان کے خلاف لگائے جانے والے قتل کے مخصوص الزامات زیادہ سے زیادہ مشکوک ہوتے گئے ہیں۔ سپریم کورٹ کا ۴۔۳ کا فیصلہ ان کی کمزوری کی تصدیق کرتا ہے۔ ایسے خوفناک اور آخری اقدام کے لئے ۳ کے مقابلے میں ۴ کا فرق خطرناک حد تک متنازعہ فیصلہ ہے۔ اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ صدر ضیاء کو پاکستان کی مجموعی فلاح پر غور کرنا ہے۔ دھاندلی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ پاکستان کے عوام اپنے ووٹ کے ذریعے ۲ بار مسٹر بھٹو کو

www.bhutto.org

برسراقتدار لائے ہیں۔کئی چالاک مبصر سوچتے ہیں کہ آج بھی ایک بار پھر وہ یہی کر سکتے ہیں اور فوج کے بنیادی خطرے کا اظہار گرفتاریوں کی تازہ لہر سے ہوتا ہے۔اگر بھٹو ایک ختم شدہ طاقت ہے اگر ملک میں بنیادی طور پر سکون ہے تو پھر ان کے انتہائی وفادار سینکڑوں حامیوں کی وسیع پیمانے پر گرفتاری کی کیا معنی ہیں؟اس کے برعکس ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کی کمزوریوں کے باوجود ان کی مقبولیت برقرار رہے۔اس مقبولیت کو دبانہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

بھٹو پاکستان کے پہلے جدید دور سے آشنا وزیراعظم تھے مگر زرعی اصلاحات اور صنعتی ترقی کی طرف رک رک کر قدم بڑھاتے رہے۔انہیں چار میں سے کسی ایک صوبے نے نہیں بلکہ پورے ملک نے منتخب کیا تھا۔وہ کم از کم اس اعتبار سے جمہوریت پسند تھے کہ وہ اپنے مقاصد کو بار بار عوام کے سامنے لے جاتے اور ان کے لئے ان کی منظوری حاصل کرتے تھے۔ان کے دور اقتدار میں معیار زندگی میں نمایاں اضافہ ہوا۔اسی طرح معیار تعلیم میں بھی اضافہ ہوا۔یقیناً اس شخص نے ہاتھ بھی دکھائے اور بعض تو بہت ہی شرارت آمیز تھے۔لیکن ہمارے ملک میں حکومت بھی اتنی ہی ذمہ دار ہوسکتی ہے جتنی کہ حزب اختلاف،اتنی ہی قومی بھی جس حد تک کہ مسائل اس پر لادے جائیں،پاکستان ہمیشہ ایک شکستہ اور منتشر قوم رہی ہے اور رہے گی۔آخر وہ کون لوگ ہیں جنہیں ہم محبت سے یاد کرتے ہیں ایوب خان اور اس کی محدود جمہوریت؟ یحیٰی خان وہ غلط کار جس نے مشرقی پاکستان کھودیا؟ آج دس سال بعد ہم جنرل ضیاء تباہ حال معیشت،ان کے دور کی چڑھتی ہوئی قیمتیں اور ان کے سیاسی جبروتشدد کے بارے میں کیا سوچیں گے؟ کم از کم ہم بھٹو کے انتخاب پر کچھ نیم پختہ اثر رکھتے تھے اور کم از کم ہم یہ تو سمجھ سکتے تھے کہ انہوں نے جو کچھ کیا کیوں کیا! ضیاء''احتساب'' کی بات کرتے ہیں۔بھٹو کیوں مرے جب کہ یحیٰی،جن کے اعمال نے لاکھوں انسانوں کی جانیں لیں،اب بھی ریٹائرمنٹ کی پرسکون آسودگی کے مزے لوٹ رہے ہیں؟

یہ سوالات منطقی ہیں اور بنیادی طور پر ان کا جواب نہیں دیا جا سکتا۔بھٹو کی موت ان کا جواب نہیں ہے۔کم سے کم مدت میں اس طرح ضیاء الحق اس انتخاب سے بچ جائیں گے جس سے وہ خوفزدہ ہیں۔بھٹو کی گردن یا ان کی گردن اس کمزور اور مشکوک الزام پر سزائے موت معزول

www.bhutto.org

وزیراعظم کو شہید بنادے گی۔ وہ ایک کثیر التعداد خاندان سے ہیں اور انہیں مسلسل حمایت حاصل ہے۔ مستقبل کے کسی بھی انتخاب میں ایسے مرد اور خواتین آگے آئیں گے جوان کے وارث ہونے کے دعویدار ہوں گے۔ یہ بھوت کبھی دفن نہ ہوگا۔ کیوں کہ ایسے انتخابات کبھی نہیں ہوں گے جس میں لوگ آزادانہ طور پر بھٹو کو مسترد کر دیں۔

اس طرح جمہوری سیاست پاکستان میں ایک زہریلا کنواں بن سکتی ہے اور ایران جیسے حالات پیدا ہو سکتے ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ ایران میں وسیع پیمانے پر رائے عامہ کا ابھار 30 لاکھ افراد سڑکوں پر نکل آئے تھے۔ کس طرح ایک طاقت ور ترین فوج کو بدحواس اور ایک انتہائی محفوظ حکومت کا تختہ الٹ سکتا ہے۔ بھٹو کو پھانسی دینا ابتداء میں ایسے غیض وغضب کا سبب نہیں بنے گا لیکن ان کی یاد جو وطن سے دوری کی بلندی پر رہے گی بالآخر یہ صورت حال پیدا کر سکتی ہے اور پاکستان کی آرمی جو پنجاب کی روایات اور رنگروٹوں پر قائم ہے وہ سڑکوں کی بغاوت، مثلاً بھٹو کے وطن سندھ میں ہو تو اس پر قابو پانے میں ایرانی فوج سے بھی خراب حالت میں ہے۔ پاکستان کے لئے آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کا مختصر یہ ایک آزاد حکومت کا پائیدار ڈھانچہ بنانے کا واحد راستہ سمجھوتہ اور وقت اور بصیرت اور افہام وتفہیم ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دینا اس طرح کے کسی ڈھانچے کو جنوبی ریگستان سے پرے پھینکنا اور خون خرابے اور غلط خیالات کا ایک نیا دور شروع کرنا ہے۔ ایسا فیصلہ انتہائی بحرانی دور میں بدترین فیصلہ ہوگا۔

(18 فروری 1979)

www.bhutto.org

بھٹو کو پھانسی دینا خطرناک ہوگا

(دی گارجین لندن)

سرکاری بے چینی کا وہ ہلکا سا ہیجان جو اس وقت نظر آرہا تھا۔ جب یہ محسوس ہو رہا تھا کہ سپریم کورٹ ذوالفقار علی بھٹو کے بارے میں اپنے فیصلے کی تیاری میں لامحدود وقت تک مصروف رہے گا اب ختم ہو گیا ہے۔ پچھلے ہفتے جب سابق وزیراعظم کی سزائے موت کی تصدیق ہوئی تو یہ دوسرے لوگوں کے لئے، حکومت کا شغل کرنے والے فوجیوں کے لئے اور حکومت کرنے میں ان کی مدد کرنے والے اعلیٰ غیر فوجی سرکاری ملازمین کے لئے سزائے موت کی معافی کے مترادف تھی۔

اب صرف بھٹو کو پھانسی دینا رہ گیا ہے لیکن ابھی نہیں۔ طور طریقوں کی پابندی ضروری ہے۔ جنرل ضیاء الحق جنہوں نے فوجی بغاوت کی قیادت کی تھی اس بات پر مصر ہیں کہ ضروری کارروائی کی تکمیل ضرور کی جائے۔ اور کوئی کونا کاتا نہ جائے۔ اب سپریم کورٹ کو صفائی کی اس درخواست پر غور کرنا ہوگا جس میں ججوں سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ اپنے اس فیصلے پر نظر ثانی کریں جس میں ججوں سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ اپنے اس فیصلے پر نظر ثانی کریں۔ جس پر وہ دس ماہ کے بعد ابھی پہنچے تھے۔ جنرل ضیاء کو عالمی رہنماؤں کی طرف سے اور ان کے ساتھ ساتھ بھٹو اور ان کے خاندان کی طرف سے آنے والی رحم کی درخواستوں کو دیکھنا ہوگا۔

اور جب یہ ہو جائے گا تو بھٹو مر جائیں گے، جیسا کہ ایک اعلیٰ فوجی ذریعے نے تبصرہ کیا کہ ''بھٹو کو پھانسی دینا خطرناک ہوگا۔ بھٹو کو پھانسی نہ دینا تباہی ہوگا۔''

www.bhutto.org

کسی ایسی صورت حال کا تصور کرنا مشکل ہے جو فوجی ذہن کو تبدیل کر دے۔ آج کل غیر ملکی دباؤ سے کچھ زیادہ فرق نہیں پڑتا۔ ایران ایسا ملک تھا جو جاں بخشی کے لئے سخت دباؤ ڈال رہا تھا اور در پردہ یہ دھمکی دے رہا تھا کہ اگر سابق وزیراعظم کو پھانسی دی گئی تو امداد بند کر دی جائے گی۔ مگر شاہ رخصت ہو گئے اور ایران خود اپنے مسائل میں الجھا ہوا ہے۔

بھٹو جو انتہائی خود دار آدمی ہیں ان سے توقع نہیں کہ رحم کی درخواست کریں اور اگر وہ کر بھی دیں تو اس کا کوئی امکان نہیں کہ ان کی درخواست منظور کی جائے۔ بتایا جاتا ہے کہ مارشل لاء کے 2 سال سے بھی عرصے میں جنرل ضیاء نے موت کی سزا پانے والوں کی 300 درخواستوں پر غور کیا اور ان میں سے ہر ایک کو مسترد کر دیا۔

بھٹو کا معاملہ خاص نوعیت کا ہے اگر انہیں عمر قید ہوتی ہے تو ہو سکتا ہے کہ مستقبل کی غیر فوجی حکومت انہیں آزاد کر دے۔ اور وہ نسبتاً مختصر عرصے میں دوبارہ برسر اقتدار آ جائیں، تب جیلیں ان لوگوں سے بھر جائیں گی جو آج لیڈر ہیں۔

جلا وطن بھٹو کے بارے میں بھی اس دلیل کا اطلاق ہوتا ہے۔ ضیاء نے اس سال کے آخر تک انتخابات کرانے کا وعدہ کر رکھا ہے۔ اگر وہ اپنے وعدے پر عمل کرتے ہیں تو اس بات کا قوی امکان ہے کہ مسٹر بھٹو کی پاکستان پیپلز پارٹی دوبارہ برسر اقتدار آ جائے۔ پاکستان قومی اتحاد جس نے اپنے مجموعی وزن اور اس کے ساتھ ساتھ قومی مایوسی کی مدد سے موثر طور پر بھٹو کو اقتدار سے محروم کر دیا تھا اب ٹوٹ پھوٹ چکا ہے اور اپنے اندرونی خلفشار میں مبتلا ہے۔ اور لوگوں کا موڈ تبدیل ہو گیا ہے۔ اعلیٰ فوجی حلقے نجی طور پر اعتراف کرتے ہیں کہ اس کے اکثر لیڈروں کے خصوصی ٹریبونلوں کے ذریعے سیاست میں حصہ لینے کا نا اہل قرار دیئے جانے یا نظر بند کئے جانے کے باوجود پی پی پی اب بھی ملک میں ایک زبردست طاقت کے طور پر برقرار ہے۔

منصوبہ یہ ہے کہ پی پی کو اس شخص سے پاک کیا جائے جس کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ اس نے سوشلسٹ نصب العین کو اپنایا اور اس کا حلیہ بگاڑ دیا۔

یہ بات یقینی ہے کہ مردہ بھٹو شہید بن جائے گا اور شاید فوج اس پر قابو پا لے۔ انہیں یقین

www.bhutto.org

ہے کہ پاکستان کے شدید مسائل مستقبل کی پی پی کی حکومت کی پوری توجہ پر حاوی رہیں گے اور جتنے عرصے میں انہیں حل کرنے کی راہ نکالی جائے گی اس وقت تک انتقام کا لمحہ گذر چکا ہوگا۔

بھٹو کے علاوہ ایک اسلامی ریاست کا وجود میں لانا ایک ایسا موضوع ہے جو جنرل ضیاء اوران غیرفوجیوں کی توجہ پر چھایا ہوا ہے جنہوں نے اس چھوٹی سی کابینہ میں نامزدگی قبول کی ہے جس کے سربراہ جنرل ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ بھٹو کی موت کے بعد یہی ان کے لئے سب سے بڑا مسئلہ ثابت ہو۔

سینچر کا دن جو پیغمبرؐ کا یوم ولادت کا وہ دن تھا جسے جنرل ضیاء نے اسلامی اصلاحات کے اہم اعلان کے لئے منتخب کیا تھا۔ یہ اصلاحات جن کا دائرہ نیکد لانہ اور قابل اعتبار سے لے کر وحشیانہ اور زمانہ قدیم جیسی اصلاحات تک پھیلا ہوا ہے ایک حکم کے ذریعے متعارف کرائی گئی اور ان کا مقصد پاکستانی معاشرے کو منقلب کرنا ہے۔ان کا استقبال چند عرب ممالک نے بھاری مالی امداد سے کیا اور عوام کے بعض حلقوں میں دبی زبان میں اختلاف کا اظہار ہوا۔

اب نظری طور پر یہ ممکن ہے کہ زنا کاروں کو برسرعام سنگسار کر کے ہلاک کیا جائے۔ ڈاکوؤں کو اس امکان کا سامنا ہے کہ ان کے ہاتھ پیر کاٹے جائیں۔شراب پینے والے مسلم مردوں اور عورتوں کو برسرعام 100 تک کوڑے لگانے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ غیرملکی غیر مسلموں کو اجازت ہے کہ وہ اپنے سفارت خانوں گھروں اور ہوٹلوں کے کمروں میں شراب پئیں۔لیکن اگر انہوں نے کھلے عام پی تو وہ تین سال قید اور کوڑے کی 30 ضربوں کے سزاوار ہوں گے۔

دوسرے احکام جاری ہونگے بلاسود بنکاری جلد شروع ہونے والی ہے اور انکم ٹیکس میں ردوبدل کیا جارہا ہے۔ جنرل ضیاء نے توقع ظاہر کی کہ تمام پروگرام کی تکمیل 3 سال میں ہوجائے گی۔اصلاحات کے دو پہلو ہیں، اول یہ کہ ایک نیا فلاحی نظام متعارف کرایا جارہا ہے۔جس کا مقصد یہ ہے کہ کوئی پاکستانی بھوکا یا بے گھر نہ رہے۔دوئم ان لوگوں کے ساتھ سختی سے نمٹنے کے لئے اسلام کی تعلیمات سے انحراف کریں۔سخت اخلاقی اور فوجداری ضابطہ نئے سماجی بہبود کے پروگرام کو تقریباً فوری شروع کرنے کے لئے بارہ کروڑ 50 لاکھ پونڈ سرمائے کی فراہمی میں سعودی عرب

www.bhutto.org

اور متحدہ عرب امارات نے خطیر مالی امداد دی ہے۔

بعض نئے تعزیری ضابطے گو واضح طور پر لوگوں کے دل میں خوف پیدا کرنے کے لئے ہیں۔ لیکن اسلام جس فراہمی ثبوت کا متقاضی ہے وہ اتنا سخت ہے کہ سخت ترین سزاؤں پر عمل ایسا ہی ممکن ہے جیسے کہ کوئی ایسا سال جس میں برٹش لینڈ میں ہڑتال نہ ہو۔

زنا ثابت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ چار ایسے آزاد، بالغ اور مرد گواہ ہوں جنہوں نے خود واقعی دیکھا ہو۔ اس لئے جواب یہ ہے کہ دروازوں کو تالے لگاؤ اور پردے گرالو۔ لیکن دوسرے جرائم آسانی سے ثابت ہوتے ہیں، ایک چور جس نے پہلی دفعہ جرم کیا ہو تو سزا کے طور پر اس کا داہنا ہاتھ کلائی کے جوڑ سے کاٹا جائے گا۔ دوسری بار جرم کرنے والے کا بایاں پیر ٹخنے سے کاٹا جائے گا۔ تیسری بار جرم کرنے والے کو تاحیات قید کی سزا دی جائے گی۔

جنرل ضیاء کے نافذ کردہ آرڈیننس کے مطابق ہاتھ پیر کاٹنے کی کارروائی ایک ''بااختیار میڈیکل افسر کرے گا۔ بہتان تراشنے والوں کو بھی برے دن دیکھنے پڑیں گے۔ وہ چوری نہ کریں یا نقصان نہ پہنچائیں تب بھی وہ 30 کوڑوں اور کم از کم 3 سال قید بامشقت کے سزاوار ہوں گے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نئے ضابطے کی سب سے عام مثال برسر عام کوڑے لگانا ہوگی۔ جنرل ضیاء نے کوڑے لگانے کا خصوصی آرڈیننس نافذ کیا ہے جس میں اس پر عملدرآمد کا طریقہ متعین کیا گیا ہے۔ کوڑا دستے کے علاوہ چمڑے، بید یا کسی درخت کی ایسی چھڑی کا ہوگا جس میں کانٹے نہ ہوں۔

آرڈیننس کہتا ہے کہ اگر مجرم کوئی ایسی عورت ہے جو حاملہ ہو تو سزا پر عملدرآمد زچگی یا اسقاط جیسی بھی صورت ہو کے دو ماہ بعد تک کے لئے ملتوی کر دیا جائے گا۔ عورتوں کو اجازت ہے کہ کوڑے لگتے وقت بیٹھ جائیں۔ مردوں کے لئے کھڑا رہنا لازمی ہے۔ ایک ڈاکٹر ڈیوٹی پر موجود ہوگا جو قیدی کو کوڑے لگنے سے پہلے اور پھر کوڑے لگنے کے دوران وقفے وقفے سے معائنہ کرے گا۔ سزا پر عملدرآمد کرنے کے لئے مقرر کیا جانے والا شخص غیر جانب داری فہم فطرت کا پاسدار ہوگا۔ آرڈیننس مزید کہتا ہے۔ وہ معتدل طاقت کے ساتھ ہاتھ کو سر سے بلند کئے بغیر کوڑے

لگائے گا تا کہ سزا یافتہ کی جلد نہ پھٹے۔'' آرڈی ننس مزید یہ کہتا ہے کہ اگر ڈاکٹر کو یقین ہو کہ اگر کوڑے لگتے رہے تو وہ شخص ہلاک ہو جائے گا تو سزا اس وقت تک کے لئے ملتوی کر دی جائے گی جب تک کہ اس عورت یا مرد کے بارے میں یہ تصدیق نہ ہو جائے کہ وہ جسمانی طور پر اس قابل ہے کہ بقیہ سزا برداشت کر سکے۔''

جنرل ضیاء نے قومی اسمبلی عمارت میں غیر ملکی سفارتکاروں اور معززین سے خطاب کرتے ہوئے اپنی اس تشویش کا اعتراف کیا کہ مغرب میں اسلام کو غلط سمجھا جاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ حقیقت ایک ترقی پسند اور شفیق مذہب ہے۔ جنرل ضیاء نے حاضرین سے کہا کہ ''اسلام اپنے پیروکاروں سے نظم وضبط کے ایک معیار کا تقاضا کرتا ہے۔ بدقسمتی سے اسلامی قانون کے فوجداری پہلوؤں پر ضرورت سے زیادہ زور دیا گیا ہے۔''

(18 فروری 1979)

www.bhutto.org

مردہ بھٹو، زندہ بھٹو کی نسبت کم خطرہ ہیں

(نیوز ویک)

گذشتہ ہفتے ذوالفقار علی بھٹو راولپنڈی جیل کی اس بغیر کھڑکی والی بدبودار کوٹھری میں بیٹھے ہوئے تھے جہاں انہوں نے پچھلے ۹ ماہ بسر کئے ہیں۔ لیکن سابق وزیراعظم کے بے شمار دوست اور دشمن قریب ہی واقع سپریم کورٹ کے کمرۂ عدالت میں اژدہام کئے ہوئے تھے جہاں جج بھٹو کو سزائے موت کا فیصلہ دینے والے تھے۔ انہیں زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ سفید وگ اوڑھے ہوئے چیف جسٹس انوار الحق کو ایک پیرا گراف پر مشتمل رائے کے پڑھنے میں ایک منٹ سے کچھ ہی زیادہ وقت لگا اور اس مختصر وقت میں بھٹو کی آخری امید بھی اسی طرح ختم ہوگئی جیسے وقت بتانے والے شیشے میں ریت ختم ہو جاتی ہے۔ جج نے کہا ''یہ اپیل مسترد کی جاتی ہے۔''

سپریم کورٹ کے ۴ اور ۳ کے فیصلے نے ایک سیاسی مخالف کو قتل کرنے کی سازش پر سزا یافتہ بھٹو کو پھانسی اور پاکستان کو افراتفری اور ہنگامے کے قریب تر دھکیل دیا۔ اس ہفتے بھٹو کے وکلاء کو ایک آخری اپیل داخل کرنے کی اجازت دی جائے گی۔ اگر جیسا کہ توقع کی جاتی ہے یہ بھی منظور نہ ہوئی تو بھٹو کا آخری سہارا جنرل ضیاء الحق سے جاں بخشی کی درخواست ہوگی۔ جنہیں گذشتہ ہفتے بھٹو کی جاں بخشی کے لئے عالمی رہنماؤں کی جانب سے اپیلوں کا ایک انبار وصول ہو چکا ہے۔ بھٹو نے عہد کیا ہے کہ وہ رحم کی اپیل نہیں کریں گے اور جنرل ضیاء کہہ چکے ہیں کہ وہ اسے منظور نہیں کریں گے۔ کئی لوگوں کو یقین ہے کہ بھٹو کو پھانسی دینے سے ان کے حامیوں کی طرف سے تشدد آمیز بغاوت شروع ہو جائے گی اور وہ جنرل ضیاء کی فوجی حکومت کے لئے ایک امتحان ہوگی پچھلے

ہفتے سوال یہ تھا کہ آیا ضیاء اس ممکنہ داخلی گڑ بڑ اور بین الاقوامی تنقید کی بارش کو روکنا پسند کریں گے یا جیسا کہ کئی افراد کا خیال ہے، یہ فیصلہ کریں گے کہ مردہ بھٹو زندہ بھٹو کی نسبت کم خطرہ ہیں۔

گرفتاریاں

گذشتہ ہفتے بھٹو نواز مظاہروں کی روک تھام کے لئے حکومت نے ہر طرح کی احتیاطی کارروائیاں کیں۔ اہم شہری علاقوں میں پولیس کے بھرے ہوئے ٹرک گشت کرتے رہے۔ سرکاری عمارات کے پہرے پر مامور محافظوں کی تعداد دوگنا کر دی گئی۔ اور بھٹو کی پاکستان پیپلز پارٹی کے تقریباً پانچ سو کارکنوں کو گرفتار کرلیا گیا اور اس طرح اپنی پارٹی کے ایک ہزار سینئر قائدین سے جا ملے جو پہلے ہی سے جیلوں میں نظر بند ہیں۔ ان حالات کے سبب سپریم کورٹ کے فیصلے میں ردعمل میں منتشر اور پراگندہ مظاہرے ہوئے۔ جن میں ایک اپنی نوعیت کے اعتبار سے بڑا کلاسیکی تھا۔ جب بھٹو کی اہلیہ بیگم نصرت نے ریڈیو پر فیصلے کی خبر سنی تو وہ اسلام آباد کے بنگلے جہاں وہ اور ان کی سرگرم اور متحرک بیٹی بے نظیر بھٹو نظر بند تھیں سے دیوانہ وار نکلیں اور ''جیگور'' میں بیٹھ کر جیل کی طرف تیزی سے روانہ ہوگئیں۔ پولیس نے دس میل جیل تک خطرناک طریقے سے تعاقب کیا۔ اس کے باوجود وہ جیل میں داخل ہونے میں کامیاب ہوگئیں۔ جہاں وہ ۴۵ منٹ تک اپنے شوہر کے پاس رہیں۔ لیکن بالآخر لیڈیز پولیس کے متعدد ارکان نے سخت ظالمانہ دنگا فساد کے بعد انہیں دوبارہ گرفتار کرلیا۔

سزائے موت، ایک شدید نکتہ چینی کرنے والے کے باپ کے قتل کے الزام میں دی گئی ہے جو نومبر 1974 میں ہوا تھا۔ استغاثے کے مطابق بھٹو نے مشین گن کے حملے کا حکم دیا تھا جس کے نتیجے میں غلطی سے اس کا والد احمد رضا قصوری ہلاک ہوگیا جو اسی کار میں سوار تھا۔ الزام کی سنگین نوعیت کے باوجود عالمی رہنماؤں کی ایک بڑی تعداد نے جس میں صدر کارٹر، سوویت صدر برژنیف اور پوپ بھی شامل ہیں، گذشتہ ہفتے جان بخشی کے لئے ضیاء سے اپیل کی بلکہ بعض روایتی دشمنوں نے بھی بھٹو کی جاں بخشی کے لئے زور دیا ہے۔ بھارت کی

www.bhutto.org

سابق وزیراعظم اندرا گاندھی نے کہا ''اس (بھٹو) کی پھانسی پوری دنیا میں مہذب سوسائٹی کے ضمیر کو صدمہ پہنچائے گی۔''

حمایت

ان اپیلوں کے باوجود ضیاء حکومت بظاہر یہ سمجھتی ہے کہ بھٹو کی زندگی کو برداشت نہیں کر سکے گی۔ ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستان میں اب بھی بھٹو کو بھاری مقبولیت اور حمایت حاصل ہے اور بعض مبصرین کا کہنا ہے کہ اگر آج بھی الیکشن کرا دیا جائے تو بھٹو کی پارٹی پارلیمان میں اکثریت حاصل کر لے گی۔ اگرچہ ضیاء نے الیکشن کرانے کا وعدہ کر رکھا ہے لیکن اس کے ساتھی افسروں کا کہنا ہے کہ بھٹو کو لازمی طور پر امیدوار (الیکشن کے لئے) بننے کے لئے زندہ نہیں رہنا چاہئے۔ ایک مغربی سفارت کار نے کہا ''بھٹو کی امکانی واپسی (اقتدار میں دوبارہ آنے) کا مطلب یہ ہے کہ جنرل خود پھانسی پر لٹک جائیں۔ اس لئے فوج فیصلہ کرتی ہے کہ بھٹو کو پھانسی پر لٹکا دیا جائے۔''

اگر ایسا ہوا تو پاکستان تشدد سے اشک بار ہو جائے گا۔ پیپلز پارٹی کے ایک عہدے دار نے پیش گوئی کی کہ اگر بھٹو کو پھانسی دی گئی یا فوج نے مارشل لاء ہٹا لیا تو پاکستان میں ایران سے بھی زیادہ تشدد ہوگا۔ اگرچہ اس بیان میں کسی حد تک مبالغہ آرائی ہو سکتی ہے۔ تاہم مغربی مبصرین یہ خدشہ ظاہر کرتے ہیں کہ بھٹو کی پھانسی بغاوت کا راستہ کھول دے گی۔ اسلام آباد میں ایک مغربی سفارت کار نے تنبیہ کی ''شہید بھٹو سیاسی اور قبائلی اعتبار سے پاکستان کے غیر متاثرہ متعدد رویوں کے مابین نقطہ اتفاق بن جائے گا۔ یہاں تک کہ ایسے لوگ بھی جو اسے اس کی زندگی میں پسند نہیں کرتے تھے اس کے مرنے کے بعد اسے استعمال کرنا پسند کر سکتے ہیں۔

انہیں یہ موقع جلد ہی مل سکتا ہے۔ بھٹو کے وکیل یحییٰ بختیار نے کہا ''اگر عدالت نے دوسری اپیل بھی مسترد کر دی تو معاملے کا اختتام ہو جائے گا۔ وہ جس رفتار سے چل رہے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اگلے روز ہی اُسے پھانسی دے دیں گے۔'' ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حکومت شک میں مبتلا ہے کہ بھٹو خودکشی کر لیں گے۔ اس لئے اس نے حفاظتی اقدامات کئے ہیں۔ حکام

www.bhutto.org

نے بھٹو کی کوٹھری سے بجلی کے سوئچ، تار اور پانی کے گھڑے ہٹا لئے ہیں۔ لیکن بظاہر (قیدی) بھٹو ایسا نہیں سوچ رہا" میں نے انہیں مسکراتا اور گڈ اسپرٹ" میں پایا۔ گذشتہ روز بختیار نے بتایا" وہ بہت کمزور ہو گئے تھے لیکن اتنے مایوس نہیں تھے، جتنا مجھے خدشہ تھا۔ جب میں نے انہیں فیصلے سے آگاہ کیا تو انہوں نے محض یہ کہا" اچھا ہوا کہ روحانی اذیت اور ذہنی کوفت کا اختتام ہو گیا۔"

لیکن بھٹو کے لئے ڈرامے کا اختتام ابھی تک نہیں ہوا۔ اور اس ملک کے عوام کے لئے روحانی اور ذہنی اذیتیں شاید اب شروع ہوں گی۔

(19 فروری 1979)

www.bhutto.org

پاکستان میں تین آئین

(ہفت روزہ ٹائم)

پچھلے سال مئی سے پاکستان سپریم کورٹ کے سات جج متفکرانہ صبر کے ساتھ بنیادی طور پر مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی اپنی سزائے موت کے خلاف اپیل کی سماعت میں مصروف رہے ہیں۔ پچھلے ہفتے 4-3 کی تنگ اکثریت کے فیصلے سے جج صاحبان نے 1974 میں دہشت ناک فیڈرل سیکورٹی فورس کے ذریعے ایک سیاسی دشمنی کے قتل کا حکم دینے پر لاہور ہائی کورٹ کی طرف سے سابق وزیراعظم کو دی جانے والی سزائے موت کی توثیق کردی۔

ججوں کے درمیان بنیادی طور پر اختلاف رائے ختم شدہ ایف ایس ایف کے سابق سربراہ جو سلطانی گواہ بن گئے تھے، مسعود محمود کے قابل اعتبار ہونے اور محرکات پر ہوا۔ مگر عدالت ان خطوط پر بھی منقسم ہوئی جو علاقائی رقابتوں کے شکار ملک کے لئے بدشگون ہو سکتے ہیں۔ اختلافات کرنے والے تین جج جنہوں نے بھٹو کو آزاد کرنے کے حق میں ووٹ دیا وہ ان کے آبائی صوبے سندھ اور گڑبڑ کے شکار افغانستان اور ایران کی سرحد پر واقع دو صوبوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ چار جج جو اکثریت میں ہیں ان کا تعلق پنجاب سے ہے جہاں بھٹو کی مطلق العنانہ حکومت کے خلاف متوسط طبقے کی برہمی سب سے زیادہ شدید تھی۔

سپریم کورٹ کے فیصلے سے پہلے جیل سے سمگل کئے جانے والے بھٹو کے ایک پیغام میں تنبیہ کی گئی تھی کہ ''میرے بیٹے، میرے بیٹے نہیں ہوں گے اگر وہ ان لوگوں کا خون نہیں پیئیں گے جو میرا خون بہائیں۔'' حقیقت یہ ہے کہ فیصلے کے خلاف عوامی ردعمل گونگا بنادیا گیا اور اس کے

www.bhutto.org

اس وقت تک یونہی رہنے کے امکانات ہیں۔ جب تک کہ بھٹو کے ضلعی رہنما اور پارٹی کے عہدیدار زیر حراست رہتے ہیں اور انہیں مظاہروں کا بندوبست کرنے سے روکا ہوا ہے۔ صدر کارٹر برطانوی وزیراعظم جیمز کالہیان سوویت صدر برزنیف اور پوپ جان پال دوم کی طرف سے سزا میں تخفیف کی اپیلیں آئیں۔ دوسرے اپیل کنندہ ترکی کے وزیراعظم بلند اجوت تھے، ترکی وہ تنہا ملک ہے جس نے دور جدید میں خود اپنے وزیراعظم کو عدالتی کارروائی کے ذریعے پھانسی دی تھی اجوت نے پیش کش کی کہ اگر بھٹو کی جان بخش دی جائے تو وہ انہیں سیاسی پناہ دیں گے

گو کہ اکثر غیر ملکی اپیلیں انسانیت دوستی کی اصطلاحوں کے غلاف میں لپٹی ہوئی ہیں لیکن ان کی محرک پاکستان کی سالمیت کے بارے میں فکر مندی معلوم ہوتی ہے۔ ۳۲ سال سے جبکہ برطانوی ہند سے یہ مسلم ملک پاک لوگوں کی سرزمین تراشا گیا، پاکستان میں تین آئین بنائے گئے اور تین فوجی بغاوتوں کا صدمہ اٹھایا جولائی 1977 میں چیف آف آرمی جنرل ضیاء الحق نے اقتدار پر قبضہ کرلیا تھا جبکہ اس سے پہلے متاثرہ ملاؤں اور متوسط طبقے کے اراکین بھٹو کی سیاسی بدعنوانیوں کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے سڑکوں پر نکل آئے تھے۔ ضیاء نے سیاست کو پاک کرنے اور اسلامی خطوط پر قوم کے فوجداری اور مالیاتی قوانین کی تشکیل نو کے لئے احتیاط کے ساتھ پیش قدمی کی۔

بھٹو کے پھانسی چڑھنے سے قبل ان کے وکلاء سپریم کورٹ سے ممکنہ قانونی غلطیوں کی بنیاد پر مقدمے پر نظر ثانی کی درخواست کر سکتے ہیں۔ سابق وزیراعظم کا خاندان ضیاء سے انتظامی معافی کی درخواست بھی کر سکتا ہے۔ جب ضیاء آخری فیصلہ کریں گے کہ آیا اسلامی انصاف کے سخت قوانین کا اطلاق کریں یا نہ کریں اور بھٹو کو پھانسی دینے کی دھمکی پر عمل کریں تو اس وقت امکان ہے کہ غیر ملکی رائے کے مقابلے میں داخلی سیاسی تحفظات زیادہ وزن دار ہوں گے۔

سیاسی ظریفوں نے پھانسی کے بارے میں ایسا جامع لطیفہ ایجاد کیا ہے ''ایک قبر دو آدمی۔'' پاکستان میں کوئی شخص اس کے ترجمے کا محتاج نہیں کہ بھٹو کو پھانسی دے کر ضیاء خود اپنی قبر کھود سکتے ہیں۔ ملک کے اکثر جھگڑالو سیاستدان یہ چاہتے ہیں کہ بھٹو کو روانہ کرنے کا بار ضیاء

www.bhutto.org

برداشت کریں جوایک ایسا اقدام ہوگا جس سے اس سال کے آخر میں ہونے والے انتخابات پر صدر کے اثرانداز ہونے کے مواقع کو شدید نقصان پہنچے گا۔ دوسرے جنازے کے خواہشمند کئی ایسے جنرل ہیں جو بھٹو کو ناپسند کرتے ہیں اور ضیاء کو دوبارہ مواقع نہیں دیں گے اگر سویلین ایک بار پھر پاکستان کو پائیدار اور جائز حکومت فراہم نہ کرسکیں۔

(19 فروری 1979)

www.bhutto.org

آخری فیصلہ ضیاء، چشتی، چوہدری محمد علی اور غلام اسحاق کریں گے

(ایشیاویک)

اس ہفتے پاکستان کے انتہائی متنازعہ حکمران، ذوالفقار علی بھٹو کی زندگی کچے دھاگے سے لٹک رہی ہے، 6 فروری کو ملک کے سپریم کورٹ کے اس فیصلے کے بعد کہ 1974 میں ایک سیاسی قتل کا حکم دینے کی بنا پر انہیں سزائے موت دی جانی چاہئے، حالات معزول وزیراعظم کے لئے انتہائی گمبھیر معلوم ہوتے تھے، بھٹو نے جنرل ضیاء الحق سے معافی کی درخواست کرنے سے سختی سے انکار کیا اور یہ موقف اختیار کیا کہ ایسا اقدام اعتراف جرم کے مترادف ہوگا۔ جہاں تک جنرل ضیاء کا تعلق ہے وہ اپنے اس بہ ظاہر سخت ارادے پر قائم رہے کہ وہ عدالت کے فیصلے کو عملی جامہ پہنائیں گے انہوں نے دنیا بھر کی حکومتوں کی طرف سے کی جانے والی رحم کی اپیلوں کو کوئی وقعت نہیں دی۔ اس کے بعد 13 فروری کو ایک نئی کروٹ ظاہر ہوئی اور یہ بات یقینی معلوم ہوتی ہے کہ بھٹو کی جلاد سے ملاقات اگر منسوخ نہیں ہوئی ہے تو ملتوی ضرور ہوگئی ہے۔

ایک اقدام کے ذریعے جو غیر متوقع نہیں تھا۔ بھٹو کے وکیل یحییٰ بختیار نے ۱۰۲ صفحات پر مشتمل درخواست سپریم کورٹ میں داخل کی جس میں وہ ۱۵۰ اسباب بیان کئے ہیں جن کی بناء پر وہ ضروری سمجھتے ہیں کہ عدالت ان کے موکل کی سزائے موت کے خلاف اپیل کے استرداد کے اپنے اختلافی فیصلے پر نظر ثانی کرے۔ چیف جسٹس انوار الحق، جن کے کاسٹنگ ووٹ نے توازن کو بھٹو کے خلاف کر دیا، نے اپنے 6 رفقا کی جانب سے یہ درخواست منظور کر لی۔ بختیار نے بعد میں کہا

www.bhutto.org

کہ ایسی ہمہ گیر نوعیت کے مقدمے میں ہم التوا (پھانسی کے) کی توقع کرتے ہیں۔ اگر مجھے منصفانہ طور پر سنا جائے تو اس میں 2 یا 3 ماہ لگیں گے ان کی نظر میں اس اہم فیصلے کو چیلنج کرنے کے لئے ''تکنیکی اسباب'' '' قانونی اسباب اور واقعاتی اسباب موجود ہیں۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بھٹو مکمل طور پر آزاد ہو گئے۔ ججوں نے صرف درخواست پر غور کرنے کا وعدہ کیا لیکن نظر ثانی ہونا یا سزائے موت کا موثر التوا دوسری بات ہے۔ ابھی جب کہ انہوں نے غور وخوض شروع کیا، لاہور کی کوٹ لکھپت جیل میں پھانسی دینے کے لئے سولی تیار کی جارہی ہے۔ موجودہ منصوبوں کے مطابق پھانسی دینے کی پوری کارروائی کی فلم بنے گی اور کم از کم دو غیر ملکی ٹیلی ویژن اسٹیشنوں نے فلم بنانے کی اجازت طلب کی ہے۔

نہ ہی بھٹو ان کو بچانے کے سلسلے میں بین الاقوامی رائے عامہ یا غیر ممالک کی درخواستوں پر اعتماد کے ساتھ انحصار کر سکتے ہیں گو کہ پوپ اور ان کے ساتھ ساتھ امریکہ، روس، چین اور تیسری دنیا کی اور مغربی بیشمار حکومتوں نے اسلام آباد سے اپیلیں کی ہیں، باخبر ذرائع کہتے ہیں کہ یہ تاریں اور پیغامات وزارت خارجہ میں سیکرٹری جنرل کی میز سے آگے نہیں گئے۔ وزیر قانون اور ضیاء کے مصاحب خاص بروہی نے جل کر کہا کہ ایسی اپیلیں'' پاکستان کے داخلی معاملات میں مداخلت ہیں۔'' وزیر محنت چوہدری ظہور الٰہی نے یہ اضافہ کیا کہ ملک کے اندر اور غیر ممالک سے رحم کی درخواستیں'' صیہونیوں اور کمیونسٹوں کی شہہ پر کی جارہی ہیں جن کے مفادات بھٹو کو بچانے سے وابستہ ہیں کیونکہ وہ پاکستان کی اسلامی نظام کی طرف پیش رفت کو روکنا چاہتے ہیں۔ دوسروں کی نظر میں بھٹو کے بارے میں قنوطیت کی وجوہات کچھ اور ہیں۔ جنوبی ایشیا کے ایک مبصر کا کہنا ہے کہ'' ضیاء خود ایک اچھے خاصے پھندے میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اگر بھٹو کو زندہ رہنے کی اجازت دی جاتی ہے تو وہ ایک بے تاج بادشاہ کی قسم کی چیز بن جائیں گے اور اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ جیل میں قید ہیں یا آزاد۔ اسلام آباد میں ایک سفارت کار کا کہنا ہے کہ'' صدر کو علم ہے کہ اگر بھٹو دوبارہ مرکز اقتدار کے قریب آئے تو وہ (صدر) مردہ آدمی ہوں گے۔''

(23 فروری 1979)

www.bhutto.org

بنگلہ دیش کے تباہ کن واقعے کے بعد بھٹو نے پاکستان کو مزید ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے بچایا تھا

(عرب نیوز، جدہ)

سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کی جان بخشی کے لئے جنرل ضیاء پر زور دینے والے عالمی رہنماؤں کا کورس بتدریج کان پھاڑنے کی حد کو پہنچ رہا ہے۔

سابق وزیر اعظم کو ایک سیاسی مخالف کو قتل کرنے کی سازش کرنے پر سزا دی گئی ہے۔

بھٹو نے الزامات کی پرزور تردید کی ہے ہوسکتا ہے کہ وہ اس بارے میں ٹھیک کہتے ہیں کہ انہوں نے ذاتی طور پر قتل کا حکم نہیں دیا تھا۔ ضرورت سے زیادہ پرجوش پیروکاروں نے ہوسکتا ہے کہ انہیں خوش کرنے کے لئے ایسا کیا ہو۔ اگر کوئی بات ہوسکتی ہے تو یہ بھٹو نکسن کی طرح اسے چھپانے کے مجرم ہوں۔

اب یہ جنرل ضیاء پر منحصر ہے کہ وہ اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے کے بعد کہ انہوں نے اپنے حریف کو اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لئے تمام ہمدست مواقع فراہم کئے ہیں اس کا فیصلہ کریں۔ یہ بات بھی درست ہے کہ جنرل ضیاء نے دنیا کو دیکھنے کا موقع دیا کہ ضروری قانونی طریقہ کار آزادانہ روبعمل ہے۔

ہم توقع کرتے ہیں کہ اب جنرل ضیاء سزا یافتہ اس شخص کے لئے اپنی ذاتی ناپسندیدگی سے بہت بلند ہوں گے جو پہلے ہی اس سے زیادہ مصیبت اٹھا چکا ہے جس کا وہ مستحق ہے۔ یقیناً

www.bhutto.org

انہیں پھانسی دینا ملک کو ایک بار پھر ٹکڑے ٹکڑے کر سکتا ہے۔ بنگلہ دیش کے تباہ کن واقعے کے بعد بھٹو نے پاکستان کو مزید ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے بچایا تھا۔

جنرل ضیاء پہلے ہی اپنے پاکستان عوام پر یہ ثابت کر چکے ہیں کہ کوئی بھی شخص قانون سے بالاتر نہیں ہے۔

اس ساری مشق کا یہی فائدہ ہے اور بھٹو کافی بھگت چکے ہیں۔

(27فروری1979)

بھٹو کی قیادت نے شکست خوردہ ملک اور عوام کو نیا اعتماد بخشا

(انٹرنیشنل ہیرالڈ ٹرائیبون)

3 جون 1974 کو پاکستان کی قومی اسمبلی میں جس میں جم غفیر اکٹھا تھا، اسمبلی کے رکن رضا قصوری نے اپنا قمیض اتار دیا اور وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کی کرسی کے سامنے ہو کر قصوری نے مکہ بازی کرنے کا مطالبہ کیا۔ قصوری کی تھیٹر کے اداکاروں کی حرکت نے اسمبلی میں گڑ بڑ پھیلا دی اور ذوالفقار علی بھٹو کو غصہ دلایا۔ یہ دونوں اشخاص ایک زمانے میں قریبی ساتھی تھے لیکن 1974 تک وہ دونوں ایک دوسرے کے بدترین دشمن بن گئے تھے۔ قصوری کی طرف سے اس طرح کی برسرعام اشتعال انگیزیوں سے بھٹو کوئی بار ڈنک لگ چکے تھے۔ بھٹو کی اسلامی اخلاقیات اور تقریباً جاگیردارانہ احساس وقار ان افواہوں سے مجروح ہوئے تھے جن کی سرعام حوصلہ افزائی قصوری کرتے تھے جو بھٹو کی ولدیت کے بارے میں تھیں اور جن میں بھٹو کو نہرو کا آدھا بھائی بتایا جاتا تھا۔ بھٹو غصے سے لرز اٹھے، جس نے ان کے ضبط کو جھٹلا دیا۔ ہال میں اچانک سناٹا چھا گیا۔ انہوں نے قصوری کو جواب دیا۔ ''زہریلے، تم خاموش رہو، میں تمہاری بیہودگیوں کو برداشت نہیں کروں گا۔''

11 نومبر 1974 کو قصوری اپنے خاندان کے ہمراہ ایک شادی کی تقریب میں شرکت کرنے کے بعد واپس گھر جا رہا تھا کہ اس کی کار پر حملہ کیا گیا جس میں قصوری کا باپ ہلاک ہو گیا۔

www.bhutto.org

اگلے دن قصوری نے الزام لگایا کہ بھٹو نے اسے قتل کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ بچ گیا۔ البتہ اس کا باپ مارا گیا۔ اس حادثے کی تحقیقات شروع ہوئی۔ لیکن بہت جلد ہی سرد مہری کا شکار ہوگئی۔ تحقیقات کا دوبارہ آغاز اس وقت ہوا جب 1977 میں پاکستان کی نئی فوجی حکومت کے ہاتھوں بھٹو کو معزول ہوئے ایک ماہ کا عرصہ بیت چکا تھا۔ ایک ماتحت عدالت نے بھٹو کو قتل کا مرتکب قرار دیا۔

اس ماہ فروری 79 میں 9 ججوں (ابتدا میں 9 جج تھے لیکن فیصلے کے وقت فل بنچ سات ججوں پر مشتمل تھا) پر مشتمل سپریم کورٹ نے 3-4 سے فیصلہ دیا جس میں کہا گیا کہ بھٹو کے مقدمے کی سماعت منصفانہ ہوئی تھی اور پھانسی کیسزا کی توثیق کردی گئی۔ اس کے باوجود مقدمے کی سماعت کے دوران طریقہ کار اور شہادتوں کے ایسے سقم باقی رہ گئے تھے جس کی وجہ سے سپریم کورٹ نے 14 فروری کو پھانسی کے خلاف دس دن کا حکم امتناعی جاری کردیا۔ تاکہ فیصلے پر نظر ثانی کی جا سکے۔ یہ حکم امتناعی ابھی تک برقرار ہے۔ جب قصوری پر حملہ کیا گیا اس وقت بھٹو اپنی قوم کا سب سے زیادہ مقبول اور طاقتور فرد تھا۔ پوری دنیا اس کے تدبر کی معترف تھی۔ بھٹو کے بارے میں چیئرمین ماؤ کا کہنا تھا" بھٹو...... چین سے باہر کی دنیا کا نہایت ذہین سیاسی لیڈر بھٹو۔ سوچ سمجھ کر اقدام کرنے والا، جوڑ توڑ کرنے والا اور مذکرات کا ماہر سیاستدان ہے۔ ایسے شخص کے بارے میں بمشکل ہی تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ پاگل پن کے سیاسی تشدد میں ملوث ہوگا لیکن اس کے نقادوں کا کہنا ہے کہ اس کے کردار پر غرور اور گرم مزاجی حاوی تھی اور فیصلے میں اسی پہلو کا جو ایک تاریک پہلو ہے ذکر کیا گیا ہے، بھٹو نے بمبئی، آکسفورڈ اور برکلے میں تعلیم حاصل کی۔ برطانیہ اور پاکستان کی یونیورسٹیوں میں پڑھایا۔ اس کا پس منظر بتاتا ہے کہ اس نے اپنی زندگی کا ہر کام سوچ بچار کر کے کیا تاکہ اس کے کردار میں اعتماد اور حاکمیت رچ بس جائے اسی کردار کو اس کے سیاسی مخالفین اس کے سیاسی گناہوں کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ بھٹو ذہین، مہذب، اشراف اور مغرور شخص ہے اور خود پر اتنا اعتماد ہے کہ راسخ العقیدہ مسلمانوں کی مسلسل کڑی نکتہ چینی کے باوجود اس نے جلسہ عام میں شراب پینے کا اعتراف کیا۔ اور مغربی لباس زیب تن کیا۔

بھٹو پہلی مرتبہ 1958 میں اس وقت منظر عام پر آئے جب اقوام متحدہ میں سمندری قوانین کی کانفرنس میں انہوں نے پاکستان کی نمائندگی کی۔ اس کانفرنس میں انہوں نے واضح موقف اختیار کیا اور خود کو پاکستان کے مفادات کا جارح وکیل صفائی کی حیثیت سے پیش کر کے ایک نمایاں مقام حاصل کر لیا۔ وہ ایوب خان کی حکومت میں بحیثیت وزیر ایندھن اور قدرتی وسائل شامل ہوئے۔ پھر وزیر تجارت بنے اور بالآخر وزیر خارجہ بنا دیئے گئے۔ 1965 کی پاک بھارت جنگ کے بعد 1966 میں اعلان تاشقند ہوا۔ جس کے تحت دونوں ملکوں کی فوجیں اپنی اپنی پرانی پوزیشن پر واپس چلی گئیں۔ اس معاہدے کے بعد بھٹو نے حکومت سے علیحدگی اختیار کر لی اور اعلان کیا کہ اس معاہدے کے ذریعے ناموس وطن فروخت کر دیا گیا۔ بھٹو نے حکومت کے خلاف تحریک کی قیادت کی۔ ایوب خان پر تنقید کی، جس کی وجہ سے انہیں جیل میں بند کر دیا گیا۔ پھر رہا کر دیئے گئے۔ 1969 تک بھٹو مغربی پاکستان کا ہیرو بن چکا تھا۔ اس کے اسباب اقوام متحدہ میں اس کی تقریر اور اعلانِ تاشقند کی جرات مندانہ مخالفت تھے۔ 1970 میں پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک آدمی، ایک ووٹ کی بنیاد پر الیکشن ہوئے اور بھٹو کی پاکستان پیپلز پارٹی نے مغربی پاکستان کی 144 نشستوں میں سے 88 نشستیں حاصل کیں جب کہ شیخ مجیب نے مشرقی پاکستان کی 162 میں سے 160 نشستیں حاصل کیں۔ مسٹر بھٹو نے پاکستان کے مغربی بازو اور شیخ مجیب نے مشرقی بازو کی نمائندگی کا دعویٰ کیا جو حقیقت پر مبنی تھا۔

اس کے بعد جو کچھ ہوا اس کے بارے میں مختلف آراء ہیں۔ بھٹو کے نقاد الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے صدر یحییٰ خان کو بنگلہ دیش میں فوجی کارروائی کرنے پر آمادہ کیا۔ جب کہ بھٹو کے اتحادی دعویٰ کرتے ہیں کہ بھٹو نے ابتدا ہی سے اس اقدام (فوجی کارروائی) کی مخالفت کی تھی۔ صداقت شاید ان دونوں انتہائی آراء کے مابین پائی جاتی ہے۔

مغربی پاکستان میں بھٹو، بنگلہ دیش میں ہونے والی قتل و غارت گری اور پھر بھارت سے ہونے والی جنگ کی تباہ کاریوں جس کے نتیجے میں متحدہ پاکستان ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ بہت پریشان اور سیاسی حل کے لئے کوشاں تھے۔ مگر یحییٰ خان گریزاں تھا دسمبر 1971 میں فوج کے دباؤ

www.bhutto.org

کے تحت یحییٰ خان کو مسند اقتدار چھوڑنی پڑی۔ ملک مایوسی اور صدمے کی کیفیت سے دوچار تھا۔

ملک کا مشرقی بازو تباہ ہو چکا تھا۔ مغربی پاکستان بھارت کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست کھا چکا تھا۔ دو ہفتے سے بھی کم عرصے کی لڑائی میں بیس ہزار افراد ہلاک ہو چکے تھے۔ اس سے زیادہ زخمی ہو گئے تھے اور 93 ہزار بھارت کے جنگی قیدیوں کے کیمپوں میں مقید تھے۔ فضا اور سمندر سے ملک پر بمباری ہو چکی تھی۔ بری حملہ ہو چکا تھا اور مغربی پاکستان کا تقریباً سات ہزار مربع میل کا علاقہ بھارت کے قبضے میں تھا اور بھارت اس علاقے پر اپنی ملکیت کا دعویٰ کر رہا تھا اور سب سے بڑا نقصان یہ کہ پاکستان اپنے مشرقی بازو سے محروم ہو چکا تھا۔ اپنے ملک کی آدھی سے زیادہ آبادی اور نصف انڈسٹری کھو چکا تھا۔

جس طرح جنگ عظیم دوم کے دوران چرچل نے برطانیہ کی خدمات انجام دیں اسی طرح 1971 میں برسر اقتدار آنے کے بعد بھٹو نے پاکستان کے لئے انجام دیں۔ بھٹو نے جو بحرانوں اور کٹھن ترین وقت میں رہنمائی کرنے والا لیڈر ہے اس کی انتھک محنت اور اعلیٰ قیادت نے شکست خوردہ ملک اور عوام کا وقار دلایا اور اعتماد بحال کیا۔ اس نے مذاکرات میں غیر معمولی صلاحیتوں کا ثبوت دیا۔ اور اپنی اعلیٰ سفارتی مہارت کی بدولت اتنا سرمایہ دوسرے ملکوں سے لیا کہ پاکستان میں نئی صنعتی اور معاشی بنیاد کا آغاز کیا۔ اس کا ایک کارنامہ یہ ہے کہ وہ سیاست کو شہروں سے دیہات لے گیا اور صدیوں سے پسے ہوئے دیہی عوام کو انسانی عزت و وقار سے آشنا کیا۔

وہ ہند سے گفت وشنید میں حاوی رہا۔ اس کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ 93 ہزار قیدیوں کا ہند سے واپسی کا تھا۔ اور وہ انہیں اپنی شرائط پر واپس لے جانے میں کامیاب رہا۔ یہی نہیں بلکہ مسٹر بھٹو نے 7 ہزار مربع میل وہ علاقہ بھی خالی کرالیا جو ہند کے قبضے میں تھا۔

پہلے دو تین سالوں تک اسے بھرپور انداز میں عالمی رائے عامہ کی حمایت حاصل رہی اور اس کے ملک میں آہستہ آہستہ ایک اعتماد بحال ہوتا رہا۔ اور اب پرانے سیاست دانوں کے چہرے بھی نظر آنے لگے۔ اور نئے رہنماؤں کے تعاون کے ساتھ بھٹو کی حکومت کی خبریں اور زیادہ پھیلتی گئیں۔ اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ 1977 کے انتخابات میں دھاندلی ہوئی کیوں کہ

www.bhutto.org

ہر شخص جانتا تھا کہ بھٹو بغیر کسی دھاندلی کے بھی انتخابات جیت سکتے ہیں۔ لیکن نتائج کے ظاہر ہوتے ہی پورا ملک فسادات کی لپیٹ میں آ گیا۔ سینکڑوں ہلاک اور ہزاروں گرفتار ہوئے۔ بالاخر ۵ جولائی 1977 کو جنرل ضیاء الحق نے بھٹو کو گرفتار کر لیا اور نوے دن کے اندر انتخابات کا وعدہ کیا جو اب تک منعقد نہیں ہوئے۔ جنرل ضیاء کا وعدہ ہے کہ وہ بھٹو کے فیصلے کے منتظر ہیں۔ وہ بھٹو کی سزا معاف کر سکتے ہیں یا موت کی سزا کو عمر میں بدل سکتے ہیں لیکن انہوں نے منگل کو اس طرف اشارہ کیا کہ ان کی حکمت عملی میں جاں بخشی کی گنجائش نہیں۔ دوسری طرف بھٹو بدستور ملک کے انتہائی مقبول شخصیت ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے بدترین دشمن بھی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ اگر انتخابات ہوں تو مسٹر بھٹو ملک کے انتخابات جیت جائیں گے۔

جنرل ضیاء کو چار اہم وجوہات کی بناء پر سزا میں تخفیف کر دینی چاہئے۔ اولاً یہ کہ یہ خطرہ موجود ہے کہ بھٹو کی موت سے ملک میں خانہ جنگی اور افراتفری پھیل سکتی ہے اور بھٹو کے پیروکار پہلے ہی سے شدید احتجاج کر رہے ہیں۔ پھر ہم ایران میں عوام کے سیلاب کے سامنے مضبوط ترین فوجی طاقت کو پسپا ہوتے دیکھ چکے ہیں۔ دوسری وجہ انسانی بنیادوں کی ہے۔ بھٹو لازمی طور پر ایک سیاسی قیدی ہے اور ملک کے عوام پر ان کے گہرے اثرات مرتسم ہیں قطع نظر عدالت

تیسری بڑی وجہ یہ ہے کہ بھٹو کی پھانسی ایک بڑی مثال بن جائے گی۔ یہ کسی ملک کے مفاد میں نہیں ہے کہ وہاں کے سیاسی رہنماؤں کو پھانسی پر لٹکایا جائے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ پاکستان ان دنوں بدترین الجھنوں اور جذباتی افراتفری کا شکار ہے۔ ان حالات میں کسی مقصد کو مدنظر رکھنا محال ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں روبہ زوال لیڈر صرف اپنے تاریخی پہلو کو ہی سامنے رکھتا ہے۔ طمع، ہوس اقتدار اور کینہ پروری اس کے کردار کے مختلف پہلوؤں پر حاوی ہو جاتی ہے۔

کچھ دن پہلے ایک پاکستانی دوست نے مجھ سے کہا کہ پاکستان بھٹو جیسا صدر برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ درست ہو سکتا ہے لیکن میں جنرل ضیاء کو شکست خوردہ اور متزلزل پاکستان کی یاد دلانا چاہتا ہوں۔ میں وہ وقت یاد دلانا چاہتا ہوں جب بھٹو نے انتہائی دشوار لمحوں میں پاکستان کی

www.bhutto.org

رہنمائی کی۔ انہوں نے ملکی معیشت کو سنبھالا دیا۔ سرحدوں کو مضبوط کیا اور وہ یہی (مسٹر بھٹو) تھے جنہوں نے پاکستان کو ایک بھاری بھرکم آواز عطا کی اور پاکستانیوں کو ان کا وقار واپس دلایا۔ اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ کچھ لوگوں کو یہ منظر نفرت انگیز نظر آ رہا ہے۔ لیکن پاکستان میں اور دنیا بھر میں ایسے بے شمار لوگ موجود ہیں جو مسٹر بھٹو کو نئے پاکستان کا بانی رہنما (بابائے پاکستان) سمجھتے ہیں اور تاریخ اس راہ میں اسے تحسین پیش کرتی ہے اور جب کوئی شخص ان حالات کو سامنے رکھتے ہوئے بھٹو کی پھانسی کے بارے میں سوچتا ہے تو پھانسی سے پیدا ہونے والے مضمرات اسے اور زیادہ پریشانی میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

(28 فروری 1979)

www.bhutto.org

بھٹو کے حامیوں کی زبردست نگرانی

(ڈیلی ٹیلیگراف بروس لوڈون)

جیسے جیسے بھٹو کے رزمیے کے نکتہ عروج پر پہنچنے کی علامات ظاہر ہو رہی ہیں ویسے ویسے پاکستان میں غیر ملکی سیاحوں، بھٹو کے حامی وکیلوں، یہاں تک کہ بعض سرکاری حکام پر پولیس کی نگرانی میں شدت آگئی ہے۔

بھٹو کے اعلیٰ قانونی مشیر مسٹر یحییٰ بختیار کی اس حد تک نگرانی کی جاتی ہے کہ ان کے لئے اپنے راولپنڈی کے ہوٹل میں حسب معمول صلاح مشورہ کرنا بھی ممکن نہیں ہوتا۔

مسٹر بھٹو کے دانتوں کے معالج اور خاندان کے ایک قریبی دوست ڈاکٹر ظفر نیازی تقریباً مسلسل نگرانی میں اپنی زندگی گزار رہے ہیں۔

اس نگرانی کا ایک عجیب پہلو یہ ہے کہ بظاہر اس حد تک محدود بھی ہے کہ تعاقب کرنے والے اپنے ہدف کا تیزی سے پیچھا کرتے ہیں لیکن فاصلہ برقرار رکھتے ہیں۔ اس کو چھپانے کی کوئی کوشش نہیں کی جاتی۔

کم از کم غیر ملکی سیاح جب انہیں چیلنج کرتے ہیں تو وہ انتہائی خوفزدہ نظر آتے ہیں۔ اور بھاگ نکلتے ہیں۔

اس ہفتے دو بار "خفیہ" کے لوگوں نے میرا اور دوسرے غیر ملکی نامہ نگاروں کا پیچھا کیا۔ پیر کے دن کراچی میں جب ہم نے سپریم کورٹ کے ایک ریٹائرڈ جج سے ملاقات کرنے کی کوشش کی تو 3 افراد ایک سنہری رنگ کی لیموسین میں ہمارا تعاقب کرتے رہے۔

www.bhutto.org

ان سے پیچھا چھڑانے میں ایک انتہائی اناڑیوں جیسی کوشش ہی کام کر گئی۔ منگل کے دن میں بی بی سی کے مارک ٹیلی اور گارجین کے پیٹر نسونڈ کے ہمراہ تھا۔ جب ہم نے محسوس کیا کہ ہماری نگرانی کرنے والے ۱۳ افراد ایک ٹویوٹا میں ہمارا پیچھا کر رہے تھے۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ ہم لوگ بھٹو کے ہمدردوں کے ساتھ نہیں، بلکہ پاکستان کے ایک سینئر اور قابل احترام سرکاری افسر کے ساتھ ڈنر کھانے جا رہے تھے پھر بھی نگرانی کرنے والوں کو ڈنر پر لے جانا سماجی اعتبار سے ناقابل قبول ہے اس لئے ہم نے فیصلہ کیا انہیں چکمہ دیا جائے۔

ہم اسلام آباد کی گلیوں میں گاڑی دوڑاتے رہے اور ہمارا تعاقب کرنے والے ہم سے کوئی 100 گز پیچھے رہے اور ہمارے ڈرائیور محمد سلیم نے جو موقعہ کی ڈرامائی کیفیت میں کھویا ہوا تھا کچھ دیر کے لئے ''خفیہ'' کے لوگوں کو چکمہ دیدیا اور تیزی سے ہم کار سے اتر کر پیدل ڈنر کھانے کے لئے پہنچ گئے۔ آدھی رات کے وقت ہم اپنے ڈرائیور سلیم سے ملے جس نے اپنی گاڑی ایک قریبی مسجد کے میدان میں کھڑی کر رکھی تھی۔ ہم روانہ ہوئے تو ہمارا پیچھا کرنے والے بھی نمودار ہو گئے اور تعاقب کا سلسلہ ایک بار پھر شروع ہو گیا۔

سلیم نے ان کی طرف تیزی سے گاڑی دوڑائی اور تیز آواز کے ساتھ ان کی کار کے آگے رک گیا۔ اگلی نشست سے مارک ٹیلی اور پچھلی نشست سے میں اور نسونڈ چھلانگ لگا کر باہر نکلے۔

''خفیہ'' لوگ بے حد خوفزدہ نظر آئے۔ وہ بھاگ نکلے اور سلیم نے ان کا تعاقب شروع کر دیا۔ ظاہر ہے کہ انہیں خوفزدہ کر کے بھگانے کے لئے اتنا ہی کافی تھا اور وہ دوبارہ نظر نہیں آئے۔

اس دوران غیر ملکی نامہ نگار پاکستان سے بھیجے جانے والے ٹیلیکس مواد کے تیسرے فریقوں کے ہاتھ میں پہنچنے کے سلسلے میں ممکنہ اقدام کے بارے میں ابھی تک وکلاء سے مشورے کر رہے ہیں۔ نامہ نگار اس بات کو یقینی بنانے کے لئے فکر مند ہیں۔ محکمہ تار کے حکام کو نامہ نگاروں کے تاروں کی نقلیں تیسرے فریق کو فراہم کرنے سے روکا جائے۔

ہفتے کے دن پانچ برطانوی اور ایک امریکی اخبار نویس کو بھٹو کے مقدمے کی خبریں بھیجنے کے سلسلے میں توہین عدالت کی کارروائی کا سامنا کرنا پڑا۔

ان میں میں خود، نسونڈ، ٹریورووڈ، رائٹر کے مقیم نامہ نگار کرس شیول ایک مقیم آزاد اخبار نویس جو آبزرور، فائنانشل ٹائمز اور بی بی سی کو خبریں بھیجتے ہیں وکٹوریہ شیفیلڈ جو کبھی کبھار اسپکٹیٹر کو خبریں بھیجتی ہیں اور نیوز ڈیک کے رون موریو شامل ہیں

نامہ نگاروں کے خلاف درخواستیں مسترد کردی گئیں۔

بھٹو کے لئے رحم کی ایک درخواست جسے کوئینز کورٹ کے مسٹر رائس بام کو پراورتر کی کے ایک آئینی قانون دان نے مرتب کیا ہے۔ پاکستان کے سپریم کورٹ کو پیش کردی گئی ہے۔ گذشتہ دن لندن میں ایمنسٹی انٹرنیشنل نے اس کا اعلان کیا۔

(1 مارچ 1979)

www.bhutto.org

ضیاء بھٹو کو پھانسی دینے کا تہیہ کئے ہوئے ہیں

(ڈیلی ٹیلیگراف بروس لوڈون)

پاکستان کے فوجی حکمران جنرل ضیاء الحق نے گذشتہ رات بھٹو کے انجام کے بارے میں اپنے ایک پرزور بیان میں کہا کہ وہ سابق وزیراعظم کو پھانسی دینے کا تہیہ کئے ہوئے ہیں۔ بشرطیکہ سپریم کورٹ انہیں دی جانے والی سزا کو برقرار رکھے۔

جنرل ضیاء نے انکشاف کیا کہ فوجی بغاوت کے ذریعے بھٹو سے اقتدار چھیننے کے بعد سے 18 ماہ میں پاکستان میں 400 افراد کو پھانسی دی گئی ہے۔

انہوں نے کہا کہ ان تمام لوگوں کے معاملے میں انہوں نے رحم کی اپیلیں اور معافی کی درخواستیں مسترد کر دی تھیں۔

گذشتہ رات یہ بیان دے کر جنرل ضیاء نے جاں بخشی کی ان تمام اپیلوں کا جواب دے دیا ہے جو عالمی رہنماؤں کی اکثریت نے کی تھیں۔ اور جن میں فیصلہ کن سمجھی جانے والی وہ اپیل بھی شامل ہے جو سعودی عرب کے شاہ خالد نے پچھلے ہفتے کی ہے۔

لاہور میں اخبار نویسوں سے خطاب کرتے ہوئے جنرل ضیاء نے کہا کہ "میں سربراہ مملکت کی حیثیت سے بھٹو کے معاملے کا فیصلہ کرتے وقت اپنا آئینی اختیار ضرور استعمال کروں گا۔ لیکن مجھے کوئی جواز نظر نہیں آتا کہ ایک فوجداری مقدمے کے نتائج کو جس کا فیصلہ ایک اعلیٰ عدالت نے کیا ہے ختم کر دیا جائے۔"

مسٹر بھٹو کا مقدمہ راولپنڈی میں سپریم کورٹ میں آخری مرحلے میں ہے عدالت کل

www.bhutto.org

سے پھر اجلاس کرے گی۔ اور اگلے ہفتے مسٹر بھٹو کی نظر ثانی کی اس درخواست پر فیصلہ کرے گی۔ جس میں پچھلے ماہ کے سزائے موت برقرار رکھنے کے فیصلے کے پہلوؤں کو چیلنج کیا گیا ہے۔

نظر ثانی کی درخواست کی سماعت کے دوران بیشتر دلائل اس سوال پر رہے ہیں کہ آیا سزائے موت کا جواز ہے یا آیا عدالت کو اسے عمر قید میں تبدیل کر دینا چاہئے۔

جنرل ضیاء کا گذشتہ رات کا بیان پہلی بار واضح نشاندہی کرتا ہے کہ عدالت جس فیصلے پر بھی پہنچتی ہے وہ خود کو اس کا پابند تصور کریں گے۔

مگر جنرل ضیاء اپنے ذہن کو بدلتے رہنے والے شخص کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں اور بعض سفارت کاران کا یوں ذکر کرتے ہیں ''سی ایم ایل اے کینسل مائی لاسٹ اناؤنسمنٹ (میں اپنا پچھلا اعلان منسوخ کرتا ہوں) یہ ان کے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے ٹائٹل کے حوالے سے ہے۔

اسی دوران گذشتہ رات یہ معلوم ہوا کہ پاکستان میں مقیم برطانوی حکام ۳۵ سالہ جن جیمس پی نامی لیول پول کے ایک شخص مائع حشیش رکھنے کے الزام میں لاہور جیل میں ہے کو ملک کے نئے اسلامی قوانین کے تحت برسر عام کوڑوں کی سزا سے بچانے کی کوشش کے طور پر درخواست کرنے والے ہیں۔

عدالت میں جو کچھ ہوا یہ ہے کہ اسے بتایا گیا کہ اسے ۴ سال قید اور ۱۸ کوڑوں کی سزا ہو سکتی ہے۔ اسے 16 مارچ کو سزا دی جانے والی ہے اور برطانوی حکام اس بات کو یقینی بنانے کی فکر میں ہیں کہ کم از کم اسے کوڑوں کی سزا نہ دی جائے۔

پاکستان کے اسلامی قوانین جنہیں جنرل ضیاء نے پچھلے ماہ متعارف کروایا کوڑوں کی سزا کے بل پر تمام منشیات پر پابندی لگاتے ہیں۔ اگر پی کو کوڑے مارے جاتے ہیں تو پہلا غیر ملکی ہو گا جو ئی سزاؤں سے براہ راست متاثر ہو۔

مگر ہر روز بے شمار پاکستانیوں کو گرفتار کیا جا رہا ہے اور ایسے الزامات عائد کئے جا رہے ہیں جنکا نتیجہ برسر عام کوڑوں کی سزا ہو گا۔ ان میں سے اکثر منشیات پر پابندی کے قانون کی خلاف

www.bhutto.org

ورزی کے الزامات میں ملوث ہیں، جس کی کم از کم سزا 60 کوڑے ہیں۔

ایک سخت اسلامی ریاست مسلط کرنے کے بارے میں بڑھتے ہوئے بحران میں پاکستان کے شیعہ فرقے کے ۲ کروڑ مسلمانوں کے رہنماؤں نے گذشتہ رات نئے قوانین کے خلاف ''عام احتجاج'' کی دھمکی دی۔

شیعہ فرقے کی مرکزی مجلس علماء کے رہنما سید نصیر الاجتہادی نے اپنے پیروؤں کے لئے مذہبی آزادی کا مطالبہ کیا۔

شیعوں کو شکایت ہے کہ جنرل ضیاء کے قوانین ان کے اپنے مذہبی اعتقادات کو کچل رہے ہیں۔ خاص طور پر وہ نئے مذہبی ٹیکسوں پر تنقید کرتے ہیں۔ اور شکایت کرتے ہیں کہ سزاؤں کے متعلق قوانین ان کے عقائد کے خلاف ہیں۔

مثال کے طور پر جنرل ضیاء نے سنی تعلیمات کی مطابقت میں حکم جاری کیا کہ چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا ہوگی۔ مگر شیعوں کا عقیدہ ہے کہ یہ غلط ہے اور کہ صرف انگلیوں کی پوریں کاٹی جانی چاہئیں۔

سید نصیر الاجتہادی، دوسرے اہم شیعہ رہنما ہیں جنہوں نے اس ہفتے نئے اسلامی نفاذ پر تنقید کی ہے۔

(4 مارچ 1979)

www.bhutto.org

حسین معرفی کا انٹرویو

(کویت ٹائمز)

کویت کے ممتاز افراد میں شاید ہی کوئی اتنا صاف گو اور اپنے سیاسی نظریات میں اس قدر واضح ہو جتنے کہ مسٹر حسین معرفی ہیں، جو زمینوں اور جائیدار کے مالک اور سرمایہ کار ہیں۔ آج کل وہ جس معاملے میں دلچسپی رکھتے ہیں اور مسٹر بھٹو کے انجام کار ہے جیسا کہ مسٹر معرفی کہتے ہیں بھٹو کی موت اگر انہیں پھانسی دی گئی تو پاکستان کے لئے قومی تباہی ثابت ہو گی۔

بھٹو پاکستان کے سابق وزیراعظم تھے اور انہوں نے پاکستان اور عالم اسلامی کے لئے بہت کچھ کیا ہے۔ پاکستان ایک پڑوسی مسلم ملک ہے اور ہم فطری طور پر اس کی فلاح و بہبود کے بارے میں فکر مند ہیں۔ یہ بات مسٹر معرفی نے مشرق میں واقع اپنے وسیع دفتر میں ایک انٹرویو دیتے ہوئے کہی۔

معرفی نے کہا کہ جلالتہ الملک، امیر کویت اور کویتی حکومت کے علاوہ جنہوں نے صدر ضیاءالحق کو سزایافتہ رہنما کی جاں بخشی کے لئے بذریعہ تار رحم کی اپیلیں بھیجی ہیں۔ مجھ جیسے کئی کویتی بھی یہی محسوس کرتے ہیں اور اس رائے پر متفق ہیں کہ انہیں سزائے موت نہیں دی جانے چاہئے۔

حسین معرفی طاقتور معرفی خاندان کے سربراہ ہیں جو جائیداد، سرمایہ کاری تفریحی ٹھیکیداری اور صنعتی کمپنیوں کا مالک ہے۔ وہ دسمان میں واقع آراستہ و پیراستہ دفتر سے ان کمپنیوں کا بندوبست چلاتے ہیں۔ مسٹر معرفی ایسے شخص ہیں جو پاکستان اور ہندوستان سے طویل عرصے سے تعلقات رکھتے ہیں اور اردو زبان کے عالم ہیں۔ جو انہوں نے ہندوستان میں حصول تعلیم کے

دوران سیکھی تھی۔ انہوں نے عدالتی کارروائی لاہور ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے فیصلوں کے صحیح یا غلط ہونے کے بارے میں کوئی سوال نہیں اٹھایا لیکن اس بات پر زور دیا کہ ججوں کو اپنے فیصلوں کے سلسلے میں خود اپنے ساتھ پرخلوص ہونا چاہئے اور کسی خوف اور جانبداری کے بغیر فیصلے دینے چاہئیں......"

"اس حقیقت سے انکار کیا ہی نہیں جا سکتا کہ بھٹو کا ایک مقبول رہنما اور عوامی آدمی ہیں۔ اس لئے ان کے معاملے کا فیصلہ صرف عوام پر چھوڑ دینا چاہئے۔" مسٹر معرفی نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ "پاکستان کے عوام کو یہ حتمی فیصلہ کرنے دیجئے کہ مسٹر بھٹو کو پھانسی دی جائے یا نہیں۔ ایک فوجی حکومت کو جس کے پاس عوام کا دیا ہوا اختیار نہیں ہے عوام سے ان کا حق نہیں چھیننا چاہئے۔"

بھٹو کو پھانسی دیئے جانے کی صورت میں مسٹر معرفی نے پاکستان کی سالمیت کے بارے میں اپنے خدشات کا اظہار کرتے ہوئے زور دے کر کہا کہ "میں اس خطے سے واقف ہوں اور اگر اس سزا پر عملدرآمد ہوا تو پاکستان بیچ سے ٹوٹ سکتا ہے۔ اس طرح یہ معاملہ صرف کسی ایک فرد کے انجام اور فلاح و بہبود کا نہیں ہے بلکہ پاکستان کے عوام اور اس کے ایک مملکت کی حیثیت سے برقرار رہنے کا ہے۔

بھٹو کو سزائے موت دینا ایک مسئلے کا اختتام نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ مسئلے کی ابتدا ہوگی۔ اس طریقہ کار سے صرف پاکستان کے دشمن ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں جیسا کہ وہ ملک میں فرقہ واریت اور علاقائیت پھیلا کر فائدہ اٹھا رہے ہیں۔"

انہوں نے مزید کہا کہ اگر صدر ضیاء کے لئے عوام سے فیصلہ لینا قابلِ قبول نہیں ہے تو پھر انہیں اس سے اتفاق کرنا چاہئے کہ اسلامی ملک کے قانون دانوں کی ایک کمیٹی تشکیل دی جائے اور اس سے کہا جانا چاہئے کہ وہ آخری فیصلہ کرے اور تمام فریقوں کو اس فیصلے کی پابندی کرنی چاہئے۔

مسٹر معرفی نے کہا کہ "ایک سابق صدر کو پھانسی دینا غلط بات ہے۔ بھٹو موقع واردات پر موجود نہیں تھے اور نہ ہی فائرنگ کے واقعہ سے ان کا مبینہ مقصد پورا ہوا۔ انہوں نے کسی کو ہلاک

www.bhutto.org

نہیں کیا۔ اور انہیں شبعہ کا فائدہ ملنا چاہئے۔

مسٹر معرفی نے آخر میں کہا کہ ''ذاتی طور پر رحم کی درخواست نہ کرنے میں حق بجانب ہیں کیوں کہ عزتِ نفس رکھنے والا کوئی رہنما ایسا نہیں کرے گا۔ اسلام رحم اور تحمل کی تبلیغ کرتا ہے۔ ہمیں ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہئے اور ایک دوسرے کو تباہ کرنے سے احتراز کرنا چاہئے۔

(7 مارچ 1979)

www.bhutto.org

تمام پڑوسی ملکوں نے ضیاء سے کہا ہے کہ وہ بھٹو کو چھوڑ دیں

(فار ایسٹرن اکنامک ریویو)

سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کی قسمت کا فیصلہ عدالتی کارروائی سے مسلسل جاری رہنے کے نتیجے میں ایک بار پھر دھندلا ہو چکا ہے اور اس خیال سے کہ پھانسی کی سزا پر عملدرآمد قریب الواقع نہیں ہے فضاء میں پھیلی ہوئی کشیدگی کم ہو گئی ہے۔ تاہم اس خیال کو تقویت پہنچانے کے لئے اٹل قانونی ضمانتیں حاصل نہیں ہوئی ہیں۔ عام خیال ہے کہ بھٹو کے وکلاء کو سپریم کورٹ میں نظر ثانی کی درخواست پر تفصیلی اظہار خیال کی اجازت مل جائے گی۔

دفاع کے بڑے وکیل یحییٰ بختیار کا خیال ہے کہ وہ اپنے موکل کے خلاف اکثریتی فیصلے کے ہر صفحہ پر موجود ایسی دس قانونی خامیوں کی نشاندہی کر کے بحث کر سکتے ہیں۔ جب کہ دوسری جانب حکومت کے وکلاء مقدمہ کو جلد از جلد نمٹانے اور مزید تاخیر دور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

قطع نظر کہ، سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کی تقرری کو چیلنج کیا گیا ہے۔ بعینہٖ دستوری بنیادوں پر متعدد درخواستیں بھی دائر کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ توہین عدالت کے مقدمات میں بھٹو کے وکلاء، پاکستان پیپلز پارٹی کی سنٹرل کمیٹی، وزیر اطلاعات محمود اعظم فاروقی، سیکرٹری اطلاعات میجر جنرل مجیب الرحمٰن ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے اعلیٰ حکام شامل ہیں۔ بھٹو کے وکلاء اور پی پی سنٹرل کمیٹی پر بھٹو کے خلاف سپریم کورٹ کے اکثریتی فیصلے پر متعصبانہ نکتہ چینی کا الزام ہے جب

www.bhutto.org

کہ باقی لوگوں پر بھٹو کے مقدمہ کے دوران ان کے خلاف مہم چلانے کا الزام ہے۔

گو اس بات کی پیش گوئی مشکل ہے کہ قانونی الجھنوں کو دور کرنے میں کتنے دن اور ہفتے درکار ہوں گے۔ لیکن حکومت کی یہ خواہش نظر آتی ہے کہ ان کی چھان پھٹک کا کام جلد ہو جائے۔ موجودہ حکومت بھٹو کے مقدمہ اور دیگر غیر متعلقہ معاملات میں بڑی مستعدی سے دلدل کی گہرائی میں اترتی جارہی ہے۔ درحقیقت اگر بھٹو کش مکش کا کوئی معقول فیصلہ ہو بھی گیا تو حکمرانوں کو حالات معمول پر لانے میں کچھ وقت لگے گا۔

وقت ایک اہم عنصر کا حامل ہے۔ اندرون ملک تیزی سے گرتی ہوئی اقتصادیات اور علاقائی صورت حال قطع نظر مقامی سوسائٹی کے اہم حصے بھٹو نوازی اور بھٹو دشمنی میں تقسیم ہو گئے ہیں جس سے بنیادی اور بڑا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ اس بات کی نشان دہی جنرل ضیاء کے نام فوج کے سابق چیف آف اسٹاف جنرل ٹکا خان نے اپنے خط میں کی ہے۔ اپنے عہدے سے سبکدوش ہونے کے بعد انہوں نے بھٹو کے قومی سلامتی کے مشیر کی حیثیت سے کچھ وقت کام کیا تھا۔ فی الوقت انہیں ان کی رہائش گاہ پر نظر بند کر دیا گیا ہے۔

انہوں نے دلیل دیتے ہوئے کہا کہ مسلح افواج کو سیاست سے علیحدہ رہنا چاہئے۔ اور صرف قانونی حکومت کی حمایت کرنی چاہئے۔ ٹکا خان نے بنگلہ دیش کی علیحدگی اور بلوچستان کی بغاوت کی مثالیں دیں۔ بعدازاں اختصار کے ساتھ پاکستان کی سرحدوں سے ملحقہ حالات کا جائزہ پیش کیا۔ انہوں نے اس خیال کا اظہار کیا کہ مسلح افواج کے اندرونی نزاع میں ملوث ہونے سے پاکستان کو نقصان ہو سکتا ہے۔

''ہم مزید کسی قسم کی صف آرائی نہیں چاہتے۔ کیوں کہ اس سے قومی سلامتی خطرہ میں پڑ سکتی ہے اور ملک ٹوٹ سکتا ہے۔ بعدازاں انہوں نے بھٹو کے مقدمہ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ ضیاء کو انٹیلی جنس کی ایجنسیوں کے ذریعہ معلوم ہوگا کہ عوام اس مقدمہ کے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔ ٹکا خاں نے مشورہ دیا کہ مسلح افواج کے وقار کو بچانے کے لئے ایسے حالات نہ پیدا کئے جائیں جن سے مسلح افواج کی وفاداری آزمائش میں پڑ جائے۔

www.bhutto.org

www.bhutto.org

ٹکا خان نے اپنے خط میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ ان کی ذات تک محدود نہیں ہے۔ کیوں کہ ان کے محسوسات اور خیالات میں ایسے بے شمار غیر ملکی رہنما بھی شامل ہیں جو پاکستان کے خیر خواہ اور دوست ہیں۔ تمام دوست اور پڑوسی ملکوں نے ضیاء سے کہا ہے وہ بھٹو کو چھوڑ دیں، ساتھ ہی ساتھ انہوں نے بھٹو کی پھانسی کی صورت میں پیدا شدہ خطرات سے بھی آگاہ کیا ہے۔ ان میں تازہ ترین ایران کے آیت اللہ خمینی ہیں جنہوں نے اپنی مشکلات کے باوجود وقت نکال کر ضیاء کو ٹیلی فون کیا۔ ابلاغ کے غیر ملکی ذرائع نے بتایا کہ اس خبر کو مقامی پریس سے دور رکھا گیا۔

پیکنگ کو اس صورت حال کا پوری طرح سے اندازہ تھا اس لئے انہوں نے زیادہ موثر طریقہ اختیار کیا۔ ضیاء کے نام چیئرمین ہوا کوفنگ کے ذاتی پیغام کے علاوہ چیئرمین اور نائب وزیراعظم سیاؤ پنگ دونوں نے چین کا دورہ کرنے والے پاکستانی فوجی وفد کو دوبارہ یہی مشورہ دیا کہ۔ پیکنگ نے فوجی وفد کو جو مشورہ دیا تھا اس کو مزید موثر بنانے کے لئے پیغام کو عالمی نشریاتی ادارے سے نشر بھی کیا گیا۔ چین کا کہنا تھا کہ اس سے قبل اس نے ایسی کوئی اپیل نہیں کی تھی لیکن پاکستان کے اپنے مفاد اور علاقہ میں حالیہ خلفشار کے پیش نظر اس نے اس اعتماد کے ساتھ اپیل کی ہے کہ اس کی بات سنی جائے گی۔

سعودی عرب کے شاہ خالد کا ایک سخت پیغام بھی پہنچ چکا ہے۔ پیغام کا متن ظاہر نہیں کیا گیا لیکن کہا جاتا ہے کہ چین کی لائنوں پر زیادہ سخت پیغام ہے۔ سعودی عرب کے سفیر ریاض الخطیب نے جنہوں نے 1977 میں پی پی پی اور قومی اتحاد کے درمیان ثالث کا کردار ادا کیا تھا 26 فروری کو آرٹ کی نمائش میں اس مسئلہ پر اظہار خیال کیا۔ گوان کے سابقہ تبصرہ کو مقامی سرکار نواز پریس میں دو کالمی سے کم جگہ ملی اور سفیر کے ان ریمارک کا خلاصہ غیر معروف کارنر میں جگہ دے کر اس کی حیثیت کم کرنے کی کوشش کی گئی۔

سفیر نے کہا کہ ''ہر چیز اللہ کے ہاتھ مین ہے۔ تاہم سعودی حکومت مسٹر بھٹو کی جاں بخشی کی ہر امکانی کوشش کر رہی ہے۔ عزت مآب کی اپیل کا ابھی تک کوئی جواب نہیں ملا۔ یہ اپیل محض

رسمی نہیں بلکہ پوری سنجیدگی کے ساتھ کی گئی ہے۔ ہم جو قدم اٹھاتے ہیں اس پر پہلے اچھی طرح غوروفکر کر لیتے ہیں۔ عزت مآب کوئی قدم اسی وقت اٹھاتے ہیں جب انہیں اس پر یقین ہو جائے ہم ایسی کوئی اپیل نہیں کرتے، اگر ہمیں اس کی قبولیت کا یقین نہ ہو۔

حکمران جنتا کو ان تمام غیر ملکی اپیلوں میں سعودی مشورہ کو نظر انداز کرنا بہت مشکل ہوگا۔ کیوں کہ اس مشورہ کا ردعمل نہ صرف سعودی عرب بلکہ دیگر مسلم ممالک سے تعلقات کی کشیدگی کی صورت میں بھی ظاہر ہو سکتا ہے۔

سعودی سفیر کا تبصرہ غیر معمولی تھا۔ اس کی ایک وجہ جنتا کا خود اپنا رویہ ہے۔ سرکاری پریس میں مہم چلائی گئی کہ دوست رہنماؤں کی جانب سے جو پیغامات موصول ہوئے ہیں وہ رسمی اور معمول کے مطابق ہیں۔

پریس کے ایک حصہ کی نشاندہی پر امریکی سفارت خانے نے بھی بڑی تیزی سے ردعمل ظاہر کیا۔ سفارت خانے نے اعلان کیا کہ صدر کارٹر نے جو پیغام بھیجا ہے وہ رسمی خانہ پری نہیں بلکہ سرکاری ہے اور پوری سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے۔ واشنگٹن میں ایک سرکاری ترجمان نے کہا کہ گو کارٹر کی اپیل میں انسانی پہلو کو زیادہ اہمیت دی گئی لیکن علاقائی صورت حال کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے۔

(9 مارچ 1979)

www.bhutto.org

پھانسی دی گئی تو نشانہ خود پاکستان ہوگا

(ایشیاویک)

وہ ترازو جس میں پاکستان کے معزول وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کی تقدیر جھول رہی ہے ممکن ہے کہ وہ اگلے ہفتے فیصلہ کن حرکت کرے۔ پچھلے ماہ سپریم کورٹ کی طرف سے ان کی سزائے موت کی توثیق ہونے کے بعد سے حالات پر نظر رکھنے والے لوگ سابق سحر کار رہنما کے بارے میں پرامید نہیں ہیں کہ وہ اپنی سیاسی زندگی کے شدید ترین بحران سے نکل آئیں گے۔ پچھلے ہفتے وہ باب شروع ہوا جو آخری باب بھی ثابت ہوسکتا ہے۔ یعنی سپریم کورٹ نے بھٹو کے وکیل یحییٰ بختیار کی اس درخواست کی سماعت شروع کی کہ جج صاحبان اپنے ٦ فروری کے اہم فیصلے پر نظر ثانی کریں۔

ہفتے کے وسط تک حالات بھٹو کے لئے گمبھیر آرہے تھے۔ سات افراد پر مشتمل بنچ کے سربراہ اور چیف جسٹس نے شروع ہی میں بختیار کو یاد دلایا کہ موجودہ معاملہ صرف ان قانونی غلطیوں تک محدود رہے گا جو اگر پہلے دیئے ہوئے فیصلے میں پائیں جائیں۔ انہوں نے زور دے کر کہا یہ کسی فیصلے کے خلاف اعلیٰ عدالت میں اپیل نہیں ہے۔ جب وکیل صفائی نے یہ دلیل دی کہ ان کے موکل کی سزا میں تخفیف کی جائے کیوں کہ وہ اس موقعہ واردات پر موجود نہیں تھے۔ جس کے لئے انہیں سزا دی گئی ہے تو جج نے فوراً ان سے مطالبہ کیا کہ وہ کوئی ایسی نظیر پیش کریں جس میں قتل کی سازش پر موت سے کم سزا دی گئی ہو۔ پہلے اجلاس کے بعد بختیار نے اعتراف کیا کہ انہیں توقع ہے کہ درخواست مسترد ہوجائے گی اور سماعت چند دنوں میں ختم ہوجائے گی۔

www.bhutto.org

اگر ایسا ہوا تو ایک ہفتے کی مدت ہوگی جس کے دوران کوئی بھی شخص صدر ضیاء الحق سے جان بخشی کی درخواست کر سکتا ہے۔ تب سزا یافتہ شخص کو قانوناً پھانسی دی جا سکتی ہے۔ بھٹو اپنے اس عزم پر قائم ہیں کہ رحم کی درخواست نہیں کریں گے۔ اور انہوں نے اپنے خاندان کو بھی اس کی ممانعت کی ہے، سعودی عرب کے شاہ خالد نے بھٹو کی جانب سے رحم کی درخواست کی ہے لیکن ضیاء نے نمایاں طور پر کہا ہے قیدی، جلاد کے پھانسی کے پھندے سے صرف اسی صورت میں بچے گا کہ سپریم کورٹ اس کی سزا میں تخفیف کرے۔

پھر بھی ایسی علامات نمایاں تھیں کہ مقدمہ پیچیدہ ہوتا جا رہا ہے۔ سپریم کورٹ نے بھٹو کے سابق وزیر حفیظ پیرزادہ کی یہ درخواست سماعت کے لئے منظور کر لی کہ حکومت کے زیر انتظام ذرائع ابلاغ کے حکام نے اس وقت جب کہ بھٹو کے مقدمے کا فیصلہ ہونے والا تھا ایسے مواد کی تشہیر کی جو بھٹو مقدمے کے لئے مضر تھا اور اس طرح توہین کے مرتکب ہوئے۔ وزیر اطلاعات محمود اعظم فاروقی اور نشریات سے متعلق ۳ دوسرے افراد سے کہا گیا کہ وہ ۴ ہفتوں کے اندر اپنا جواب داخل کریں۔

گو کہ ملک نسبتاً پرسکون ہے لیکن سیاسی حلقوں کو تشویش ہے کہ سپریم کورٹ کے فیصلے کے بعد سے حریف انتہا پسند گروہ خود کو مسلح کر رہے ہیں۔ ایشیا ویک کے آصف شمیم اطلاع دیتے ہیں کہ بھٹو کے آبائی صوبے سندھ میں چھوٹے مارکسی گروہ جو پچھلے دو سال میں وجود میں آئے ہیں۔ ان کے پاس بظاہر کافی اسلحہ ہے۔ فوجی حکومت نے بائیں بازو سے تعلق رکھنے والے تقریباً تمام اہم افراد کو جیل میں ڈال دیا ہے لیکن صوبے میں اب بھی کمیونسٹ جتھے تقریباً ایک درجن گوریلا ٹریننگ کیمپ چلا رہے ہیں۔ سیاسی حلقے سندھ میں بائیں بازو کے مسلح سرگرم افراد کی تعداد 1000 سے زیادہ بتاتے ہیں۔

انتشار زدہ بلوچستان میں (جہاں تقریباً تمام قبائلی رہنماؤں نے ضیاء کی فوجی حکومت کی مذمت کی ہے اور فوری انتخابات کا مطالبہ کیا ہے) قبائلی ذرائع نے کئی سرگرم عمل گوریلا کیمپوں کی موجودگی کی تصدیق کی ہے۔ ان میں سے سب سے بڑے کیمپ کے بارے میں بتایا جاتا ہے

www.bhutto.org

کہ وہ حساس بگٹی علاقے میں واقع ہے جس کو سابق گورنر نواب اکبر خان بگٹی کنٹرول کرتے ہیں۔ نواب صاحب جنہیں سیاست میں حصہ لینے کا نااہل قرار دیا جا چکا ہے اور جو اس وقت گرفتاری کے حکم کی خلاف ورزی کر رہے ہیں، کے بارے میں یقین کیا جاتا ہے کہ وہ روپوش ہو گئے ہیں۔

جہاں تک اسلام آباد کا تعلق ہے ان حالات سے ناواقف نہیں ہے اس نے ان گوریلوں کو مسلح کرنے کی منظوری بھی دے دی ہے جو پاکستان کے قومی اتحاد کے حامی کے طور پر پہنچانے جاتے ہیں۔ یہ لوگ کالعدم الشمس اور البدر سے تعلق رکھتے ہیں جو دائیں بازو کی جماعتوں کے اتحاد نے 1971 میں وہاں قائم کئے تھے جو اب بنگلہ دیش کہلاتا ہے۔ ان میں سے سینکڑوں کو ہندوستانی فوج نے گرفتار کر لیا تھا اور بعد میں پاکستان کو واپس کر دیا تھا۔ جب کہ دوسرے یا تو برما کے راستے بھاگ کر آئے تھے یا اقوام متحدہ کی زیر نگرانی واپس آئے تھے۔ الشمس اور البدر کو دوبارہ مسلح کرنے کا کام 1977 میں بھٹو کے خلاف احتجاج کے دوران شروع کیا گیا تھا۔ لیکن اس سال جولائی میں فوجی بغاوت کے بعد روک دیا گیا تھا اب دوبارہ اسلحہ فراہم ہو رہا ہے۔

حالات پر نظر رکھنے والے اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ فی الحال چند ہزار متصادم انتہا پسند بھرپور خانہ جنگی شروع نہیں کر سکتے۔ پھر بھی مجموعی رائے یہ ہے کہ ان کی بڑھتی ہوئی سرگرمیاں ایک طرف بھٹو کے حامیوں اور پرجوش مذہبی لوگوں کے درمیان اور دوسری طرف دائیں اور بائیں بازو کے درمیان صرف کشیدگی ہی میں اضافہ کر سکتی ہیں۔ جب بھٹو کی قسمت کا فیصلہ ہو جائے تو اس صورت حال کا نشانہ شاید خود پاکستان ہوگا۔

(9 مارچ 1979)

www.bhutto.org

سپریم کورٹ کے فیصلے پر عمل درآمد کیا جائے گا: ضیاء

(فارایسٹرین اکنامک ریویو)

حال ہی میں لاہور میں ایک اعلان میں صدر ضیاء الحق نے اعتراف کیا کہ قومی بیماری جوایک عرصہ سے ناسور بنی ہوئی تھی بالآخر ایک نازک مرحلے میں داخل ہوگئی ہے۔ ان کی اپنی کمان کو چھوڑ کر پورا ملک منقسم اور گروہ بندی میں ملوث ہے جو کچھ انہوں نے کہا اور جسے کوئی بھی متنازعہ نہیں سمجھتا یہ ہے کہ سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو، ہر ایک کے اپنے نکتۂ نظر کے مطابق یا تو اس بیماری کی جڑ ہیں یا اس کا واحد علاج۔

اور اسی آگاہی کے پس منظر میں کئی رجائیت پسندوں نے ضیاء نے سزا یافتہ وزیراعظم کے قریب ترین رفیق کار عبدالحفیظ پیرزادہ سے ملاقات کی۔ اعتدال پسندی کی کامرانی اور قومی اتحاد کی فتح کے طور پر پذیرائی کی۔ مگر 24 گھنٹوں کے اندر جنتا نے اعلان کیا کہ مسٹر بھٹو کو ایک سیاسی قتل میں مبینہ طور پر ملوث ہونے کی بناء پر سزائے موت دینے کے بارے میں اس کے ارادے تبدیل نہیں ہوئے ہیں۔

پرامیدی اس حقیقت سے پیدا ہوئی کہ ضیاء پیرزادہ ملاقات 3 واقعات کے جلو میں ہوئی تھی، یعنی سعودی عرب کے شاہ خالد کی طرف سے رحم کی اپیل سعودی عرب کے سفیر کی ضیاء کا جواب لے کر سعودی دارالحکومت ریاض روانگی اور ضیاء کے ۱۳علیٰ مددگاروں کا ریاض کا مختصر دورہ۔

www.bhutto.org

یقین کیا جاتا ہے کہ وفد 50 کروڑ امریکی ڈالر کی امداد کی مضبوط یقین دہانی لے کر آیا ہے۔ اہم اشیاء کی خریداری کے لئے اس رقم کی شدید ضرورت ہے اور گو کہ رجائیت پسند جنتا کے سخت موقف سے عارضی طور پر ڈگمگا گئے تھے۔ مگر اس بات پر مشکل ہی سے یقین آئے گا کہ وفد کے مذاکرات کے دوران بھٹو کا مسئلہ نہ اٹھایا گیا ہو۔

شاہ خالد نے صرف اپنی منشاء سے ہی مداخلت نہیں کی ہے بلکہ فرانس اور مغربی جرمنی نے بھی اس بات پر زور دیا تھا۔ الجزائر، لیبیا، شام، عراق، متحدہ عرب امارات، کویت، تنظیم آزادیٔ فلسطین اور مراکش نے اثر ڈالا تھا۔ بعض انتہا پسند عرب نجی طور پر کہتے ہیں کہ سعودی عرب کا پس پردہ رضامندی کے بغیر بھٹو کو پھانسی نہیں دی جا سکتی۔

علاوہ ازیں سعودی عرب کی طرف سے اس طرح کی مداخلت کی نظیر موجود ہے۔ 1950 کے آس پاس لاہور ہائی کورٹ سے مولانا مودودی کو ملنے والی سزائے موت سے رہائی بھی سعودی دباؤ کے بعد ہی نصیب ہوئی تھی۔ بعض مبصرین کہتے ہیں کہ مولانا مودودی دائیں بازوں کی جماعت اسلامی کے بانی، رہنما اور فلسفہ ساز ہیں۔ یہ جماعت آج کل ضیاء کی قریب ترین شریک کار ہے۔ آخری بات یہ کہ اسلام آباد کی ساری کی ساری سفارتی کور نے اب ضیاء کا یہ بیان سن لیا ہے کہ وہ شاہ خالد کی خواہش کو حکم تصور کرتے ہیں۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ جماعت اسلامی جو ہمیشہ سعودی عرب سے قریبی تعلقات کی پرجوش مدعی رہی ہے نے ایسی اپیلوں کے خلاف جیسی کہ شاہ خالد نے کی ہے ایک زبردست مہم چلائی ہے اور انہیں داخلی معاملات میں ناخوشگوار مداخلت قرار دیا ہے۔ اس کی دینی حریف جمعیت العلمائے پاکستان نے بھی اسی طرح کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اس کے رہنما مولانا نورانی نے بھٹو کو پھانسی دینے کی حمایت میں پرزور خیالات کا اظہار کیا ہے۔

ضیاء بذات خود اپنے مورچے پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ 30 مارچ کو انہوں نے نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی کے رہنما ولی خان سے کہا کہ سپریم کورٹ کے فیصلے پر عملدرآمد کیا جائے گا۔ لیکن پیرزادہ بھی اپنی راہ عمل سے ہٹنے کی کوئی علامت ظاہر نہیں کر رہے ہیں۔ انہوں نے انکار کیا کہ

www.bhutto.org

انہوں نے کوئی رحم کی اپیل کی تھی کہا کہ وہ ضیاء سے پھر ملیں گے اور یہ تبصرہ کیا کہ "یہ اہم بات نہیں ہے کہ کس کی پہل قدمی پر ملاقات ہوئی۔ جس کسی بھی اس کا انتظام کیا وہ اعلیٰ ترین قومی مفاد میں کام کرنے پر تعریف کا مستحق ہے۔

قومی اتحاد (پی این اے) کے قائد مفتی محمود کا رویہ پوری طرح واضح نہیں ہے۔ جنہوں نے اعلان کیا کہ گو ضیاء کو آزادی ہے کہ وہ کابینہ میں پی این اے کے وزیروں سے مشورہ کریں۔ مگر بھٹو کو پھانسی دینے کے آخری ذمہ دار صرف ضیاء ہوں گے۔ دوسری طرف اگر انہیں سزا کو موقوف کرنے کے بارے میں غور کرنا ہو تو ان کا فرض ہے کہ وہ پہلے پی این اے سے منظوری لیں۔

اسی دوران سپریم کورٹ میں مقدمہ قریب الختم ہے، چاہے اس کے فیصلے میں ان مسلسل اقدامات کی وجہ سے تاخیر ہو سکتی ہے جن میں اس بنچ کی تشکیل کی قانونی حیثیت کو چیلنج کیا گیا ہے جس نے بھٹو کی اپیل کو نمٹایا تھا۔

(16 مارچ 1979)

www.bhutto.org

پاکستان کو وقت دیا جائے

(فار ایسٹرن اکنامک ریویو)

اپنے جنوبی ایشیا کے دورے کے کئی دن بعد امریکہ کی ڈپٹی سیکرٹری آف اسٹیشن وارن کرسٹوفر نے ایوان کی ایشیاء اور بحرالکاہل کے معاملات سے متعلق ذیلی کمیٹی کے سامنے بیان دیا جس میں پاکستان کو کافی وقت کے خلاف دوڑ کو گھٹا کر پیش کیا گیا۔ انہوں نے کہا ''اگر پاکستان کو کافی وقت دیا جائے کہ کسی بیرونی خطرے کے بغیر اپنے داخلی مسائل حل کرے تو ایسی حکومت وجود میں آئے گی۔ جو عوام کی توقعات پر پوری اترے اور تمام لوگوں کو نظام کے اندر مفاد کی ضمانت دے۔''

کرسٹوفر کے بیان کی صداقت پر سوچ بچار کرنے والے پاکستانیوں کو کوئی اعتراض نہیں۔ بحث اب اس نکتے پر مرکوز ہے۔ بقاء کی ضمانت کے لئے کتنا وقت موجود ہے گو کہ ملک کے حکمران خطرے کی ان علامات کی طرف سے بہ ظاہر بے حس ہیں، جن میں دن دونا اضافہ ہو رہا ہے۔ اس رویے کا مخصوص مظہر وزیر محنت چوہدری ظہور الٰہی کا 16 مارچ کا یہ بیان ہے کہ ملک کے اندر اور باہر موجود حکومت کے خلاف سازشیں تیار کی جا رہی ہیں۔ کیوں کہ مغربی طاقتیں اسلامی نظام کے نفاذ سے خوفزدہ ہیں۔

خطے کی صورت حال پر بحث کرتے ہوئے بعض عناصر کی نشاندہی کی جو پاکستان پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔ انہوں نے پاکستان کے پڑوسی افغانستان میں سوویت یونین کی حامی ایک مضبوط حکومت کے وجود میں آنے، کابل کی طرف سے بعض سرحدی علاقوں پر دعوے کے احیاء

www.bhutto.org

کے بارے میں اسلام آباد کے اندیشے، پاکستان کے صوبہ بلوچستان اور صوبہ شمال مغربی سرحد میں باغیانہ تحریکوں کی ممکنہ افغان حمایت اور ہندوستان اور پاکستان کے درمیان بگڑتے ہوئے توازن کا ذکر کیا۔ انہوں نے انتباہ بھی کیا کہ اب اس امر کا واقعی خطرہ ہے کہ گہری جڑیں رکھنے والی تاریخ اور نفسیاتی طاقتیں دوبارہ عود کر آئیں۔'' اور یہ بھی کہ ''اس خطے میں بڑی طاقتوں کی آلودہ ہونے اور مقابلے میں شدت آجائے گی۔''

بعض ذمہ دار مقامی رہنما زیادہ سے زیادہ فکر مند ہوتے جا رہے ہیں۔ تحریک استقلال کے صدر ایئر مارشل اصغر خان نے کہا کہ ''پاکستان کے بچانے کا یہ آخری موقع ہے اور اس بار جب تک کہ معقولیت پسندی جذبائیت پر غالب نہ آجائے ملک کی سیاست کو شدید خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ دو روز بعد نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی (این ڈی پی) کے صدر شیر باز مزاری نے کہا کہ جنوبی ایشیا میں بڑی طاقتوں کے درمیان شدید کش مکش پاکستان کو دوسرا ویت نام بننے سے بچانے کے لئے سخت چوکسی کی متقاضی ہے۔ بلوچ رہنماؤں نے بھی پاکستان کو ٹوٹنے سے بچانے کی کوششوں کی ضرورت کے بارے میں بیانات دیئے ہیں۔

حیرت ہے کہ ان شدید اندیشوں کے باوجود خارجہ پالیسی کے ناقابل عمل اقدامات پر بحث جاری ہے۔ صدر ضیاء الحق نے اعلان کیا ہے کہ پاکستان میں کسی بڑی طاقت کی دشمنی برداشت کرنے کی سکت نہیں ہے۔ بہر حال ایسے لوگ بھی ہیں جو یہ دلیل دیتے ہیں کہ روسی وسائل پہلے ہی اتنے پھیلے ہوئے ہیں کہ ماسکو کو پاکستان کے اقدامات کے خلاف شدید ردعمل کی اجازت نہیں دیتے اور اسی بناء پر اسلام آباد کو افغان مسلم باغیوں کی مدد کرنے میں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

افغان حکومت کو بڑھتی ہوئی بغاوت کا سامنا ہے لیکن پاکستان کے اندر گوریلا تربیتی کیمپوں کے بارے میں ابتدائی اطلاعات کی یہاں حکومت نے فوری تردید کی ہے۔ مگر افغان مزاحمتی گروہوں نے راولپنڈی میں ایک مشترکہ پریس کانفرنس منعقد کی اور کہا کہ انہیں پاکستان میں سیاسی پناہ ملی ہے اور یہ کہ وہ کابل کی حکومت کے خلاف مسلح جدوجہد کر رہے ہیں۔ کچھ دباؤ

www.bhutto.org

پڑنے کے بعد اسلام آباد نے ایک بار پھر اپنے ملوث ہونے سے انکار کیا اور الزام مغربی ذرائع ابلاغ پر رکھ دیا کہ وہ اس علاقہ کی نازک صورت حال کو مزید نازک بنانے کے لئے گمراہ کن پروپیگنڈے میں ملوث ہو رہے ہیں۔ مگر اس نے اقرار کیا کہ 35 ہزار افغان مہاجرین کو پناہ دے رہا ہے اس کا یہ مطلب بھی تھا کہ تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔

افغانستان واحد مسئلہ نہیں ہے جس کے بارے میں پاکستان فکر مند ہے۔ ایران میں عدم استحکام کے عمومی اندیشوں کے علاوہ ایران اور پاکستان کی سرحد پر رہنے والے بلوچیوں کے خودمختاری کے مطالبے سے بھی تشویش لاحق ہے۔ پاکستانی اسلحہ کی خریداری کی فہرست میں امریکہ نے زبردست کاٹ چھانٹ کر دی ہے۔ اور یقین کیا جاتا ہے کہ نیو دہلی کی مخالفت کی بنا پر یہ اقدام کیا گیا ہے اور اس پر اضافہ یہ پیچیدگی ہے کہ پاکستان کے کئی روایتی حمایتی یہاں غیر نمائندہ حکومت کے مسلسل جاری رہنے کے بارے میں تحفظات رکھتے ہیں گو کہ اسے کھل کر بیان نہیں کرتے۔

حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کے مسائل ایک تجزیاتی نظر سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ داخلی نوعیت کے ہیں اور بہ آسانی غیر ملکیوں کے ہاتھوں استعمال ہونے کے لئے خود کو پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح کا ایک مسئلہ سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کی ممکنہ پھانسی ہے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو نہ صرف پاکستان کی داخلی سیاست بلکہ غیر ممالک سے اس کے تعلقات پر بھی چھایا ہوا ہے۔ اپنی معزولی سے مہینوں پہلے شاہ ایران نے ضیاء کو پیغام بھیجا جس میں اس بناء پر بھٹو کو پھانسی نہ دینے پر زور دیا گیا تھا کہ اس کے بعد پاکستان میں ہونے والی گڑبڑ پورے خطے کو متاثر کر سکتی ہے۔

اس پیغام کے بعد سے اس خطے میں ہونے والی تبدیلیوں نے پاکستان کے دوستوں کے اندیشوں کو مضبوط ہی کیا ہے، گو کہ بعض لوگ بھٹو کو پھانسی دینے کی صورت میں کسی بڑی گڑبڑ کو خارج از امکان قرار دیتے ہیں لیکن طویل مدت میں پاکستان کے استحکام پر اس کے مضر اثرات کے بارے میں بہت کم لوگ شک کرتے ہیں۔

پھانسی دینے کے اخلاقی جواز سے قطع نظر پاکستان کے پڑوسیوں اور خیرخواہوں کے اندیشوں کی بنیاد ملک کے اندر کے مخصوص عوامل ہیں۔ وفاق پاکستان کی تشکیل کرنے والے چار

www.bhutto.org

صوبوں میں پنجاب کی آبادی ملک کی کل آبادی کا 54 فیصد ہے اور تاریخی وجوہات کی بنا پر دوسرے صوبوں کے مقابلے میں زیادہ خوشحال ہے۔ یہ نہ صرف اقتصادی زندگی اور سیاست بلکہ شہری انتظامیہ اور مسلح افواج پر چھایا ہوا ہے۔ اسی لئے بلوچستان کے ایک وزیراعلیٰ اور بلوچی سیاست میں ایک معتدل مزاج شخص عطاء اللہ مینگل نے کہا کہ قومی مسائل کے حل کے سلسلے میں پہل قدمی 3 اقلیتی صوبوں کی طرف سے نہیں بلکہ پنجاب کی طرف سے ہونی چاہئے۔

تازہ ترین مقامی کیمونسٹ نظریہ اسی خیال کی پیروی کرتا ہے۔ وہ خیال یہ ہے کہ پاکستان میں اصل استحصال شمال کی مذہبی شہری، فوجی نوکر شاہی ہے اور یہ کہ بھٹو صرف نوکر شاہی کے آلۂ کار تھے۔ جس نے اب انہیں بیکار سمجھ کر مسترد کر دیا ہے۔ گذشتہ ۱۴ ماہ میں یہ نظریہ بلوچستان اور بھٹو کے آبائی صوبہ سندھ میں مقبولیت حاصل کرتا رہا ہے۔

کیمونسٹوں اور تعصب پسندوں کے مشترکہ نعرے سے قطع نظر اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ 30 سال قبل پہلے وزیراعظم کے قتل کے بعد سے پاکستان کے معاملات میں فیصلہ کن حیثیت رکھنے والی پنجاب کی اشرافیہ غیر روادار، مغرور اور تنگ نظر رہی ہے۔ یہی وہ سبب تھا جس نے اس وقت کے پاکستان کے مشرقی بازو بنگال میں پیرٹی کے مطالبے اور مغربی پاکستان میں پنجاب، سندھ، بلوچستان اور شمال مغربی سرحد کے علیحدہ قیام کے مطالبے کی ہوا دی۔ دونوں مطالبات کو تسلیم کرنا پڑا۔ مگر تاخیر کے بعد۔

اگر یہ حقیقت نہ ہوتی کہ 1970 کے انتخابات میں پنجاب نے بھٹو کے سندھی ہونے کے باوجود ان کے حق میں ووٹ دیا تھا تو 1971 میں پاکستان کے ٹوٹنے کی صورت اور بھی زیادہ خراب ہوسکتی تھی۔ مگر اپنے آبائی صوبے میں سندھیوں کی معاشی شکایات کو دور کرنے کی بھٹو کی کوششوں نے ہجرت کر کے آنے والے ہندوستانی مسلمانوں اور پنجابیوں کو ناراض کر دیا جو قیام پاکستان کے وقت سے سندھ میں معیشت انتظامیہ اور عوامی زندگی پر چھائے ہوئے تھے۔ یہ سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ 1977 کی فوجی بغاوت جس نے بھٹو کو اقتدار سے ہٹا دیا، کے بعد سے ان کئی نسلاً سندھیوں نے جنہیں بھٹو اپنے دورِ اقتدار میں انتظامیہ اور چھوٹے کاروبار میں

www.bhutto.org

لائے تھے، یہ دیکھا کہ انہیں دھکا دے کر ہٹا دیا گیا ہے۔

بین الصوبائی کشیدگی کے علاوہ خطرات سے پر مذہب کا مسئلہ بھی ہے۔ شیعہ فرقہ جو اکثریتی مسلم آبادی کا25-30 فیصد بنے اپنے بچوں کو اپنی دینیات پڑھانے کے حق کو چھن جانے اوران کے عقائد کے منافی قوانین کے نفاذ پر مشتعل ہے۔ ایران میں شیعوں کے عروج سے حوصلہ پاکر یہ اب اکثریتی سنی فرقے کے مساوی برتاؤ کا مطالبہ کر رہا ہے۔ حال تک اس مطالبے کو نظر انداز کیا جاتا رہا جب کہ ایرانی شیعہ رہنما آیت اللہ خمینی نے پاکستانی اخبار نویسوں سے اس توقع کا اظہار کیا کہ پاکستان میں تمام فرقوں سے مساویانہ سلوک کیا جائے گا۔ اس کے بعد ضیاء نے شیعہ نمائندوں کے ایک وفد کو ملاقات کا موقع دیا اوران سے کہ وہ انہیں ان کے شخصی قوانین کی اجازت دیں گے اور عام قوانین میں ان کے نکتہ نظر کو شامل کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس بات نے ابھی تک شیعہ برادری کو مطمئن نہیں کیا ہے۔

مزید برآں یہ تنقید بڑھتی جارہی ہے اوران میں روشن خیال سنی علماء بھی شامل ہو گئے ہیں کہ حال ہی میں جن اسلامی حدود کا نفاذ کیا گیا ہے وہ صرف ایسے معاشرے میں نافذ کی جاسکتی ہیں جو معقول حد تک احتیاج اور ترغیبات سے پاک ہو۔ این ڈی پی نے اعلان کیا ہے کہ مذہب اور سیاست کو خلط ملط نہیں کرنا چاہئے۔ تحریک استقلال نے اعلان کیا ہے کہ غربت زدہ عوام کو سزاؤں کی بجائے ان کے مصائب دور کرنے والے اقدامات کی ضرورت ہے۔

اس کے علاوہ پیچیدگی پیدا کرنے والا ایک اور عنصر یہ ہے کہ حکومت کے ساتھ صرف سنیوں کے بنیاد پرست حلقے ہی وابستہ ہیں۔ یہ قوالی، اولیاء کے مزاروں کی زیارت اور دوسرے مقبول عام مذہبی طور طریقوں پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں اور سعودی عرب سے حوصلہ افزائی اور حمایت پاتے ہیں جو اپنے طرز کے بنیاد پرست اسلام کی تبلیغ کے لئے خطیر رقم خرچ کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عوام میں مقبول علماء فرقہ وارانہ اختلافات پر زور دے رہے ہیں کہ وہ اقلیت کو اس بات کی اجازت نہیں دیں گے کہ وہ دوسروں پر اپنا مذہب تھوپے۔ انہیں ذاتی شکایت بھی ہے۔ بنیاد پرست مولوی انتظامیہ سے اپنے تعلق کی وجہ سے مسجدوں پر قبضہ کر رہے ہیں اور مقبول عام مولویوں

www.bhutto.org

کو نکال باہر کر رہے ہیں۔

گو ضیاء خود ایک بنیاد پرست ہیں مگر ہوشیاری کے ساتھ ان دونوں کی درمیانی راہ تلاش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ تمام سنی مولویوں کو سدھارنے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کی مشترکہ طاقت کو اپنے اسلامی نظام کے پروگرام کو فروغ دینے اور بھٹو کو ختم کرنے کے لئے استعمال کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے دوسروں پر پابندی کو برقرار رکھتے ہوئے مولویوں کو اجازت دی ہے کہ عام جلسے کریں اور لاؤڈ سپیکر استعمال کریں۔ انہوں نے مولویوں کو ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر آزادانہ دسترس کی اجازت دی ہے۔ ان اقدامات نے جہاں مولویوں کو بھٹو کے خلاف متحرک کیا ہے وہاں انہوں نے سر منڈلانے والے مذہبی تنازعے کو نہیں روکا ہے۔

اگر تمام گروہی جھگڑوں اور بھٹو کے مسئلے کو الگ بھی کر دیا جائے تب بھی ضیاء کسی طرح کی عوامی توثیق کے ساتھ استحکام کے لئے اندرونی اور بیرونی دباؤ کو زیادہ عرصے نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے وہ پہلے ہی اپنے منصوبے بنا رہے ہیں۔ یہ اعلان کرتے ہوئے کہ مغربی جمہوریت پاکستان کے لئے سازگار نہیں، جہاں جاہل عوام کو کوئی بھی جذباتی تقریریں کرنے والا بہالے جا سکتا ہے۔ وہ فوج کو سیاست میں شامل کرنے کی تجویز پیش کرتے ہیں۔

ماضی میں فوجی مداخلتوں کے ریکارڈ کا ذکر کرتے ہوئے سیاستدانوں کے درمیان کش مکش کی وجہ سے وہ جو تجویز پیش کرتے ہیں وہ فوجی بغاوت کو دستوری حیثیت دینے کے مترادف ہے۔ یہ کہے بغیر کہ آیا وہ چاہتے ہیں کہ سربراہ مملکت صرف فوج سے ہونا چاہیے۔ وہ کہتے ہیں صدر کو یہ حق ہونا چاہئے کہ وہ اسمبلیوں اور وزیر اعظم کو برطرف کر سکے چند ماہ تک فوج کی مدد سے ملک کا نظم و نسق خود چلائے۔ اور اس کے بعد انتخابات منعقد کرائے۔

گو کہ تینوں اقلیتی صوبوں کے بعض رہنما یہ دلیل دے رہے ہیں کہ بھٹو کا دیا ہوا دستور ایک مردہ حرف ہے اور اسی بناء پر صوبائی خود مختاری کی تعریف نئے سرے سے متعین ہونی چاہئے۔

www.bhutto.org

اکثر سیاسی رہنما اور خود ضیاء زور دیتے ہیں کہ یہ آئین اب بھی ملک کا اعلیٰ ترین قانون ہے۔ آئین کی موجودگی میں جس میں فوجی حکومت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ فوجی حکومت کو سپریم کورٹ کے ایک فیصلے نے جائز قرار دیا تھا۔

عدالت نے اس صورت حال کے پیش نظر، جسے اس نے مقننہ اور انتظامیہ دونوں کی ناکامی قرار دیا، فوجی بغاوت کو ماورائے آئین ضرورت کے طور پر جائز قرار دیا تھا۔ بہرحال اس نے تیسری ریاست عدلیہ کی ناکامی کا اعلان نہیں کیا۔ اس نے اعلان کیا تھا کہ فوجی حکومت جن قانون سازی کے اور انتظامی اختیارات کا استعمال کرے گی عدالتیں ان کی جانچ پڑتال کرسکتی ہیں۔

مگر مسلمانوں اور غیر مسلموں کے لئے جداگانہ انتخاب کا طریقہ وضع کرنے کے لئے جنتا آئین میں پہلے ہی ترمیم کر چکی ہے۔ عدلیہ سے متعلق دفعات میں ردوبدل کر چکی ہے اور یہاں تک قانونی طریقہ کار کو تسلیم کرنے کی راہ اختیار کئے بغیر ملک کے صدر اور وفاقی کابینہ کا تقرر کر چکی ہے۔

(30مارچ1979)

www.bhutto.org

www.bhutto.org

www.bhutto.org

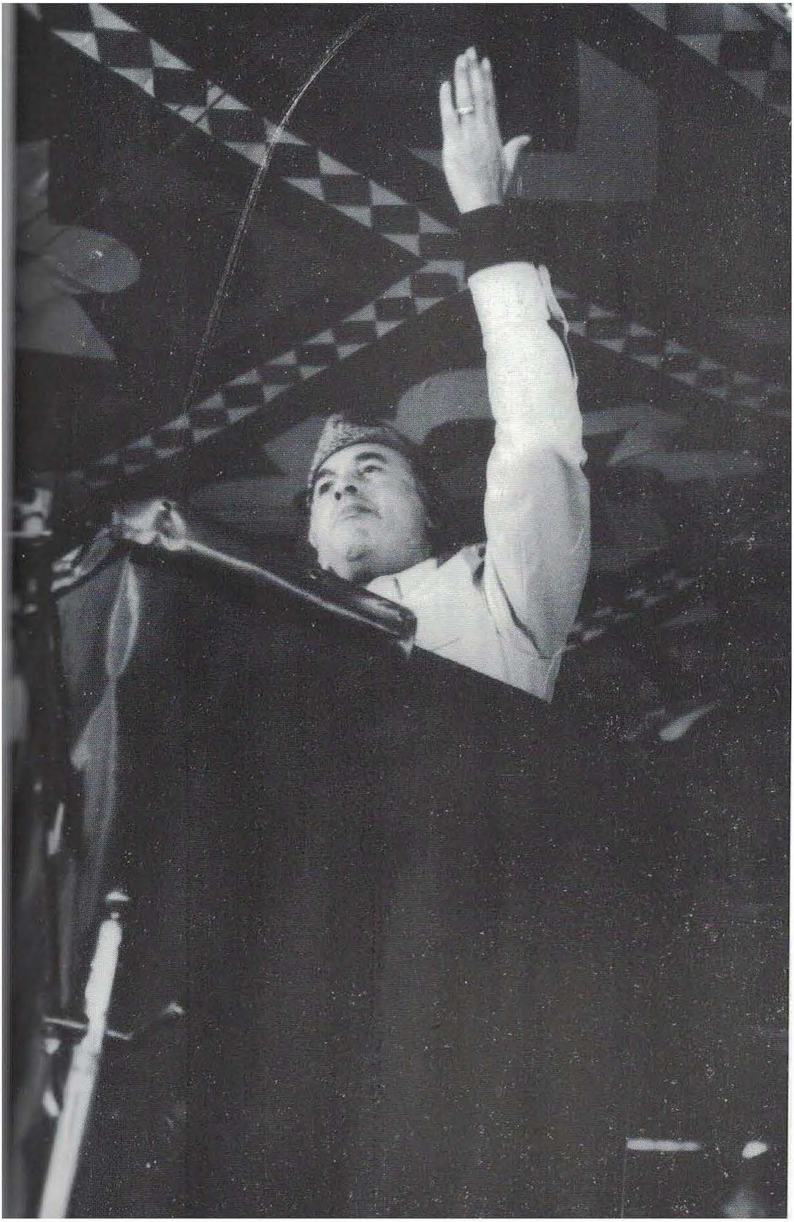

www.bhutto.org

www.bhutto.org

www.bhutto.org

www.bhutto.org

حصہ دوم: شہادت کے بعد

www.bhutto.org

www.bhutto.org

کویت کی تاریخ کا سب سے بڑا ماتمی جلوس
لوگ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے

(عرب ٹائمز)

عرب ٹائمز نے 5اپریل1979 کے اداریہ میں لکھا کہ غیر ضروری خونریزی سے محسوس ہوتا ہے کہ ہم ہلاکو خان کے دور میں داخل ہو چکے ہیں۔ عالمی رہنماؤں کی اپیلوں کو نظر انداز کر کے پاکستان کے سابق وزیر اعظم بھٹو کو پھانسی دے دی گئی۔ حالانکہ ان کی سزا میں تخفیف کر کے قید میں تبدیل کیا جا سکتا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تیسری دنیا کے بعض رہنما خونریزی کو استحکام کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ بھٹو کی غلطیاں خواہ کچھ ہوں، لیکن اسلامی برادری کے سلسلے میں ان کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے عالمی مخالفت کی پرواہ کئے بغیر، پرامن مقاصد کے لئے جوہری توانائی کے حصول کی جدوجہد جاری رکھی خاص طور پر امریکہ یہ بات پسند نہیں کرتا کہ اسلامی دنیا ترقی کرے اور جوہری توانائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے۔

یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ بھٹو کی موت نے اسلامی ممالک کے سربراہوں کو پریشان کر دیا ہو گا اور جس کے بڑے بڑے تلخ نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ دنیا بھر میں ضیاء الحق سے بھٹو کی جاں بخشی کی اپیلوں کے مثبت جواب کی توقع کی جا رہی تھی لیکن یہ توقع اس وقت خاک میں مل گئی جب گذشتہ روز نصف رات کو بھٹو کو پھانسی دیدی گئی تیسری دنیا کے کچھ لیڈروں کی یہ عادت بن گئی ہے کہ وہ کسی کے خون سے اپنے اقتدار کا محل تعمیر کرتے ہیں اور بالآخر وہ خود بھی اس طریقہ کار کی

www.bhutto.org

بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔

5اپریل کو کویت ٹائمز میں جناب بھٹو کی پھانسی کی خبر لیڈ تھی۔ تفصیلات میں بتایا گیا کہ کویت کے عوام اور وہاں مقیم پاکستانیوں نے شدید صدمہ، تلخی اور مایوسی کے عالم میں یہ خبر سنی کی ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دے دی گئی۔ یہ خبر تمام موضوعات اور موڈ پر حاوی ہوگئی یہاں تک کہ مشرق وسطیٰ کی سنگین صورتحال بھی اس خبر سے دب گئی۔ ریڈیو کویت نے صبح ۶ بجے اپنے عربی نیوز بلیٹن میں نشر کی جس کے بعد سعودی اسٹیشنوں اور گلف کے دوسرے اسٹیشنوں نے یہ خبر نشر کی۔

پاکستانیوں اور ہندوستان نے اپنے کاروبار بند کر دیئے سرکاری دفاتر اور کمپنیوں کے ملازمین بھی مایوسی اور بے یقینی کے عالم میں اپنا کام چھوڑ کر باہر نکل پڑے اخبارات کے دفاتر کے ٹیلیفون کھڑکنے لگے۔ ہزاروں کالیں زیادہ تفصیلات جاننے کے لئے موصول ہو رہی تھیں۔ صرف کویت ٹائمز نے کم وبیش ہزاروں کالوں کا جواب دیا۔ کویت ریڈیو نے ۸ بجے انگریزی سروس میں جب نیوز براڈ کاسٹ کی تو اس وقت تک یہ المناک خبر پورے شہر کو اپنی لپیٹ میں لے چکی تھی اور لوگ برملا اس خیال کا اظہار کر رہے تھے کہ ایک رہنما کو انتقام کا نشانہ بنا کر اسے شہید کیا گیا۔

جہاں تک پاکستانی سفارت خانہ کا تعلق ہے تو اس کا کاروبار معمول کے مطابق جاری تھا۔ ٹیلیفون ہمیشہ کیطرح مصروف تھا اور اس کے سفارتکار قدرتی طور پر پہنچ سے باہر تھے۔

سرکاری ذرائع نے ہمدردی کے خاص احساسات چھپانے کی کوشش نہیں کی لیکن خود کویتی حکومت نے سرکاری طور پر کسی قسم کی رائے کا اظہار نہیں کیا۔ ڈپٹی پرائم منسٹر اور فارن منسٹر شیخ صباح الاحمد اسی صبح کو متحدہ عرب امارات کے دورے پر روانہ ہوئے جبکہ وزارت خارجہ کے حکام نے اس پر کسی قسم کے تبصرہ سے گریز کیا۔ کویت نیوز ایجنسی (Kuna) نے پھانسی اور عالمی ردعمل پر بڑی تفصیل سے خبریں بھیجیں۔

کویت میں مقیم پاکستانیوں کا فوج، رجعت پسندوں اور ان کے اتحادیوں کے بارے میں بڑا شدید ردعمل تھا، انہوں نے انتقام کی قسم کھائی اور اعلان کیا کہ اس کے ذمہ داروں کو معاف نہیں کیا جائے گا۔ پاکستان پیپلز کلب کے چیئرمین میٹنگ ہوئی جس میں منظور کی جانے والی

www.bhutto.org

قرارداد میں اسلامی سربراہ کانفرنس کے چیئرمین جناب بھٹو کی پھانسی کی سزا پر عمل درآمد کی مذمت کی گئی اور ان کی موت پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا گیا۔ قرارداد میں ناانصافی، کردار کشی تشدد ذہنی اور جسمانی اذیتوں کی شدید مذمت کی گئی۔ جو بھٹو کو پھانسی دینے سے قبل روا رکھی گئی تھیں۔

قرارداد میں اس یقین کا اظہار کیا گیا کہ بھٹو کی شہادت نے انہیں ناقابل شکست طاقت میں تبدیل کر دیا ہے۔ قرارداد میں کہا گیا کہ ہم پورے اعتماد کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ شہید بھٹو نے اسلام اور جمہوریت کی جنگ جیت لی ہے جبکہ جن لوگوں نے انہیں پھانسی پر چڑھایا وہ جنگ ہار چکے ہیں۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ حق طاقت ہے لیکن طاقت حق نہیں ہے۔

www.bhutto.org

بھٹو کو پھانسی دے کر پوری دنیا کی توہین کی گئی ہے

(کویت ٹائمز)

اپنے سابق سرپرست مسٹر بھٹو کی سزائے موت میں تخفیف کرنے میں صدر ضیاء کی ناکامی اس عزت اور احترام کے بارے میں بہت کچھ کہتی ہے جو وہ دنیائے عرب اور عالم اسلام سے تعلقات کے لئے رکھتے ہیں۔ جس نے بلا استثناء رحم کی اپیل کی تھی۔

دوسری طرف جب عرب/اسلامی دنیا نے بھٹو کی جاں بخشی کے لئے بار بار زور دیا۔ تو اس نے پاکستان سے تعلقات کے لئے انتہائی احترام کا مظاہرہ کیا۔ اسے واقعی یقین تھا کہ بھٹو کی پھانسی ایسی شورش کو ہوا دے سکتی ہے کہ جنرل ضیاء اس سے زیادہ سخت گیری اور خونخوار طریقوں جس کا وہ اپنے پیشرو پر الزام لگاتے ہیں، کے بغیر خود اس پر قابو پانے کے اہل نہ رہیں گے۔ عرب/اسلامی دنیا جس نے ہمیشہ اتنی دریا دلی کے ساتھ پاکستان کی مدد کی ہے، اسے امداد دی ہے اور اس سے ہمدردی کی ہے۔ وہ یہ نہیں دیکھ سکتی کہ اس کا ایک دوست اور پڑوسی ملک ایک اور داخلی شورش سے دوچار ہو۔ اور یہ ظاہر ہو جانے کے بعد کہ اس مقدمے میں بہ نسبت کسی فوجداری پیچیدگی کے جس کا دعویٰ کیا جاتا تھا۔ یا/اور کسی قانونی پاکیزگی کے جس کی دلیل دی جاتی تھی، ذاتی انتقام کا زیادہ دخل تھا۔ اس نے بار بار سرگرمی کا مظاہرہ کیا۔

اب جب کہ پھانسی پر عمل درآمد ہو چکا ہے لازمی طور پر یہ نتیجہ نکالنا چاہئے کہ صدر ضیاء نے ذاتی حساب کتاب چکانے کو قومی مفاد پر ترجیح دی ہے اور اس کی قیمت اور نتائج کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ اب انہیں اسی طرح کی نتائج کا سامنا کرنے کے لئے خود کو تیار کر لینا چاہئے، جس کا

www.bhutto.org

سامنا بھٹو کو اپنے طویل کیریئر میں کرنا پڑا تھا۔ یعنی اقتدار اور مقبولیت کے عروج سے انتظامی غلط کاریوں تک اور پھر اندرونی بغاوت اور آخری انجام تک۔

سیاست لین دین اور ضروریات کا ایک کھیل ہے۔ جس سے فوجی حکمران نامانوس ہیں۔ دورِ جدید میں تمام ممالک میں پاکستان خاص طور پر جنگ میں اور اسی طرح داخلی حکمرانی میں فوج کے برے پہلو سے دوچار ہونے کی بدنصیبی کا شکار رہا ہے۔ اس بدنصیب دن سے لے کر جب کہ 1958 میں مرحوم ایوب خاں نے اقتدار پر قبضہ کیا تھا۔ پاکستانی عوام فوج کے ہاتھوں بدسلوکی ہی پاتے رہے ہیں مگر جو ہر بار یہ دعویٰ کرتی رہی ہے کہ وہ صرف قوم کو ''بچانے'' کے لئے اقتدار پر قبضہ کر رہی ہے۔

بھٹو وہ واحد عوامی رہنما ہیں جو پاکستان نے اپنی تیس سال سے کچھ زیادہ کی تاریخ میں پیدا کیا ہے۔ وہ پاکستان کی ان داخلی اور خارجی پالیسیوں کے معمار تھے جن کی فوجی حکومت نے صرف سعادت مندی کے ساتھ پیروی کی ہے۔ اس بات کے لئے زبردست سفارتی اور سیاسی مہارت کی ضرورت ہوتی ہے۔ فوج جس سے آشنا نہیں ہوتی کہ ایسی حالت میں عالمی طاقتی بلاکوں سے بہتر تعلقات کو برقرار رکھا اور فروغ دیا جائے جب کہ ملک ان میں سے ایک سے فوجی طور پر منسلک ہو، انہوں نے چین اور روس سے بہتر تعلقات کو فروغ دیا اور تیسری دنیا اور غیر وابستہ ممالک کے مفادات سے وابستگی اختیار کی اور ترقی پسندانہ پالیسیاں اختیار کیں۔ جن سے وہ ملک کے اندر عوام میں اور ملک سے باہر بیرونی دنیا میں مقبول ہوئے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ انہوں نے عرب دنیا سے بہترین تعلقات کو فروغ اور پاکستان کے لئے اس کی ہمدردیاں حاصل کیں۔ انہوں نے ملک کو 1971 میں فوج کی پیدا کردہ ذلت سے بچایا اور دنیا کی ہمدردیوں کو اس طرح اجاگر کیا کہ اس سے ان کے اور ملک کے امیج کو بڑھاوا ملا۔

یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ ایسی نامور شخصیت ایک ایسے مرحلے کو پہنچی کہ اسے عدالت قانون سے موت کا فیصلہ ملا اور اس سے زیادہ دہشت ناک یہ بات ہے کہ اس سزا پر عمل درآمد کیا گیا۔ لاہور ہائی کورٹ کے فیصلے کے بارے میں تنازعے، اپیل پر سپریم کورٹ کے فیصلے

میں 3-4 کا اختلاف اور اسی عدالت کی 'سفارش' نظر ثانی کی درخواست پر فیصلے میں کہ رحم کی درخواست پر غور کرتے وقت صدر معافی کے حق میں صفائی کے دلائل پر غور کریں۔ ان سب باتوں سے واقف ہوتے ہوئے یہ ایک انتہائی قسم کی جانی بوجھی بے حسی ہے کہ آخر کار مدعا علیہ شک کا کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکا۔

بھٹو سمیت کسی بھی شخص نے ان کی انتظامی خود پسندی اور اختیارات کے غلط استعمال سے انکار نہیں کیا۔ لیکن ان کا تعلق زیادہ تر انتظامی اور مالی معاملات لیکن ان کا نتیجہ سخت سزائیں نہیں ہوتیں۔ اس مخصوص ''فوجداری'' مقدمے میں جس میں انہیں سزا دی گئی اس میں کئی سقم تھے جنہیں کم از کم عالمی رائے نے صدر ضیاء سے بار بار اپیلیں کرتے وقت نظر انداز نہیں کیا تھا۔ دنیا بھر میں ایسے کئی سابق رہنما ہیں جن پر اختیارات کے غلط استعمال کے الزام لگے۔ ان میں تازہ ترین ایران کے سابق شاہ ہیں۔ لیکن کسی کو اس طرح سزا نہیں دی گئی اور نہیں قتل کیا گیا جیسا کہ بھٹو کو کیا گیا۔ صدر ضیاء کی طرف سے کم از کم سہولت بھی نہ دیئے جانے سے عرب/اسلامی ممالک کو بھٹو کے خاندان اور ان کے لاتعداد حامیوں سے زیادہ دکھ پہنچا ہے۔ وہ ایک عزم محکم رکھنے والے انسان کی طرح موت سے ہمکنار ہوئے۔ جنہوں نے آخر وقت تک اپنی بیگناہی برقرار رکھی اور قرآن ہاتھ میں لے کر سولی پر چڑھ گئے انہوں نے اسلام کے لئے جدوجہد کی، مسلمانوں کی بہتری کے لئے جدوجہد کی اور مختلف اسلامی مفادات کے لئے جدوجہد کی جس میں فلسطین کے مفاد کو فضیلت حاصل تھی۔

اسلامی رہنماؤں کو یہ جان کر حیرانی ہوگی کہ انہوں نے 1974 میں لاہور میں کسی ایسے شخص کی صدارت میں ہونے والی اسلامی سربراہی کانفرنس میں شرکت کی تھی، جو تقریباً اسی وقت کسی ایسے وقوعے میں مشغول تھا جو پانچ سال بعد اس کے لئے موت لانے والا تھا۔ اسلامی سربراہی کانفرنس، سیرت کانگریس، اسلامی سیکریٹریٹ یہ سب بھٹو کی ذہنی اولادیں ہیں اور عالم اسلامی یہ رہنمائی اور سہولتیں فراہم کرنے کے لئے ان کی شکرگذار ہے۔ جن کے بغیر یہ منعقد نہیں کی جا سکتی تھیں۔

www.bhutto.org

جدید تاریخ میں بھٹو کی پھانسی کی کوئی مثال یا نظیر نہیں ہے، عالمی رائے کو ٹھکراتے ہوئے اس پر عمل درآمد کیا گیا ہے۔ جو بیرونی دنیا کے احساسات کے لئے صدر کی پذیرائی نہیں بلکہ تحقیر کی نشاندہی کرتا ہے۔ روایات کے برخلاف رات کے اندھیرے اور عجلت میں پھانسی دینے کا اختیار دے کر صدر نے صرف بین الاقوامی اور داخلی دباؤ کو ناقابل برداشت حدوں تک پہنچنے سے پہلے کاٹ دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ بھٹو سے خوفزدہ تھے جو ایک بدبودار کوٹھڑی میں جس سے پہلے چھ مقفل دروازے تھے، صرف ایک قیدی تھے، جب کہ وہ صدر، چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر، مسلح افواج کے سربراہ، دفاع اور وزیر خارجہ کے تمام اختیارات سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

تاریخ میں بھٹو ایک شہید کی حیثیت سے جانے جائیں گے۔ وہ اب نہیں رہے۔ لیکن انکے تصورات پارٹی اور پیروکار بھرپور طور پر زندہ اور طاقتور ہیں۔ ان کے لئے تو جنگ اب شروع ہی ہوئی ہے۔

(5اپریل1979)

www.bhutto.org

پھانسی نے بھٹو کو شہید بنا دیا

(سن ٹائمز شکاگو)

1977 سے انہوں نے ذوالفقار علی بھٹو کی جمہوری طور پر منتخب حکومت کا تختہ الٹ کر پاکستان پر آمریت قائم کردی تھی، اسی وقت سے دنیا جنرل ضیاء الحق کو ایک مطلق العنان حکمران کی حیثیت سے جانتی ہے۔

اب ان کے ہاتھوں بھٹو کو پھانسی پانے کے بعد سے دنیا انہیں ایک خون کے پیاسے اور کم عقل کی حیثیت سے جاننے لگی ہے۔

بھٹو کو قتل کے جس مقدمے میں سزائے موت دی گئی ہے، اس کی کارروائی پر بین الاقوامی قابل احترام قانون دانوں نے برہمی ظاہر کی ہے۔ لیکن پھانسی دینا ہی بظاہر صرف ایسا طریقہ تھا، جس کے ذریعے ضیاء اپنے ایک ایسے سیاسی دشمن کا قصہ ختم کر سکتے تھے، جسے وسیع عوامی اور خاص طور پر پاکستان کے غریبوں کی حمایت حاصل تھی۔

اور اسی میں خون کی پیاس سے بڑھ کر بے عقلی پوشیدہ ہے۔ پاکستان ساڑھے سات کروڑ کی ایک ملون قوم ہے، جو فوجی حکومتوں اور بدعنوانی سے تنگ آئی ہوئی ہے اور علاقائی مناقشات سے ٹکڑوں میں بٹی ہوئی ہے۔ بھٹو کا تعلق جنوبی صوبے سندھ سے تھا۔ جو پاکستان کے ۴ صوبوں میں سب سے زیادہ دھماکہ خیز ہے۔

جلاد کا پھندہ کس کر ضیاء نے بھٹو کو شہید بنا دیا ہے۔ اور اس طرح انہیں موت کے بعد اس سے زیادہ خطرناک بنا دیا ہے، جتنے کہ وہ زندگی میں تھے۔

www.bhutto.org

شمال میں پنڈی میں ضیاء کے مخالف مظاہرے پھوٹ پڑے ہیں، جہاں غضبناک ہجوموں نے ''شرم، شرم، ضیاء.........'' کے نعرے لگائے، اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بقیہ پاکستان کے بیشتر حصے فوجی بوٹوں کے تلے مسخر ہیں۔

فرشی دروازے کے کھل جانے کے بعد یہ ضیاء حکومت ہے، جو آہستہ آہستہ ہوا میں بل کھا رہی ہے۔

(7 اپریل 1979)

www.bhutto.org

بھٹو کی موت کے پروانے پر دستخط کر کے ضیاء نے اپنی موت کے پروانے پر دستخط کئے

(اکانومسٹ)

اس ہفتے جب پاکستان کے فوجی حکمران جنرل ضیاء الحق نے معزول وزیراعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی زندگی چھین لینے کے پروانے پر دستخط کئے تو کئی پاکستانیوں نے محسوس کیا کہ وہ خود اپنی موت کے پروانے پر بھی دستخط کر رہے ہیں۔ ''ایک قبر دو آدمی'' کا نعرہ پھر سے زندہ ہو گیا لیکن اس بار اس کی پشت پر مظاہرین کی غصے میں بھری ہوئی چیخیں اور خود فوج کے اندر پریشان کن گھن گرج ہے۔

بھٹو کو پھانسی دینے کا فوری نتیجہ ملک میں علاقائی، فوجی اور سیاسی ہر سطح پر تقسیم میں مزید اضافہ ہے۔ انتہائی بنیادی سطح پر نعرہ ہے انتقام۔ پنڈی میں مظاہرہ کرنے والی چند ہزار خواتین نے بدھ کے دن، جس دن کہ بھٹو کو پھانسی دی گئی تھی، مسلح پولیس والوں کی حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے 'ضیاء اور اس کی اولاد کے لئے موت'' کا نعرہ لگایا۔ اس جذبے کی بازگشت دوسری جگہوں پر بھی سنائی دے رہی ہے۔ گو کہ یہ نجی محفلوں میں ہے۔ لیکن اب اس میں اعتماد زیادہ ہے۔ اگر بھٹو کے معاونین میں کوئی شخص لیڈر بن کر سامنے آتا ہے تو جنرل ضیاء کی حفاظت کے مشکل مسئلے سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اس سے نمٹنے کے لئے فوج کو باہر لانا پڑے گا۔ لیکن کیا فوج کے تمام حلقے اس پر عمل کریں گے؟

www.bhutto.org

ہوسکتا ہے کہ جنرل ضیاء نے بھٹو کی مقبولیت کا غلط اندازہ لگایا ہو۔ اس میں شک نہیں کہ وہ اس بات پر تکیہ کرتے ہیں ردعمل وقتی ہوگا لیکن یہ بات تقریباً یقینی ہے کہ بھٹو مسئلے پر خود ان کی مسلح افواج میں تلخ تقسیم کو انہوں نے بہت گھٹا کر دیکھا ہے۔ ان کے بعض افسران نجی طور پر فکرمند ہیں کہ آیا وہ ان مظاہروں کو کچلنے کے لئے طاقت استعمال کرنے پر خود کو آمادہ کر سکیں گے جو خود ان کے اپنے احساسات کی عکاسی کرتے ہیں۔ دوسرے زیادہ سادہ طریقے پر کہہ رہے ہیں ضیاء کو ضرور ہٹ جانا چاہئے۔ جنرل ضیاء کی طاقت اس بات پر پوشیدہ ہے کہ ان کے افسر ملک کے وفادار ہیں اور انہیں یقین ہے کہ اگر فوج میں پھوٹ پڑی تو اس کے نتیجے میں تباہی آئے گی۔ پاکستانی فوج کو کم ازکم ابھی تک خود اس کے خلاف بغاوت سے واسطہ نہیں پڑا ہے۔ بھٹو کو پھانسی دینے کی دانش مندی کے بارے میں افسروں کے شکوک وشبہات میں غیرفوجیوں کے حیرت زدگی کے ردعمل نے مزید اضافہ کیا ہے۔ اسلام آباد میں مسلح افواج میں شامل ایک بھائی کو کہہ دیا گیا ہے کہ جب تک وہ وردی میں ہے اس کی اپنے بہن کے گھر آمد کو پسند نہیں کیا جائے گا۔ بھٹو کے حامیوں کا یہ ردعمل اس حقیقت کے باوجود کہ پیپلز پارٹی کے ہزاروں سرگرم کارکن بغیر کسی مقدمے کی کارروائی کے جیلوں میں ہیں اور حفاظتی افواج ہر جگہ موجود ہیں۔

پاکستانی خاص طور پر اس بات پر نظر رکھے ہوئے ہیں کہ دیکھیں ان چار افراد کے ساتھ کیا پیش آتا ہے جنہیں بھٹو کے ساتھ سزائے موت سنائی گئی تھی۔ بھٹو کا موقف یہ تھا کہ فوجی حکومت نے انہیں مقدمے میں پھانسا ہے اور ان کو سزا دلوانے کے لئے کرائے کے ملزم عدالت میں پیش کئے گئے ہیں۔ بھٹو کے وکلاء نے اس میں مزید اضافہ کیا کہ شریک ملزمان کو ان کی گواہیوں کے صلے میں ان سے معافی کا (اور شاید انعام کا بھی) وعدہ کیا گیا ہے۔ اگر جنرل ضیاء انہیں معاف کرتے ہیں تو بھٹو کے حامی دعویٰ کریں گے کہ سازش ثابت ہوگئی ہے۔ اس لئے اس کی بجائے وہ کچھ نہیں کریں گے۔ پاکستان میں سزائے موت پانے والوں نے اپنی رحم کی درخواستوں کے نتیجے میں پانچ پانچ سال تک انتظار کیا ہے۔

(17 اپریل 1979)

www.bhutto.org

بھٹو کا کوئی سیاسی متبادل نہیں ہوگا

(دی اکانومسٹ لندن)

بدھ کے دن صبح سے پہلے راولپنڈی جیل میں مسٹر بھٹو فوت ہو گئے۔ کچھ تو اس وجہ سے کہ وہ ایک شدید جرم کے مرتکب پائے گئے لیکن اس وجہ سے کہ ان کو پھانسی چڑھانے والوں کو خوف تھا کہ جب تک وہ زندہ ہیں۔ پاکستان میں ان کے سائے تلے کوئی چیز اگ نہیں سکتی۔ 1977 میں محصور وزیراعظم کو انکے عہدے سے معزول کرنے والے سپاہی پر یہ یقین چھا گیا۔ غالباً ذاتی حفاظت جیسے قومی عناصر کو خارج کیئے بغیر یہ ایک فیصلہ کن عنصر تھا جو جنرل ضیاء الحق کے اس فیصلے میں کارفرما تھا کہ رحم کی ان اپیلوں کو نظر انداز کر دیا جائے جو دوسرے ممالک (اکثر مسلم ممالک سمیت) کے رہنماؤں کی طرف سے ان پر آبشار کی طرح گر رہی تھی اور ان میں وہ اپیلیں بھی شامل تھیں جو سزایافتہ کی مرضی کے خلاف آخری دنوں میں اس کے رشتہ داروں اور عزیزوں کی طرف سے کی گئیں۔

20 برسوں میں عوامی ووٹوں سے منتخب ہونے والے واحد پاکستانی رہنما کو بالآخر جس انداز میں پھانسی دی گئی وہ ایک مکروہ صورت تھی۔ سپریم کورٹ نے وعدوں کو ایک نئی کھیپ کو ہضم کیئے بغیر سزائے موت میں تخفیف کے لئے صدر ضیاء کو کافی معقول بنیادیں فراہم کر دیں تھیں۔ اور اس بار کسی عدالتی فیصلے کو مسترد کرنا بھی نہیں تھا۔ 24 مارچ کو سپریم کورٹ نے مسٹر بھٹو کی وہ درخواست مسترد کر دی تھی جو اس کے قلیل ترین (4-3) کے فیصلے جس میں سازش قتل کے لئے دی جانے والی سزا کو برقرار رکھا گیا تھا پر نظر ثانی کے لئے دی گئی تھی۔ لیکن ججوں نے نشاندہی کی کہ

www.bhutto.org

اس کے باوجود ان کے وکلاء کے دلائل رحم کے اختیار کو استعمال کرتے وقت انتظامی حاکم مجاز کے غور کرنے کے لائق تھے۔ اختلاف کرنے والے ایک جج صفدر شاہ نے درحقیقت اس بات کی وضاحت کرنے کے لئے ایک پریس کانفرنس طلب کی کہ انہوں نے اور ان کے چھ رفقاء نے مضمر طور پر رحم کی سفارش کی تھی اور یہ کہ انہیں ایسی کوئی مثال یاد نہیں جس میں ایسی سفارش کو نظر انداز کیا گیا ہو۔ جنرل ضیاء کے اس کو نظر انداز کرنے کی راہ پسند کرنے سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ ان کا فیصلہ اسی قدر سیاسی تھا۔ جس قدر کہ وہ عدالتی تھا اور جیسا کہ کسی سابق وزیر اعظم کے بارے میں کسی فیصلے کو ہونا ہی چاہئے تھا۔ لیکن آخری دنوں میں قیدی کے ساتھ جو سنگدلانہ اور توہین آمیز انداز اختیار کیا گیا۔ اسے ساری سہولتوں سے محروم کر دیا گیا تھا۔ جس میں کموڈ کا ہٹایا جانا بھی شامل ہے۔ یہاں تک کہ کوٹھری میں انہیں مارا پیٹا گیا۔ وہ ایک غیر متعلق ثالث کے خیالات کو خراب کرتا ہے۔ اس آخری گندے فیصلے سے قبل سابق وزیر اعظم کے خلاف مقدمے کی طویل کارروائی کے انداز کے بارے میں سوالات اٹھائے گئے تھے۔ اس مسئلے کے حل نے ان سوالات کی وضاحت کرنے یا منصفانہ ذہنیت کے بارے میں جنرل ضیاء کی گری ہوئی شہرت کو بچانے کے لئے کچھ نہیں کیا۔

پھر بھی جب بدھ کے دن جلاد نے اپنا کام انجام دے دیا تو ان میں سے بہت سے مسائل غیر متعلق ہو گئے ہیں۔ اب اہم بات یہ ہے کہ آیا صدر کا یہ حساب کتاب درست تھا کہ مسٹر بھٹو کی موت پر کسی پرتشدد ردعمل پر قابو پانے میں کامیاب ہوگی۔ یا نہیں اور یہ کہ آیا وہ اس بات کو محسوس کر لیتے ہیں کہ اب یہ ضروری ہو گیا ہے کہ وہ اس سال انتخابات کرانے اور فوج کو سیاست سے واپس لے جانے کے اپنے تازہ ترین وعدے پر قائم رہیں۔

جنرل ضیاء، غیر متنازعہ طور پر ایک بات کے بارے میں درست ہیں کہ مسٹر بھٹو نے اپنی معزولی کے روز سے لے کر اپنی موت کے دن تک پاکستان کی سیاست پر ایک مفلوج کر دینے والا سیاہ غلاف چڑھائے رکھا تھا۔ لیکن مسٹر بھٹو کی مسلسل بلکہ روز افزوں مقبولیت کا سہرا مسٹر بھٹو کی بہ نسبت فوج اپنے سر باندھنے کی زیادہ مستحق ہے۔ مسٹر بھٹو نے اپنے چھ سالہ واقعتاً بلا روک ٹوک

دور حکومت میں وفاداروں کا ایک بڑا حلقہ بنا لیا تھا جو بیشتر غریب عوام پر مشتمل تھا جنہیں انہوں نے مادی وعدوں اور وقار کے ایک نئے احساس کے ذریعے اپنا ہمنوا بنا لیا تھا۔ لیکن انہوں نے اپنی جابرانہ حکمرانی سے کافی دشمن بھی بنا لئے تھے۔ جو حزب اختلاف کی زبردست تحریک کے دوران سڑکوں کو پاٹنے نکل آئے اور انہیں ایسا پکا ہوا پھل بنا دیا جسے جنرل ضیاء توڑ سکیں۔ ۹ جماعتی اتحاد، جس نے بھٹو کے خلاف عوامی جگن ناتھ کی سواری کی تھی۔ شاید ان پہلے انتخابات میں بھٹو کو شکست دے دیتا جو فوج نے اکتوبر 1977 میں منعقد کرنے کی اعلان کیا تھا لیکن تب جنرل حواس باختہ ہو گئے مسٹر بھٹو کو گرفتار کر لیا اور انتخابات منسوخ کر دیئے۔

اس کے بعد سیاسی اور اقتصادی جمود وہ 18 ماہ کا عرصہ آیا جس میں پاکستان مسٹر بھٹو کی تقدیر کے فیصلے کے انتظار میں سانس روکے منتظر رہا۔ سرمایہ کاری رک گئی۔ بیرونی قرضوں میں اضافہ ہوا۔ سیاسی عمل کو منجمد کر دیا گیا۔ مستحکم حکومت کی واحد علامت یہ تھی کہ مارشل لاء کو بے رحمی کے ساتھ نافذ کیا گیا۔ مسٹر بھٹو سے پہلے 400 افراد کو پھانسی دی گئی اور جو ایک اکیلی پہل کاری پیچھے کی طرف دیکھنے والے اسلامی قانون کا نفاذ تھی۔

ان حالات میں یہ کوئی حیرانی کی بات نہیں ہے کہ مسٹر بھٹو کا کوئی سیاسی متبادل پیدا نہیں ہوا اور اگر یہی حالات جاری رہے تو کوئی پیدا بھی نہیں ہوگا۔ وزیراعظم کو پھانسی چڑھانا چاہئے وہ کس زمانے میں کتنے جابر کیوں نہ رہے ہوں کسی بھی ملک کے لئے ایسا طریقہ نہیں ہے۔ جس سے زیادہ جراتمندانہ قسم کے سیاستدان پیدا کئے جا سکیں۔ پھر بھی ہو سکتا ہے کہ مسٹر بھٹو کا خاتمہ پاکستان کے غیر فوجی سیاستدانوں کو نئی سیاست کی تشکیل کا موقع فراہم کرے اس سے اس واحد عذر کا بھی خاتمہ ہو گیا ہے۔ جس کا سہارا لے کر فوج میدان میں تھی۔ جنرل ضیاء اور ان کے رفقاء یہ ثابت کرنا چاہئیں گے کہ جمہوریت کی بحالی کے راستے میں حقیقی رکاوٹ مسٹر بھٹو تھے۔ جلد انتخابات کے اپنے وعدہ پر قائم رہ کر انہیں ایسا کرنا چاہئے اور سیاستدانوں کو اپنی غلطیاں کرنے کے لئے چھوڑ دینا چاہئے۔

(7 اپریل 1979)

www.bhutto.org

بھٹو کو اسلامی قوانین سے مستفید ہونے کی اجازت نہیں دی گئی

(دس فورٹ نائٹ، نئی دہلی)

بھٹو کے مقدمے کا ایک پہلو، جسے عام طور پر نظر انداز کیا جا رہا ہے یہ ہے کہ انہیں (بھٹو) ان اسلامی قوانین سے مستفید ہونے کی اجازت نہیں دی گئی، جو ضیاء نے زبردستی پاکستان میں نافذ کئے تھے۔ سپریم کورٹ نے فیصلہ دیا کہ بھٹو پر کیونکہ عام قوانین کے تحت مقدمہ چلایا گیا اس لئے ان کی اپیل پر اسلامی قوانین کے تحت غور نہیں کیا جا سکتا۔

پاکستان میں اب اسلام کے جو شریعت قوانین نافذ ہیں ان کے تحت بھٹو کی سزائے موت کو بحال نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ جنرل ضیاء نے 8 فروری کو ہائی کورٹ سے منسلک شریعت بنچ اور سپریم کورٹ سے منسلک اپیلیٹ شریعت بنچ قائم کیں اور جیسا کہ ضیاء نے اعلان کیا ان بنچوں کا کام یہ یقین دلانا ہے کہ عدالتیں اسلام کے منافی قوانین پر عمل نہیں کر رہی ہیں۔

شریعت میں وعدہ معاف گواہ کی شہادت کی کوئی گنجائش نہیں اور اسے تسلیم نہیں کیا جاتا کیونکہ وہ (وعدہ معاف گواہ) جرم میں شریک ایک فریق ہوتا ہے اور پنجاب ہائیکورٹ کے فیصلے (بھٹو کا فیصلہ) کی بنیاد مکمل طور پر وعدہ معاف گواہ (مسعود قریشی) جو بھٹو کی فیڈرل سیکورٹی فورس کے سابق سربراہ تھا کی شہادت تھی۔ علاوہ ازیں شریعت ایک ایسے شخص کو قتل کے جرم میں سزا دینے کی اجازت نہیں دیتی۔ اگر اس نے ہلاک کرنے کا عمل خود نہ کیا ہو اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ

www.bhutto.org

بھٹو کہیں بھی اس موقع واردات پر موجود نہیں تھے۔

پاکستان کے شعلہ رو، وجیہہ اور نوابی شان رکھنے والے سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کو ۴ اپریل کی ابتدائی ساعتوں میں پھانسی دے دی گئی۔

تقریباً 2 سال قبل جب قابض جنرل ضیاء الحق نے انہیں گرفتار کر لیا تھا۔ اسی وقت سے یہ بات ظاہر تھی کہ انہیں سولی کو بوسہ دینا ہی پڑے گا۔ ضیاء جیسی ڈولتی پوزیشن رکھنے والا کوئی بھی شخص اس بات کی اجازت نہیں دے سکتا تھا کہ طاقت کا ایک مرکز موجود رہے۔ اسے بڑھنے کا موقع دینا تو دور کی بات ہے۔ پاکستان میں جو صورت حال نمودار ہو رہی تھی۔ اور جنرل ضیاء پر بین الاقوامی دباؤ ڈالا جا رہا تھا۔ ان حالات میں ان کے پاس اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں تھا کہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے اپنے سابق کرم فرما کے وجود کو مٹا دیں۔

سیاست صرف ایک گندا کھیل ہی نہیں بلکہ یہ بے رحم بھی ہے۔ اس کھیل میں نتائج طریقہ کار کی درشتگی کا جواز بنتے ہیں جس میں انسانی نرم دل کا دودھ آسانی کے ساتھ زہر میں تبدیل ہو جاتا ہے اور ہر ایک ضمیر کی کسی کسک اور انسانی تعلقات کی نفاستوں کا کوئی لحاظ کئے بغیر اپنے خالق سے بڑا بننے کی کوشش کرتی ہے۔ اگر ضیاء اس کے برعکس کچھ کرتے تو وہ انسان سے کوئی کمتر شے ہوتے۔

لیکن اگر جنرل یہ سوچتے ہیں کہ بھٹو کے خاتمے کے ساتھ ان کے تمام مسائل حل ہو گئے ہیں تو ذرہ برابر بھی ذہانت ان کے کھاتے میں نہیں ڈالی جا سکتی۔ زندہ بھٹو سے زیادہ ان کا بھوت طاقتور ہوگا وہ اور زیادہ غضبناکی کے ساتھ ان پر منڈلاتا رہے گا کیونکہ ان کے اہل وطن کی وسیع اکثریت کی نظر میں اور مختلف وجوہات کی بنا پر اور اقوام عالم کے عوام کافی بڑی تعداد میں انہیں ایک شہید کی عبا پہنا دی گئی ہے۔

یہ بھٹو ہی تھے جنہوں نے 1971 میں ہندوستان کے ہاتھوں شرمناک شکست کھانے کے بعد کٹے پھٹے پاکستان کو جو حقیقتاً ریزہ ریزہ ہو چکا تھا مشکلات سے نکالا انہیں بجا طور پر نئی زندگی پانے والے پاکستان کا دوسرا قائداعظم کہا جا سکتا ہے۔

www.bhutto.org

وہ ایک انتہائی ذہین اور شائستہ ایسے پاکستانی تھے جو دنیا کے کسی بھی رہنما کے مقابلے پر اپنے موقف پر قائم رہ سکتے تھے۔

وہ اپنے سیاسی مستقبل کی زیادہ پرواہ کئے بغیر چھوٹے اور قومی مقاصد سے بلند ہو سکتے تھے۔ یہ بات مشکوک ہے کہ کوئی اور پاکستانی سیاست دان 1972 میں جو شملہ کانفرنس میں شرکت کی جرات کر سکتا تھا۔

وہ جدید عصری نکتہ نظر کے حامل تھے اور انہوں نے نظام مصطفیٰ کے نام پر جماعت اسلامی کے جھنڈے تلے مسلم احیا اور تاریک پرستی کا ڈٹ کر مقابلا کیا۔

اس جرم کے مقابلے میں جس کا انہوں نے مبینہ طور پر ارتکاب کیا تھا اور جس کی قیمت انہیں اپنی جان سے ادا کرنے پر مجبور کیا گیا۔ اپنی نوعمر قوم کے لئے ان کی خدمات بہت زیادہ وقیع ہیں۔

کٹر ہیرو پرستوں کے اس ملک میں ان کا رحم کی اپیل کرنے سے انکار ان کے مزید عقیدت مند پیدا کرنے میں ناکام ہوگا۔

ان کو پھانسی دیئے جانے سے کچھ ہی پہلے گوجرانوالہ، کوئٹہ اور کراچی میں بموں کے دھماکے ہوئے۔ یہ علامات تھیں کہ ان کی ناقابل معافی پھانسی کے بعد صورت حال کیا ناگوار رخ اختیار کرے گی۔ بلاخوف تردید یہ پیشگوئی کی جا سکتی ہے کہ پاکستان کے طول و عرض میں وسیع پیمانے پر فسادات ہوں گے۔

بلاشبہ جنرل ضیاء ایسی سختی پر اتر آئیں گے جس کی نظیر نہ ملے۔ لیکن یہ بات مشتبہ ہے کہ آیا وہ اس ہیجان پر جو بعد میں لازمی طور پر پیدا ہوگا۔ کچل دینا تو درکنار، قابو بھی پا سکیں گے۔ اپنے 2 ہزار سالہ سیاسی حق کے تمام تر دعوؤں کے باوجود شاہ ایران اپنا تخت نہیں بچا پائے کیونکہ عوام نے انہیں مسترد کر دیا تھا۔ جنرل ضیاء جیسے نئے نواب کے لئے یہ تقریباً ناممکن ہوگا عوامی غصے کی لہر کو دبا سکیں۔ انہیں بھی جلد یا بدیر اسی راستے پر جانا ہوگا جس پر اقتدار پر قبضہ کرنے والے دوسرے لوگ جا چکے ہیں۔

www.bhutto.org

وہ واحد طریقہ جس کے ذریعے پاکستانی آمر اپنی کھال اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی آمرانہ گدی (کم از کم فی الحال) بچا سکتے ہیں یہ ہے کہ روایتی طور پر پاکستانی ہندوستان کے خلاف فوجی مہم جوئی شروع کر دیں۔ لیکن یہاں بھی ان کے چلنے کے لئے امکانات محدود ہیں۔ افغانستان اور ایران، دونوں ہمسایہ ممالک میں صورتِ حال غیر مستحکم ہے۔ ان ممالک میں بھی حکمران اپنے عوام کو ٹھنڈا کرنا چاہتے ہیں۔ جنہوں نے حال میں خون کا ذائقہ چکھا ہے۔ وہ خود بھی ایسے زاویے تلاش کر رہے ہوں گے کہ ان کے ''خون کی پیاس'' کا رخ دوسروں کی طرف موڑ دیا جائے۔ اس گھناؤنے کھیل میں وہ اپنے عوام کے مزاج کے مطابق اقدام کر سکتے ہیں۔ افغانستان، شمالی مغربی صوبہ سرحد کے بعض حصوں پر دعویٰ کرے چلا آیا ہے۔ ایران بلوچستان کے بعض حصوں کی بازیابی کا مطالبہ کرتا رہا ہے جو گیس سے مالا مال ہیں۔

لیکن ہو سکتا ہے جنرل ضیا سیاسی بساط کو دوسرے انداز میں دیکھیں وہ یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں استحکام کے نکتہ نظر سے ایران اور افغانستان فوری خطرہ نہیں ہیں اس لئے دو موہوم فوائد کے لئے ہندوستان کے لئے ایک بحران کھڑا کریں۔

پہلا فائدہ یہ کہ سادہ لوح عوام کو بھٹو کی پاکستان پیپلز پارٹی سے برگشتہ کیا جائے۔ دوسرا یہ کہ نفرت کے ان اونچے سروں سے فائدہ اٹھایا جائے۔ جنہیں ہندوستان کے خلاف بڑی آسانی سے ابھارا جا سکتا ہے۔

مگر اس پر شبہ ہے کہ جنرل ضیاء اس خطرناک کھیل میں کامیاب ہوں پہلی بات تو یہ ہے کہ پاکستان کی مسلح افواج آج بھی ان زخموں کو چاٹ رہی ہیں جو 8 برس قبل ہندوستان نے لگائے تھے، دوسرے یہ کہ ان کی پسماندہ معیشت کو بڑھتی ہوئی قیمتوں برق رفتار افراطِ زر اور زرعی اور صنعتی شعبوں پر چھائی ہوئی بے چینی کا روگ لگا ہوا ہے۔ تیسرے یہ کہ ہندوستان کی صنعتی بنیادیں وسیع ہو چکی ہیں اور اس کی فوجی تیاریاں پاکستان کے مقابلے میں بہت اعلیٰ پیمانے کی ہیں۔

لیکن یہ تصور کر لینا غلط ہوگا کہ جنرل ضیاء کچھ عرصے کے لئے اپنے ''کانٹوں کے تاج'' کو برقرار رکھنے کے لئے ان وقیع پہلوؤں کو نظر انداز نہیں کریں گے، نیز یہ کہ تمام غاصبوں

www.bhutto.org

اور آمروں کے انجام پر اس لئے مہر لگ جاتی ہے کہ وہ معروضی صورتِ حال سے یکسر منکر ہو جاتے ہیں۔ یہ بات مشکوک ہے کہ ضیاء کوئی استثنٰی ثابت ہوں گے۔ اس لئے ہندوستان کی ہوش مندی یہ ہوگی کہ وہ اپنے تحفظ کو مستحکم کرے۔

مرار جی ڈیسائی ایک بار پھر رائے عامہ کے خلاف رہے جبکہ ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دیے جانے سے قبل آخری لمحوں میں انہوں نے اس کورس پر اپنی آواز شامل کرنے سے انکار کر دیا جو رحم کا مطالبہ کر رہا تھا، انہوں نے لوک سبھا میں کہا کہ ''میں دوسرے ممالک کے داخلی معاملات میں مداخلت نہیں کر سکتا۔''

یہ بات واضح نہیں ہے کہ آیا یہ گاندھین فلسفے کی عکاسی تھی یا آرویلین دوہری سوچ کی۔ لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ ہندوستان نے دنیا میں کسی اور جگہ ہونے والی ایسی بربریت اور انسانی اقدار کی خلاف ورزی کی مذمت کی ہے اور اس کے باوجود ہمسایہ ملک پاکستان کے معاملے میں خاموش رہنا پسند کیا۔ دوسری تمام بڑی حکومتوں نے رحم کی اپیلیں کیں لیکن ہندوستانی حکومت ناقابل وضاحت خاموشی اختیار کر کے عملاً بھٹو کو فنا کر دینے کی منظوری دی۔

ڈیسائی تو اس حد تک گئے کہ انہوں نے کہا پاکستان کے ساتھ اس ملک کے تعلقات آج کل پچھلے 30 سال میں سے زیادہ خوشگوار ہیں۔ اگر اس نوعیت کا اظہار خیال کسی کو یہ سوچنے کی راہ پر ڈالتا ہے کہ مرار جی ڈیسائی کی ذہنیت بھی .... ضیا جیسی ہی ہے۔ تو اس کے ذمہ دار صرف اور صرف خود وزیر اعظم ہیں۔ کیونکہ عالمی سیاق و سباق اور برصغیر کی حدود دونوں کے اندر ہندوستان کی اہمیت کو محسوس کرنے کی بجائے ہندوستانی وزیر اعظم نے درحقیقت صدر سنجیوا ریڈی کی رحم کی اپیل کو غیر اہم ''ذاتی رائے'' قرار دیتے ہوئے اس سے لاتعلقی کا اظہار کیا ہے۔

ایک غیر معمولی سیاستدان کی ارادتاً ہلاک کرنے جیسے اہم اور نازک مسئلے پر صدر اور وزیر اعظم کے قطعی متضاد خیالات کے مضمرات سے قطع نظر ڈیسائی کا موقف یہ نشاندہی کرتا ہے کہ بعض اوقات عمر ایک انسان کو بنیادی انسانی صفات سے عاری کر سکتی ہے۔ بھٹو کی موت کسی بھی

www.bhutto.org

اعتبار سے خارجہ پالیسی کا ایک خشک معاملہ نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق بہت زیادہ تعلق رکھنے والے انسانی سوالات سے ہے۔ اور مرارجی نے ضیاء کے فوجی ذہن سے ہم آہنگی کا اظہار کر کے یہ دکھا دیا ہے کہ ان کا 84 سالہ جسم جس کی خوب دیکھ بھال کی گئی ہے۔ ان انسانی صفات سے محروم ہے جو ایک انسان کو انسان بناتی ہیں۔

(25اپریل1979)

www.bhutto.org

پھانسی پاک و ہند تعلقات پر اثر انداز نہیں ہوگی: مرار جی ڈیسائی

(فار ایسٹرن اکنامک ریویو)

اگر بھارتی حکومت نے اپنے اس موقف ''ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی پاکستان کا اندرونی معاملہ ہے، سے انحراف نہیں کیا۔ لوک سبھا (لوئر ہاؤس) کے اسپیکر نے تعزیتی قرارداد پیش کرنے کی اجازت نہیں دی اور وزیر اعظم مرار جی ڈیسائی نے کہا کہ یہ پھانسی ہندو پاک تعلقات پر اثر انداز نہیں ہوگی۔ اس کے باوجود پھانسی سے لوگوں کی بھاری اکثریت کو سخت صدمہ پہنچا اور جموں و کشمیر میں تین روز تک تشدد آمیز مظاہرے ہوئے۔

جب حزب اختلاف کے ارکان پارلیمان نے بھٹو کا مسئلہ اٹھایا تو ڈیسائی نے پوچھا کہ انہوں نے ایران میں درجنوں لوگوں کو سزائے موت دیئے جانے اور گولیوں کی باڑ سے اڑائے جانے پر احتجاج کیوں نہیں کیا۔ ڈیسائی نے اپنی اس بات کو دہرایا کہ ہندو پاک کے موجودہ تعلقات کے پیش نظر اس معاملے (مسٹر بھٹو کی پھانسی) میں ہماری طرف سے کہی ہوئی کوئی بھی بات پاکستان کے داخلی معاملات میں مداخلت سمجھی جائے گی۔ وزیر داخلہ ایچ ایم پٹیل نے ایوان کو بتایا ''ہم عدم مداخلت کی صحت مند روایت کو برقرار رکھنا پسند کریں گے۔''

لیکن انہوں نے یہ بھی کہا کہ ''ان واقعات نے افراد اور گروہوں پر گہرے اثرات مرتب کئے ہیں اور کشمیر میں ہونے والے واقعات کی کوئی تشریح نہیں کی جا سکتی پاکستان کے عوام کو

www.bhutto.org

مشکل مسائل کا سامنا ہے اور ہماری خواہش ہے کہ وہ ان مسائل سے عہدہ برآ ہوں۔"

سیاسی رہنماؤں نے جن میں حکمران جنتا پارٹی کے صدر چندر شیکھر، پارٹی کے عمر رسیدہ سیاستدان جے پرکاش نرائن اور مسز اندرا گاندھی بھی شامل ہیں، پھانسی کی سخت مذمت کی، کیوں کہ پھانسی پر لٹکائے جانے والے شخص نے خواہ کتنی ہی غلطیاں کیوں نہ کی ہوں، پاکستان میں سول حکومت بحال کی، 1971 کے تباہ کن واقعات کے بعد ملک کو وقار اور استحکام کی سمت بڑھایا۔ حالانکہ 1971 میں پاکستان اپنے سابق مشرقی بازو موجودہ بنگلہ دیش سے محروم ہو گیا تھا۔

کشمیر کے مسلمانوں کو سخت صدمہ پہنچایا اور پھانسی نے پاکستان دشمن جذبات کو جنم دیا۔ تشدد آمیز مظاہرے ہوئے، جن میں دس افراد، پانچ پولیس والے فائرنگ سے ہلاک ہوئے۔ مظاہرین نے مطالبہ کیا کہ اسلام آباد کی ملٹری جنتا کے چنگل سے کشمیر کا وہ حصہ آزاد کرایا جائے جس پر پاکستان نے قبضہ کر رکھا ہے۔ درحقیقت پانچ سو مظاہرین نے جنگ بندی لائن عبور کرنے کی کوشش کی۔ لیکن سرحدی محافظوں نے انہیں روک دیا۔ مسلمانوں کی (آزاد کشمیر سے) ہجرت کر کے ہندوستانی کشمیر میں آنے کی اطلاعات بھی ہیں۔

نئی دہلی میں بعض سفارت کاروں کی رائے ہے کہ حکومت (بھارتی حکومت) عوام خواہ کوئی تاثر دے لیکن وہ بھٹو کی پھانسی کو ایک داخلی معاملہ کہہ کر نظر انداز نہیں کر سکتی۔ کیوں کہ بھارت کے لئے یہ سنگین نوعیت کے اثرات مرتب کرے گی۔ خصوصاً کشمیری مسلمانوں کا موجودہ رویہ سرحد عبور کرنے کی کوشش اور مہاجرین کی آمد۔

دریں اثناء حکومت ابھی تک اس شک وشبہ میں مبتلا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ پاکستان خفیہ طور پر ایٹمی ہتھیار بنانے کے لئے تکنیکی صلاحیت اور آلات حاصل کر رہا ہو۔ پاکستانی صدر ضیاء الحق نے ڈیسائی کے ایک خط کے جواب میں یقین دلایا تھا کہ پاکستان ایٹمی ہتھیار بنانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ لیکن واشنگٹن کی جانب سے اسلام آباد کی امداد بند کرنے کے فیصلے نے، جس کا سبب یہ تھا کہ اپنے ایٹمی پروگرام کے بارے میں مناسب ضمانتیں نہیں دے سکا، مزید شبہات کو جنم دیدیا ہے۔

www.bhutto.org

بھارت کے کئی ارکان پارلیمان ڈیسائی کے اس موقف 'بھارت ایٹمی ہتھیار نہیں بنائے گا، خواہ پوری دنیا ایٹمی ہتھیار بنانے کو غلط سمجھتے ہیں اور بلا شبہ اس مسئلہ پر خود حکومت میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ وزیر خارجہ اٹل بہاری واجپائی نے لوک سبھا میں بتایا کہ حکومت ہمسایہ ممالک میں رونما ہونے والے واقعات پر گہری نظر رکھے ہوئے ہے۔ اور ضرورت کے مطابق بھارت بھی اپنی ایٹمی پالیسی پر نظر ثانی کرے گا۔ لیکن ابھی موجودہ پالیسی کو بدلنے کا وقت نہیں آیا۔

www.bhutto.org

بھٹو ایک آدمی مر گیا، بھٹو شہید پیدا ہوا

(دس فورٹ نائٹ، نئی دہلی)

4 اپریل کو طلوع صبح سے پہلے کی تاریکی میں راولپنڈی ڈسٹرکٹ جیل کے باہر 27 فوجی ٹرک کھڑے تھے۔ اندر ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دی جا رہی تھی۔ بڑے جلاد تارا مسیح نے سابق وزیراعظم کے پیروں کے نیچے سے پھانسی کا تختہ سرکا دیا اور.......... جنرل ضیاء کے لئے اپنے سخت دشمن سے پیچھا چھڑانے کے لئے دس روپے کی ادائیگی ایک حقیر رقم تھی۔ رسی کے کھلبلی مچا دینے والے ایک جھٹکے سے انتہائی تہلکہ خیز شخصیت کا دم گھٹ گیا اور وہ ہڈیوں اور گوشت کے مڑے تڑے اور بے جان تھیلے میں تبدیل ہو گئی۔ بھٹو، ایک آدمی، مر گیا، بھٹو، شہید پیدا ہوا۔

ایک زندہ انسان کی شہرت کی بنیاد اس کے الفاظ، اقوال اور افعال پر ہوتی ہے۔ اس کی موت کے بعد اس کے تصور کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ اس کے دوست اور دشمن اس کے بارے میں کیا یاد رکھنا پسند کرتے ہیں، اپنے ہنگامہ خیز سیاسی کیریئر کے دوران بھٹو تضادات سے بھرپور ایک معمہ تھے جس کی وجہ سے ان کا امیج بے پناہ ابہام کا حامل تھا، انہیں مختلف انداز میں بیان کیا جاتا تھا جیسے متلون مزاج، مغرور، پرکشش، فراخدل، بدعنوان، بے رحم اور نرم دل، وہ اپنے عدم استقلال سے جانے جاتے تھے، ساتھ ہی ساتھ انہیں ایک ایسا نواب سمجھا جاتا تھا جو ایک کسان اور فیکٹری کے مزدور کی سطح سے بات کر سکتے تھے۔

ان پر جتنے لیبل لگائے گئے ہیں ان میں سے سب سے زیادہ الجھن میں ڈالنے والا خود بھٹو کا اپنی ذات کے بارے میں تصور ہے۔ لاہور جیل میں مصیبتیں کاٹتے ہوئے انہوں نے اپنا یہ

www.bhutto.org

قصیدہ لکھا۔"ایک شاعر اور ایک انقلابی ہوں، ان تمام برسوں میں یہی کچھ رہا ہوں اور میرے جسم سے آخری سانس کے نکلنے تک میں ایسا ہی رہونگا۔"

یہ حقیقت کہ وہ خود کو ایک شاعر اور ایک انقلابی تصور کرتے تھے (یا کم از کم ان کی یہ خواہش تھی کہ لوگ انہیں ایسا سمجھیں) ان کے وجود کی اصل نوعیت کے بارے میں ایک سراغ فراہم کرتی ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ذوالفقار علی بھٹو ایک رومان پسند، عینیت پسند (خواب دیکھنے والے) تھے۔ ان کی اشتعال انگیز انانیت، ان کی ناقابل توضیح بے اعتباری، ان کی جسمانی کشش اور یہاں تک کہ ان کا جذبۂ جاہ پسندی یہ تمام باتیں ان کی رومانی عینیت پسندی کی علامتیں ہیں۔

لیکن کیا اس کھلنڈرے، سیاست دان میں وہ صفات تھیں جن سے روایتیں، داستانیں وجود میں آتی ہیں؟ ان کی موت کے حالات یقیناً لوگوں کو موقع فراہم کرتے ہیں کہ وہ ان کے اطراف تقدس کا ہالہ پیدا کردیں۔ دنیا بھر کی اپیلوں کے باوجود بھٹو کو معاف کرنے سے ضیاء کے سخت انکار نے موت کی سزا پانے والے قیدی کو بیچارگی کی فضا فراہم کی۔ انہیں واقعی پھانسی دینے میں بے رحمانہ عجلت اور ان کی موت اور تدفین پر چھائی ہوئی فوجی ازداری کی فضا نے ایک ایسی فضا پیدا کی جو ایک داستان کی تخلیق کے لئے سازگار ہے۔

بھٹو کو پھانسی کی طرف لے جائے جانے کے وقت نہ تو کوئی شجاعانہ بات ہوئی نہ حواس باختگی کی اس کے برعکس یہ تصویر کشی کی گئی ہے کہ بھٹو ایسے آدمی تھے جنہیں موت کی طرف جانے پر مجبور کیا گیا۔ انہیں اسٹریچر پر باندھ کر لے جایا گیا اور انہیں سہارا دے کر سولی تک پہنچایا گیا۔ اخباری اطلاعات کے مطابق ان کے آخری الفاظ یہ تھے "میں بے گناہ ہوں" لیکن اب یہ سوال کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ یہ بھٹو کی بیگناہی یا ان پر لگائے جانے والے الزام کا مجرم ہوتا ہے جو ان کی داستان کی اثر پذیری کا تعین کرے گا بلکہ یہ چیز ایک نئے نظام کی علامت کی حیثیت سے ان کی قدروقیمت ہے۔ پاکستان میں سیاسی اکھاڑ پچھاڑ، احیا اسلام کی تحریکیں، شہری آزادیوں کے لئے مطالبات، وہ عوامل ہیں جو بھٹو کی داستان کے پیمانوں کا تعین کریں گے۔

www.bhutto.org

اسی لئے ایسی صورتِ حال میں بھٹو کے خلاف عمل کرنے کے لئے زمین زرخیز ہے لیکن ان کے بارے میں بالآخر پیدا ہوگی۔ اس کی وسعتوں کا تعین کئی دوسرے عناصر کریں گے۔ ایک بات تو یہ ہے کہ ابھی یہ دیکھنا باقی ہے کہ آیا تحلیل کے خلاف ردعمل کے طور پر پیدا ہونے والے پرتشدد مظاہروں کا رجحان کتنے عرصے تک برقرار رہتا ہے یا انہیں کہ وہ ضیاء کی فوجی حکومت کے استحکام کے لئے خطرہ بن جائے یا پھر وہ خود رو احتجاجی ہنگامہ ایک ایسا خراجِ عقیدت ثابت ہوتا ہے جو وفاداری کے جذبات کے تحت پیش کیا جاتا ہے نہ کہ اس یقین کی بنا پر بھٹو کو ہلاک کرکے بنیادی انسانی اصولوں کی خلاف ورزی کی گئی ہے یا پھر یہ کہ بھٹو کے صفحۂ ہستی سے غائب ہو جانے سے پاکستان ایک صاحب منزل شخصیت سے محروم ہوگیا ہے۔

ایک طرح سے بھٹو کا مقدمہ انہیں پھانسی دینے کے بعد شروع ہوا ہے۔ یہ مقدمہ نہیں ہے کہ آیا کہ وہ مجرم تھے یا 1974 میں احمد رضا قصوری کے قتل کا حکم دینے میں بے گناہ تھے۔ یہ مقدمہ طے کرنے کے لئے امتحان نہیں ہے کہ آیا انہیں پھانسی دے کر ہلاک کرنا واقعی ضروری تھا۔ یہ ان کے اہل وطن کی نظر میں ان کی دائمی قدر و قیمت کے تعین کا مقدمہ ہے۔ یہ اس بات کا پتہ چلانے کی کوشش ہے کہ ان کی شخصیت کی صدا اور جوش اور ان کے امیج کے جھاگ اور بلبلوں کے پیچھے کیا ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو کے اس آخری مقدمے پر فیصلہ تاریخ میں ان کے مقام کا تعین کرے گا۔ یہ فیصلہ اس داستان کی وسعتوں کا تعین کرے گا جو ان کے بعد زندہ رہے گی۔

(25اپریل 1979)

www.bhutto.org

بے نظیر پیپلز پارٹی کی قیادت کے لئے اپنے والد کی صحیح جانشین ہیں

(دس فورٹ نائٹ، نئی دہلی)

پاکستان میں ہونے والے حالیہ واقعات نے دنیا کی ان توقعات کو غلط ثابت کر دیا ہے کہ بھٹو کے وفات پانے اور دفن ہو جانے کے بعد اب سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ کئی پٹیشن جن میں ان کی صدارت کو چیلنج کیا گیا ہے۔ مختلف عدالتوں میں زیر سماعت ہیں گو کہ ان میں سے ایک پٹیشن کی سماعت سپریم کورٹ نے غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی کر دی ہے اور اب ضیاء کے اقتدار پر قابض ہونے کے 20 ماہ بعد اگر ایک عدالت بھی یہ فیصلہ کرتی ہے کہ ان کا صدارت کے عہدے پر فائز ہونا غیر آئینی تھا تو ہو سکتا ہے کہ یہ ایک خونی خانہ جنگی کا پیش خیمہ ثابت ہو اور ایک اور فوجی بغاوت اور بحران کے ایک اور سلسلے کی ضرورت پیدا کرے۔

ضیاء کا بدترین مسئلہ یہ ہے کہ کس طرح انتخابات کرائے جائیں اور ساتھ ہی ساتھ برسر اقتدار بھی رہا جائے 23 مارچ کو جو یوم پاکستان کے طور پر منایا جاتا ہے۔ ضیاء نے اعلان کیا کہ وہ انتخابات جن کا وہ بار بار وعدہ کر چکے ہیں اب 17 نومبر کو ہوں گے۔ یہ اعلان حیران کن تھا کیونکہ ضیاء نے اپنی سابقہ 2 پیشگی شرائط کا ذکر نہیں کیا تھا 1 کہ لوکل باڈیز کے انتخابات عام انتخابات سے پہلے ہوں گے۔ 2 عام انتخابات اس وقت ہوں جب انہیں مثبت نتائج کا یقین ہو جائے گا۔ ظاہر ہے کہ پہلی شرط کا مقصد یہ ہے کہ مختلف سیاسی جماعتوں کی طاقت کا اندازہ لگایا

www.bhutto.org

جائے جیسا کہ بنگلہ دیش میں ضیاء الرحمٰن نے سیاست میں چھلانگ لگانے سے پہلے کیا تھا۔ ضیاء نے یہ وضاحت نہیں کہ ہے کہ دوسری شرط سے ان کا مطلب کیا ہے لیکن وہ جو کچھ چاہتے ہیں واضح ہے کہ صرف ایسی جماعت انتخابات جیتے جو ان کا پسندیدہ ہو تا کہ آئین میں اس طرح ترمیم کی جائے کہ فوج کو ملکی سیاست میں ایک کردار دیا جائے۔

یہ ایک نمایاں بات ہے کہ ضیاء نے 23 مارچ کی اپنی تقریر میں کہا تھا کہ انتخابات سے قبل صدر اور وزیر اعظم کے اختیارات میں توازن پیدا کرنے کے لئے آئین میں ترمیم کی جائے گی۔ ضیاء یہ تصور کرتے ہیں کہ اگلا وزیر اعظم ایک کمزور فرد ہوگا کیونکہ انہیں یہ توقع نہیں کہ کوئی ایک جماعت انتخابات جیت سکے گی۔ یہ قیاس ان کی 'مثبت نتائج'' کی شرط کے منافی ہے اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ضیاء کسی طاقتور فوجی کو صدر دیکھنا پسند کریں گے تا کہ ایک کمزور پارلیمنٹ کی تلافی ہو سکے۔ اور وہ خود کو اس عہدے کے لئے سب سے زیادہ موزوں امیدوار تصور کرتے ہیں کیونکہ ان کے دعوے کے مطابق وہ خدا کے فرستادہ ہیں۔

اس صورتِ حال میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ضیا کا اعلان سپریم کورٹ کو چکمہ دینے والی ایک چال ہے جس نے 1977 میں ضیاء کو'' قانونِ ضرورت'' کے تحت حکمرانی کرنے کی اجازت دی تھی۔ اس وقت ضیا نے عدالت کو بتایا تھا کہ انہوں نے انتخابات منعقد کرانے کے محدود مقصد کے لئے اقتدار سنبھالا۔ لیکن انتخابات منعقد کرانے کی بجائے ضیاء نے آئین میں ترامیم کر کے اپنے اقتدار کو مضبوط بنانے کی کوشش کی اور اس کے بعد خود کو صدر بنالیا۔ اب انہوں نے انتخابات کا وعدہ عبدالحفیظ پیرزادہ کے سپریم کورٹ میں یہ پٹیشن داخل کرنے کے بعد کیا ہے کہ ضیاء کا صدر کا عہدہ سنبھالنا آئین اور خود ان کے سپریم کورٹ سے کیے ہوئے وعدے کے برخلاف ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جنرل ضیاء انتخابات کرانے کی پوزیشن ہی میں نہیں ہیں۔ انہیں خوف ہے کہ بھٹو کی پاکستان پیپلز پارٹی جواب بھی ملک میں سب سے مقبول جماعت ہے۔ اس حقیقت کے باوجود کہ اس کے ہزاروں کارکن اور بڑے رہنماؤں کی اکثریت جیل میں ہے۔ اس کے تقریباً تمام کے تمام سابق اراکین قومی اسمبلی انتخابات میں حصہ لینے کے لئے نا اہل قرار دیئے جا چکے

www.bhutto.org

ہیں۔ بھٹو کی بڑی بیٹی بے نظیر جنہیں اس لئے نااہل قرار نہیں دیا جاسکتا کہ اپنے باپ کے دورِ حکمرانی میں وہ کسی عہدے پر فائز نہیں تھیں۔ انہیں ان کی والدہ کی طرح مسلسل گھر میں نظر بند رکھا گیا ہے۔ پچھلے سال اپنی آزادی کی مختصر مدت میں بے نظیر کافی حد تک یہ ثابت کر چکی ہیں کہ وہ پی پی پی کی قیادت کے لئے اپنے والد کی جانشینی بخوبی کر سکتی ہیں۔

اگر ضیاء نے ایک بار پھر انتخابات ملتوی کر دیئے تو ان امکانات کو رد نہیں کیا جاسکتا کہ حکمران پاکستان نیشنل الائنس سے باہر کی جماعتیں ایرانی طرز کی تحریک شروع کر دیں۔ اور ضیاء کی حکومت شاہ کی حکومت کے مقابلے میں آدھی بھی مضبوط نہیں ہے۔ ایسی صورت حال میں بھٹو کا بھوت ہر ایک کے لئے نئے نظام کی طاقتور علامت رہے گا۔

(25اپریل1979)

www.bhutto.org

بھٹو خاندان پر اقربا پروری کا الزام نہیں لگایا جاسکتا

(دس فورٹ نائٹ، نئی دہلی)

مسٹر ذوالفقار علی بھٹو فرشتہ تھے نہ شیطان، تمام تر غلطیوں کے باوجود ان پر اپنے خاندان کے ارکان کو نوازنے کا الزام نہیں لگایا جاسکتا۔ حالانکہ اس الزام میں بیشتر سیاستدان ملوث پائے جاتے ہیں۔ انہوں نے اپنی اہلیہ اور بچوں کو نہایت سختی سے ہدایت کر رکھی تھی کہ وہ حکومت کے کاموں میں مداخلت یا کسی کی ''سفارش'' نہ کریں (پاکستان کے) عوام بخوبی واقف تھے کہ بھٹو خاندان کے کسی رکن خصوصاً قریبی رشتے داروں کی سفارش، کسی کام کو کرانے میں مددگار ثابت نہیں ہوسکتی۔

یہ امر اہمیت رکھتا ہے کہ ان کی اہلیہ نصرت اور بڑی صاحبزادی بے نظیر، ان کی (حکومت سے) معزولی اور گرفتاری کے بعد عوامی منظر پر نمودار ہوئیں،۔ اگر وہ (بیگم نصرت بھٹو اور بے نظیر) پاکستان پیپلز پارٹی کو متحرک کرنے اور عوامی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہوئیں تو اس کا بنیادی سبب یہ تھا کہ ان پر اقربا نوازی کا کوئی الزام نہیں تھا۔

1972 میں بے نظیر اپنے نامور والد کے ساتھ شملہ کانفرنس میں آئی تھیں۔ بے نظیر سے جن سفارت کاروں اور اخبار نویسوں نے گفتگو کی، وہ ان (بے نظیر) کی ذہانت سے بہت متاثر ہوئے لیکن بھٹو بے نظیر کو کسی نوعیت کے ''پولیٹیکل شوپیس'' کے طور پر ہمراہ نہیں لائے تھے

www.bhutto.org

کیونکہ جب (کانفرنس کے دوران) بھارت کے پریس میں رپورٹیں شائع ہوئیں کہ شاید بے نظیر کو بھارت میں پاکستان کا سفیر بنایا جائے، تو بھٹو نے (ان اطلاعات پر) شدید ناراضگی کا اظہار کیا بلکہ مسز اندرا گاندھی سے بھی شکایت کی۔

19 سالہ دبلی پتلی بے نظیر 1972 میں مزید تعلیم کے لئے آکسفورڈ گئیں اور وہاں سے آنرز کیا۔ سیاستدان کی حیثیت سے انہوں نے اپنی اوائل عمر (25 سال) میں نہایت شاندار کامیابیاں حاصل کی ہیں اور ہوسکتا ہے کہ جنرل ضیاء الحق کا اگلا نشانہ وہی بنیں۔ بے نظیر کے نوجوان بھائی میر مرتضیٰ اور میر شاہنواز لندن میں مقیم ہیں اور بتایا جاتا ہے کہ چھوٹی بہن امریکہ میں زیر تعلیم ہے۔

ان سب بچوں کی ماں، بھٹو کی دوسری اہلیہ، بیگم نصرت بھٹو ہیں۔ نوجوان بھٹو نے ایرانی النسل نصرت سے اس وقت شادی کی تھی، جب وہ وکالت کرتے تھے، تمام عملی مقاصد کے اعتبار سے بھٹو کی خاندانی زندگی بیگم نصرت اور ان کے بچوں کے گرد گھومتی رہی۔ نوعمری میں بھٹو کی پہلی شادی امیر بیگم سے ہوئی تھی۔ یہ شادی جاگیردارانہ روایات کے مطابق ہوئی تھی حالانکہ اس وقت بھٹو اپنے نامور والد (سر شاہنواز بھٹو) کے ساتھ بمبئی جیسے شہر میں رہتے تھے۔ ان (بھٹو) کی پہلی اہلیہ کے بارے میں بہت کم اطلاعات ہیں، سوائے اس کے وہ بالائی سندھ میں واقع لاڑکانہ میں 'بھٹو فارم' میں رہتی ہیں۔

(25 اپریل 1979)

www.bhutto.org

اسلامی قانون کے تحت بھٹو کو سزائے موت نہیں ہوسکتی تھی

(دی گارجین)

پاکستانی افواج نے کبھی بھی خود اپنے خلاف بغاوت نہیں کی ہے۔ کم از کم اس وقت تک تو نہیں ہے لیکن ملک کی 30 سالہ تاریخ میں ان کی مسلسل سیاسی مداخلت اور اب جنرل ضیاء الحق کے اس منصوبے نے کہ فوج کو ''نگران'' کا ایک مستقل آئینی قرار دیا جائے۔ اپنا خراج وصول کیا ہے۔

جنرل ضیاء جنہوں نے 1977 کے وسط میں اقتدار پر قبضہ کیا اور جنہوں نے گزشتہ بدھ کو خود ان کے معزول وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دی، مسلح افواج کو کافی دباؤ میں ڈال دیا ہے بھٹو کو پھانسی دینے کی فراست پر ایک تکلیف دہ اندرونی مباحثہ جاری ہے۔ سینئر افسروں میں یہ ‘حساس بڑھتا جا رہا ہے کہ فوج سرنگوں بھرے سیاسی میدان میں اپنی راہ سے بھٹک گئی ہے اور یہ کہ فوجی بغاوت سے جو فوائد حاصل کئے گئے تھے انہیں ضائع کر دیا گیا ہے۔

اگر جنرل ضیاء سیاست میں ملوث ہوئے ہیں تو وہ یہ دیکھ کر حیران نہیں ہو سکتے، میجر کیپٹن، لیفٹیننٹ، اسکواڈرن لیڈر اور نیچے جوان کی سطح تک لوگ سیاسی ہو گئے ہیں ہر حال ان کے نام پر ملک پر حکومت کی جا رہی ہے۔ توہین آمیز حالات میں رکھنے کے بعد بھٹو کو پھانسی دینا پاکستانیوں کے ایک وسیع حلقے کو حفاظتی افواج کے خلاف کر دیا ہے۔

www.bhutto.org

اب عورتیں گلیوں میں پولیس کے جوانوں اور سپاہیوں پر فقرے کستی ہیں اور ان کی مردانگی اور جرات کے بارے میں پوچھتی ہیں۔ ان لوگوں کے لئے جو وردی پوش ہیں اور جو معزول وزیراعظم کو ہلاک کرنے کے سیاسی فیصلے سے اختلاف رکھتے تھے اور جو جس ء انتخاب میں ان کے حق میں ووٹ دیتے، یہ صورت حال بالخصوص افسوناک ہے ضیاء کے اقدامات پر اعتراضات میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

لیکن فوجی حکمران کے پاس ایک ترپ کا پتہ ہے ان کے افسر پاکستان کے لئے بے انتہا وفادار ہیں اور کئی ایک کو اندیشہ ہے کہ ان کی طرف سے کسی مداخلت کے نتیجے میں مسلح افواج میں پھوٹ پڑ جائے گی اور بچ رہنے والے آخری اداروں میں سے ایک ادارہ تباہ ہو جائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ اس کے نتیجے میں خانہ جنگی ہو جائے اور ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔

کم از کم فی الوقت فوج کے اندر ضیاء کے سیاسی مخالفین دانت پیس رہے ہیں۔ جب کہ ضیاء اپنے نئے پاکستان کے تصور کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور ملک بھر میں گڑ بڑ ہے۔

21 ماہ قبل فوجی حکومت کے قیام کا مقصد محدود تھا۔ یہ ایسے وقت میں آئی جب کہ بھٹو کی پاکستان پیپلز پارٹی مقبولیت کھو رہی تھی۔

حزب اختلاف کی چھوٹی جماعتیں پاکستان نیشنل الائنس (پی این اے) قائم کرنے کے لئے مل بیٹھیں۔ اور عام انتخابات میں پیپلز پارٹی کا مقابلہ کیا۔ بھٹو کی پی پی پی نے انتخابات میں دھاندلی کے غضبناک الزامات کی گونج میں زبردست اکثریت سے کامیابی حاصل کی اور سڑکوں پر فسادات ہوئے جس میں کئی افراد ہلاک ہوئے۔

فوج نے ایک پرامن بغاوت کے ذریعہ اقتدار سنبھال لیا۔ جنرل ضیاء امن وامان بحال کرنے اور چھ ماہ میں انتخابات کرانے کے مقصد کے ساتھ چیف مارشل لاء انڈمنسٹریٹر بن گئے۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ انتخابات کے بعد فوج بیرکوں میں واپس چلی جائے گی۔

فوجی بغاوت اور اس کے بعد جنرل ضیاء کے اس اعلان کہ اس قدر جلد انتخابات کرانا ممکن ہوگا کہ درمیان میں ایک تبدیلی آئی۔ انہوں نے پاکستان کی زندگی میں ایسی بنیادی تبدیلیاں

لانے کا منصوبہ تیار کیا کہ جب غیر فوجیوں کو اقتدار سنبھالنے کی اجازت دی جائے تو اس کی راہ کو تبدیل کرنا ان کے لئے سخت مشکل ہوگا۔

ان کے منصوبے کا ایک عنصر سیاسی ہے اور دوسرا مذہبی، سیاسی محاذ پر جنرل ضیاء نے اندازہ لگایا کہ پاکستان کے لئے سب سے زیادہ غلط بات بھٹو گھرانے کا وجود ہے۔ پیپلز پارٹی درحقیقت بھٹو کا ایسا محفوظ ذخیرہ بن گئی تھی جسے کوئی چیلنج نہیں کر سکتا تھا۔ اگر بھٹو کا خاتمہ کر دیا جائے تو مشعل ان کے ہاتھ سے ان کی دوسری بیوی بیگم نصرت کے ہاتھ میں چلی جائے گی اور ان سے ان کی 25 سالہ بیٹی مس بے نظیر کے ہاتھ میں۔

ضیاء کی توجہ اب ان کی طرف ہوگئی ہے۔ دونوں خواتین کو ایک پولیس کیمپ کے قریب گھر میں نظر بند کر دیا گیا ہے۔

توقع ہے کہ اگلا قدم بھٹو خاندان کی خواتین کے خلاف فوجداری الزامات میں اور ہوسکتا ہے کہ سنگین غداری کا الزام بھی لگایا جائے۔ اس خاندان کے المیے میں اگلے ایکٹ کے لئے تیاریاں مکمل کر لی گئیں ہیں۔ بھٹو کو پھانسی دینے سے ایک دن قبل فوجی حکام نے ان 3 رہائش گاہوں پر چھاپہ مارا جو پاکستان میں اس خاندان کی ملکیت ہیں، فوجی بغاوت کے بعد ان تینوں رہائش گاہوں پر اس سے پہلے دو مرتبہ چھاپہ مارا جا چکا تھا۔

اطلاعات کے مطابق اس بار فوجی اپنی چابیاں استعمال کر کے اندر داخل ہوئے۔ ملازمین کو حراست میں لے لیا اور انہیں اپنے ساتھ لے گئے بعد میں ایک سرکاری اعلان میں دعویٰ کیا گیا کہ پاکستان کے دفاع اور امورِ خارجہ سے متعلق خفیہ دستاویزات برآمد کی گئی ہیں۔

بیان میں کہا گیا ہے کہ باوثوق ذرائع سے اطلاع ملی تھی کہ ''بعض انتہائی اہم خفیہ دستاویزات کو ملک سے باہر سمگل کرنے کی منظم کوشش کی جارہی تھی۔'' ہوسکتا ہے کہ یہ بیگم نصرت بھٹو اور بے نظیر کے خلاف اگلا مقدمہ ہو۔

جو لوگ فوجی حکمران سے قربت رکھتے ہیں کہتے ہیں کہ وہ پیپلز پارٹی کو بھٹو کے اثرات سے پاک کرنا چاہتے ہیں کیونکہ وہ محسوس کرتے ہیں کہ ایک بار پھر رائے عامہ کا رخ اس

www.bhutto.org

طرف ہوگیا ہے اور شاید پیپلز پارٹی دوبارہ قوم کے ووٹوں سے عظیم اکثریت کے ساتھ برسرِ اقتدار آ جائے۔

پاکستان کے لئے ضیاء کے تصور کا اسلامی عنصر یہ ہے کہ ملک کو ایک کٹر اسلامی ریاست میں تبدیل کر دیا جائے۔

پہلے ہی اسلامی تعزیراتی قانون جزوی طور پر نافذ کر دیا گیا ہے جس میں زنا کی سزا سنگسار کر کے ہلاک کرنا ہے۔ ڈاکوؤں کے لئے ہاتھ پیر کاٹنے کی سزا مقرر کر دی گئی ہے اور دوسرے کئی جرائم کے لئے کوڑے لگانے اور قید کرنے کی سزائیں تجویز کی گئی ہیں۔ ان جرائم کا دائرہ شراب خواری سے طوائفیت تک پھیلا ہوا ہے۔ اور اب جبکہ بھٹو کی وفات ہو چکی ہے تو جلد ہی اسلامی تعزیرات کے تحت مزید اقدامات کئے جائیں گے۔

اگر سابق وزیرِاعظم پر نوآبادیاتی دنوں سے ورثے میں ملنے والے عام انگریزی قانون کی بجائے اسلامی قانون کے تحت مقدمہ چلایا جاتا تو انہیں کسی صورت میں سزائے موت نہیں دی جاسکتی تھی۔ اسلام میں قتل کی سازش کے لئے سزائے موت نہیں ہے۔ یہ بات تقریباً یقینی ہے کہ مسٹر بھٹو ضرور بری کر دیئے جاتے۔ اسلام وعدہ معاف گواہوں، ایسے لوگ جو معافی کے بدلے میں سلطانی گواہ بن جاتے ہیں، کی شہادت کو تسلیم نہیں کرتا۔

اس لئے ضیاء نے نئے نظام کے ایک حصے کو روک لیا، اور بھٹو ہلاک ہو گئے۔

وہ انتخابات جن کے 17 نومبر کو منعقد کئے جانے کا جنرل ضیاء نے وعدہ کیا ہے اور جس کے بعد اقتدار غیر فوجی حکومت کو منتقل ہونا ہے۔ ان کا زیادہ جوش و خروش سے انتظار نہیں کیا جا رہا ہے۔ وہ چھوٹی چھوٹی جماعتیں جنہوں نے بھٹو کی مخالفت میں پاکستان نیشنل الائنس قائم کیا تھا۔ ان میں پھوٹ پڑنی شروع ہو گئی ہے۔

فی الوقت پاکستان میں واحد سرگرمِ عمل سیاسی قوت پی این اے ہے اس نے پچھلے سال جنرل ضیاء سے تعاون کرنے سے اتفاق کیا تھا اور سیاستدانوں اور غیر فوجی سرکاری ملازمین پر مشتمل کابینہ میں اپنے نمائندے نامزد کئے تھے۔

www.bhutto.org

لیکن پی این اے کے شرکاء میں سے کوئی، یا ان چھوٹی جماعتوں میں سے کوئی جماعت جو علیحدہ ہو گئی ہے، عام پاکستانی کی ترجمانی نہیں کرتی۔ یہ بھٹو کی پیپلز پارٹی تھی جسے عام آدمی کی حمایت حاصل تھی جبکہ دوسری جماعتیں نچلے متوسط طبقے اور حکمرانوں اور دولت مندوں کے چھوٹے گروہوں کی نمائندگی کی طرف مائل تھیں۔

نومبر کے انتخابات اگر وہ کبھی منعقد ہوئے تو وہ جماعتوں کی تقابلی طاقت کو ظاہر کریں گے۔ اس مرحلے پر تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو کے بھوت اور پیپلز پارٹی کا کوئی مدِ مقابل نہیں ہے۔

(11 اپریل 1979)

www.bhutto.org

بھٹو پاکستان کا کرشمہ ساز رہنما

(فار ایسٹرن اکنامک ریویو)

''میں نے خدا سے بھی معافی نہیں مانگی ہے کیونکہ میں بے گناہ ہوں۔'' یہ الفاظ سابق وزیراعظم بھٹو نے 4 اپریل کو سولی پر اپنی موت سے صرف ۴ دن قبل کہے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ انہی الفاظ نے ان کی قسمت پر مہر لگادی کیون کہ انہوں نے اعتراف جرم کرنے اور صدر ضیاء الحق سے رحم کی درخواست کرنے سے انکار کردیا تھا۔ اب اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ مرنے سے قبل کہے ہوئے ان کے یہ الفاظ سچ ہیں یا نہیں، اہم بات یہ ہے کہ آیا ان کے اہلِ وطن کے لئے اتحاد کا نعرہ بنتا ہے یا نہیں......!

اسلام آباد دور طویل قومی ابتلا ختم ہوا۔ لیکن شاید نیا دور ابتلا شروع ہونیوالا ہے۔ پاکستان کی تاریخ میں طویل ترین عدالتی کارروائی، دنیا کے تقریباً تمام رہنماؤں کی طرف سے رحم کی اپیلوں اور آخری لمحوں تک ان کے انجام کے بارے میں غیر یقینی کیفیت کے بعد پاکستان کے سابق وزیراعظم ۴ اپریل کی ابتدائی ساعتوں میں تنہائی کی موت سے ہمکنار ہوئے جب کہ وہ ملک سویا ہوا تھا جس پر انہوں نے ساڑھے پانچ سال تک حکومت کی تھی۔

ایک سیاسی مخالف کے قتل کی سازش کے الزام میں سزا پانے والے 51 سالہ سابق وزیراعظم نے پھانسی کے سامنے اپنی بے گناہی پر اصرار کیا۔ انہیں پھانسی دیے جانے سے ۴ روز قبل جب کہ اس بارے میں ابھی شبہات باقی تھے کہ پاکستان کے فوجی حکمران، صدر ضیاء الحق ان کے دفتر میں روزانہ ہزاروں کی تعداد میں انبار ہونے والی ہزاروں اپیلوں کی طرف سے کان بند کرلیں

www.bhutto.org

گے، بھٹو نے کہا تھا کہ وہ بے داغ ضمیر کے ساتھ اپنے خالق سے ملنے کے لئے تیار ہیں۔

اپنی بے رونق کوٹھری میں بیٹھے ہوئے لاغر ونحیف سابق وزیراعظم نے اپنے اعلیٰ معاونین میں سے ایک، عبدالحفیظ پیرزادہ سے کہا تھا کہ ایک خطا پذیر انسان ہونے کی وجہ سے ان سے کئی گناہ سرزد ہوئے ہیں۔

جن کے لئے انہوں نے قادرِ مطلق سے معافی مانگی ہے لیکن وہ الزام جس کے تحت انہیں سزائے موت دی گئی ان کے گناہوں میں شامل نہیں ہے۔

جب کہ اس بارے میں میں نے خدا سے معافی نہیں مانگی ہے، کیونکہ میں بے گناہ ہوں، تو پھر میں کس طرح اس کے ایک بندے سے معافی مانگ سکتا ہوں؟'' انہوں نے پوچھا، اس لئے بھٹو نے اس آدمی سے، جسے انہوں نے کئی جنرلوں پر فوقیت دے کر اپنا چیف آف آرمی اسٹاف بنایا تھا، معافی مانگنے سے انکار کر دیا، انہوں نے اپنے خاندان اور حامیوں کو بھی اس طرح کی اپیل کرنے سے منع کر دیا تھا۔

لیکن اب یہ سوال کہ بھٹو مجرم تھے یا نہیں، علمی نوعیت کا سوال ہے۔ وہ شخص بھٹو جو پاکستان کی تاریخ کا سب سے زیادہ کرشمہ ساز رہنما تھا، رخصت ہو چکا ہے اور اب یہ دیکھنا باقی ہے کہ ملک کی متزلزل سیاست میں ان کا نام کتنے عرصے تک ایک جلاؤ دینے والی طاقت کے طور پر باقی رہے گا اور اس کے کیا نتائج ہوں گے۔ جب پاکستانیوں نے جاگتے ہی ان کی موت کی خبر سنی تو پرجوش احتجاج کی لہر دوڑ گئی سرینگر کشمیر میں پہریداروں نے فائرنگ کر کے تین احتجاج کرنیوالوں کو ہلاک کر دیا۔ بہرحال ایک شہید کی حیثیت سے یا ایک سخت مجرم کی حیثیت سے جس نے اپنے کیئے کی سزا پائی۔ موت کے بعد بھٹو کے اثر کا امتحان ابھی باقی ہے۔

گو کہ ساری علامات یہ ظاہر کرتی تھیں کہ جنرل ضیاء ملک کے اندر اور باہر سے کی جانے والی رحم کی اپیلوں کی بارش کی کوئی پرواہ نہیں کریں گے۔ اس کے باوجود پھانسی کی خبر حیران کن تھی۔ اس فیصلے کی انتہائی اہم راز کے طور پر پہرہ داری کی گئی تھی۔ قانون کا تقاضہ یہ تھا کہ انتظامیہ بھٹو اور ان کے عزیزوں کو کم از کم 48 گھنٹے قبل پھانسی کی تاریخ سے مطلع کرے اور یہ بھی

www.bhutto.org

قانونی تقاضہ تھا کہ جس کسی سے بھی وہ آخری ملاقات کرنا چاہیں اس کی انہیں اجازت دی جائے۔

پھانسی دینے سے پہلے والے دن بھٹو کی بیوی نصرت اور بیٹی بے نظیر کو ان سے ملاقات کے لئے موت کی کوٹھری میں لے جایا گیا۔ ماضی میں انہیں ایک گھنٹے سے زیادہ دیر ملاقات کی اجازت نہیں تھی، اس بار انہیں تقریباً ۳ گھنٹے رکنے کی اجازت دی گئی جس سے یہ شبہات ابھرے کہ یہ ان کی آخری ملاقات ہو سکتی ہے۔ لیکن انہیں اس کے بارے میں بات کرنے کا موقع دیئے بغیر انہیں تیزی کے ساتھ نظر بندی کی جگہ لیجایا گیا۔

تین دوسرے رشتہ دار جنہیں مسٹر بھٹو سے ملاقات کے لئے طلب کیا گیا تھا انہیں ملاقات کے بغیر واپس بھیج دیا گیا۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا انہیں آخری ملاقات کے لئے طلب کیا گیا تھا؟ لیکن انہیں کوئی واضح جواب نہیں دیا گیا۔

عام حالات میں جیلروں کو رحم کی اپیل مسترد ہونے کی اطلاع دی جاتی ہے جن پر یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ سزا یافتہ شخص کو ۷ دن کے اندر پھانسی دے دیں۔ لیکن ۳ اپریل کی شام تک سرکاری ذرائع اخباری نمائندوں سے یہی کہتے تھے کہ رحم کی اپیلوں پر غور کیا جا رہا ہے۔ بھٹو خاندان کی تنہا فرد، جنہوں نے بھٹو کی اس خواہش کے خلاف ورزی کی کہ رحم کی اپیل نہ کی جائے وہ ان کی بڑی سوتیلی بہن تھیں جنہوں نے کہا کہ بھٹو ان کے بیٹے کی طرح ہیں اور وہ انہیں حکم نہیں دے سکتے۔

مگر بھٹو کی پاکستان پیپلز پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے اراکین نے جن میں پیرزادہ بھی شامل تھے۔ اپیلیں کیں۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ انہوں نے بھٹو کی خواہش کے خلاف کیوں عمل کیا۔ ضیاء نے اس وقت تجویز پیش کی تھی کہ بھٹو، ان کی بیوی، بیٹی یا ان کے کسی قریبی رشتہ دار مثلاً ان کے چچا زاد بھائی ممتاز بھٹو کو درخواست دینی چاہئے۔ پیرزادہ نے ضیاء کو بھٹو کی ہدایت کے بارے میں بتایا اور ضیاء نے سوال کیا کہ وہ خود اپیل کیوں نہیں کر سکتے۔ پیرزادہ نے متعلقہ وسیع تر قومی مسائل کی وجہ سے اس سے اتفاق کیا۔

www.bhutto.org

ضیاء کی طرف سے اس قسم کا بیان ہی تھا جس نے آخری وقت تک بے یقینی کو جاری رکھا۔ کئی ماہ پہلے انہوں نے اعلان کر دیا تھا کہ وہ عدالت کے فیصلے کی پابندی کریں گے۔ لیکن انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ یہ مسئلہ آخری بار اپنے فوجی ساتھیوں اور اپنی کابینہ کے سامنے رکھیں گے اور یہ کہ آئین کے تحت یہ ان کا اختیار تھا کہ کوئی معافی قبول کریں یا مسترد کر دیں۔

گو کہ شاید ہی کسی کو توقع تھی۔ ضیاء بھٹو کی جان بخش دیں گے لیکن ان کے لئے یہ فیصلہ کرنا کوئی سیدھا سادہ مسئلہ نہیں تھا۔ جیل میں رہتے ہوئے بھٹو نے حکومت کو چین لینے کی اجازت نہیں دی اور مزاحمت کی علامت بنے رہے۔ دوسری طرف انہیں پھانسی چڑھانے سے خطرہ لاحق ہے کہ جلد یا بدیر ردعمل کا ایسا سلسلہ شروع ہوگا جو ایک دھماکے پر منتج ہو۔

مگر جنرل ضیاء انتہائی قدامت پرستوں کے اس شدید دباؤ میں تھے کہ سابق وزیراعظم کو پھانسی دی جائے مثال کے طور پر احمد رضا خاں قصوری جو بھٹو کے خلاف حکومت کے مقدمے میں مدعی تھے نے 30 مارچ کو ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ اگر بھٹو کو جیل میں یا جلاوطنی میں زندہ رہنے دیا گیا تو وہ یقیناً دوبارہ برسراقتدار آ جائیں گے اور جنرلوں اور ججوں کے لئے تباہ کن ہوگا۔ انہوں نے جنرلوں کو یاد دلایا کہ انہوں نے فوجی بغاوت کی ہے اور یہ کہ آئین کی دفعات میں آئین کی تخریب کاری کو بدترین غداری قرار دیا گیا ہے اور اس کی سزا موت تجویز کی گئی ہے۔

قصوری پریس کانفرنس بھٹو کی طرف سے ایک پرغضب جواب لائی۔ دوسرے دن پیرزادہ کو جیل میں طلب کر کے ان سے یہ نشاندہی کرنے کو کہا کہ سارا وقت جنتا اس بات پر زور دیتی رہی ہے کہ یہ ایک معمولی فوجداری مقدمہ ہے جس میں کوئی سیاسی مقاصد نہیں ہیں۔ اس لئے اب حکومت کے لئے ضروری ہے کہ حسب معمول مقاصد پر عمل پیرا ہو اس کے علاوہ گو کہ آئین کسی شہری کے بیرون ملک سفر پر قانونی پابندیاں لگانے کی اجازت دیتا ہے لیکن وہ اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کسی کو جلاوطن کیا جائے۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ اگر قصوری کے دلائل حکومت کی شہ پر نہیں ہیں تو انتظامیہ کو اس سے علیحدگی اختیار کرنی چاہئے۔ حکومت نے یہ مطالبہ پورا نہیں کیا۔

www.bhutto.org

پھانسی سے ایک دن پہلے یقیناً پھانسی سے ایک دن پہلے یہ محسوس ہوتا تھا کہ حکومت بھٹو پر غداری کا الزام عائد کرنے پر آمادہ ہے۔ پولیس نے صوبہ سندھ میں تین مکانوں پر چھاپہ مارا اور ملک کے خارجی تعلقات دفاع اور سالمیت سے تعلق رکھنے والی ''انتہائی حساس دستاویزات'' برآمد کیں۔ حکومت نے الزام لگایا کہ یہ دستاویزات اس وقت برآمد کی گئیں جبکہ غیر ملک سے باہر اسمگل کی جانے والی تھیں۔

وہ لوگ جو بھٹو کو پھانسی دینے کے لئے زور لگا رہے تھے وہ صرف اپنے ذاتی تحفظ کے لئے نہیں بلکہ اس واضح یقین کے ساتھ ایسا کر رہے تھے کہ یہ پاکستان کے لئے ضروری ہے۔ وہ سمجھتے ہیں اس وقت ملک کو مطلق العنان حکمرانی اور اطاعت گزار آبادی کی ضرورت ہے۔ ان کے خیال کے مطابق قومی تحفظ کی ایک اور بنیادی ضرورت یہ ہے کہ ملک میں فوجی پیشہ وارانہ اہلیت اور مستعدی کے فوائد کو سیاسی اقتدار کے ساتھ جوڑنے کی فضا پیدا کی جائے۔

اصل دلیل کی مخالفت کرتے ہوئے کہ جمہوریت کی کسی بھی خرابی کا واحد علاج مزید جمہوریت ہے۔ وہ یہ دلیل دیتے ہیں، ایسا علاج جلتی پر تیل چھڑکنے کے مترادف ہوگا۔

(13اپریل1979)

www.bhutto.org

بھٹو شہید کی پھانسی نے پوری دنیا میں جنرل ضیاء کو تنہا کر دیا

(ایشیا ویک)

آخری صورت میں یہ ذوالفقار علی بھٹو تھے جن کا مقابلہ پاکستان آرمی کے مرکز سے تھا۔ ایک سیاستدان اور جنرلوں کے درمیان مقابلہ تھا۔ عوام میں مقبول ایک سندھی کا پنجابی اشرافیہ سے مقابلہ تھا۔ ہارنے اور جیتنے والوں کے بارے میں کبھی کوئی شبہ نہیں تھا۔ اس کے باوجود کارروائی اس انداز میں جاری رہی جیسی کہ کسی ماہر کے لکھے ہوئے پراسرار اور حیران کن منظرنامے میں ہوتی ہے۔ ہدایت کاروں نے اپنا مشورہ رحم کی اپیل کی قانونی حد گزرنے تک روکے رکھا۔ جب کہ سزا پانے والے شخص کی بیوی اور بیٹی کو آخری طویل ملاقات کے لئے موت کی کوٹھری میں لے جایا گیا اور اس دوران ساری دنیا کوئی خبر سننے کا انتظار کرتی رہی۔

جب تک سب کچھ ہو نہیں چکا کوئی خبر نہ ملی۔ آخری ''کاؤنٹ ڈاؤن'' انتہائی رازداری کے عالم میں جاری رہا لیکن قریب سے مشاہدہ کرنے والے جانتے تھے کہ سانحہ ڈھالا جا چکا ہے۔ پہلی اعلانیہ علامت پیر کے دن ظاہر ہوئی۔ جب حکام نے بھٹو کی 4 اولادوں میں سے پاکستان میں رہنے والی واحد اولاد، بے نظیر سے کہا کہ اپنے والد سے آخری ملاقات کی تیاری کر لیں۔ یہ ملاقات جس میں والدہ نصرت بھٹو بھی موجود تھیں، اگلے روز ہوئی، تب حکام نے خواتین کو سزائے موت پر عمل درآمد کے حکومت کے فیصلے سے آگاہ کیا دونوں اس خبر کو عام نہ کر سکیں کیونکہ وہ نظر بند ہیں۔

www.bhutto.org

نیتجتاً بھٹو قبیلے کے سربراہ اور ایک چچا نواب نبی بخش بھٹو ''زلفی'' کے لئے قبر کی جگہ منتخب کر لیں۔ (منتخبہ جگہ تھی سندھ کے میدان میں واقع نوڈیرو کے قریب گڑھی خدا بخش بھٹو میں بھٹو کا آبائی قبرستان) منگل کے دن بھٹو کی بہن منور اور بہنوئی نسیم الاسلام سے کہا گیا کہ بدھ کے دن صبح کو میت وصول کرنے کے لئے بھٹو کے گاؤں کے نزدیک لاڑکانہ کے لئے پرواز کریں۔ ان کی پہلی بیوی امیر بیگم، جو اب بھی نوڈیرو میں رہتی ہیں، کو مشورہ دیا گیا کہ تدفین کے لئے موجود رہیں۔

(13 اپریل 1979)

www.bhutto.org

بھٹو شہید نے ملک کو انتشار سے بچایا اور وقار میں اضافہ کیا

(فار ایسٹرن اکنامک ریویو)

اپنے کروڑوں پرستاروں کے لئے ذوالفقار علی بھٹو وہ شخص تھے جنہوں نے بچے کھچے پاکستان کو ممکنہ انتشار سے بچایا، بنگلہ دیش کی خانہ جنگی کے بعد 90 ہزار جنگی قیدیوں کو ہندوستان کی قید سے آزاد کرایا اور معاشی اور خاص طور پر سماجی عدم مساوات کو کم کرنے کی کوشش کی۔ وہ اسلامی مفاد کے زبردست علمبردار تھے۔ وہ ایسے شخص تھے جو بین الاقوامی اداروں کی تمام رکاوٹوں کے باوجود پاکستان کے وقار کو بلند رکھ سکتے تھے اور اپنی وفات تک وہ اسلامی سربراہی کانفرنس کے چیئرمین تھے۔

مگر ان کے مخالفین کے لئے وہ ایک آمر کے سوا کچھ نہیں تھے۔ ایک کینہ پرور اور متلون مزاج حکمران تھے جو لوگوں کو بے وقوف بنا کر اپنے سیاسی مخالفین پر سخت گیری کرنے اور ان کو ہلاک کرنے تک کی اجازت حاصل کر لیتے تھے۔ جولائی 1977 میں فوجی بغاوت کے ذریعے انہیں معزول کرنے والے جنرل ضیاء الحق نے کہا تھا کہ بھٹو ایک بدترین دھوکہ باز اور بے رحم قاتل تھے۔

بھٹو کا عروج اور زوال دونوں بڑے پرشکوہ رہے ہیں۔ ۳۰ سال کی عمر میں ایوب خان کی کابینہ میں شامل ہونے پر وہ ملک کی تاریخ کے سب سے کم عمر وزیر تھے، 12 برس بعد

www.bhutto.org

پہلے صدر مملکت اور اس کے بعد وزیر اعظم کا عہدہ سنبھالنے کے بعد وہ ملک کے سب سے کم عمر سربراہ مملکت بنے۔ بھٹو کے مخالفین نے الزام لگایا کہ وہ واحد غیر فوجی چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر بنے اور مارشل لاء کو برقرار رکھا۔ لیکن یہ دلیل اس حقیقت سے کہیں کترا جاتی ہے کہ بھٹو کے پاس اور کوئی راستہ نہیں تھا کیونکہ ملک میں کوئی آئین نہیں تھا اور صرف مارشل لاء ہی ملک کا اعلیٰ ترین قانون تھا۔

اس کے بعد ۴ برسوں میں بھٹو کے کارنامے یہ تھے۔ پاکستان کو انتشار سے بچانا۔ اس کے شکستہ وقار کو بحال کرنا اور اقوام کی برادری اور خاص طور پر اسلامی ممالک میں اس کی پوزیشن کو مستحکم کرنا۔ انہوں نے ہندوستان سے تعلقات کو بحال کیا اور ملک کے اندر ایک پیچیدہ سیاسی جوڑ توڑ کے بعد بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کی منظوری حاصل کی۔ جو انتہائی قدامت پسندوں کے لئے ایک سرخ کپڑا ہے۔ انہوں نے بنک انشورنس اور دوسری بنیادی صنعتوں کو بھی قومی ملکیت میں لیا اور غریبوں اور امیروں میں تفاوت کو دور کرنے کے لئے زرعی اصلاحات نافذ کیں گو کہ تفاوت میں بہت زیادہ کمی نہیں ہوئی۔ لیکن ان کے اقدامات سے یقیناً ایک سماجی تبدیلی واقع ہوئی جس کی بنیاد مستقبل کے لئے امید پر تھی۔

بھٹو نے ایک اطالوی صحافی سے کہا تھا ''ایک سیاستدان میں ہلکا سا انداز ہونا چاہیے بے حد لچکدار کہ وہ اپنا ہاتھ چڑیا کے نیچے لے جائے اور انڈے نکال لے۔ ایک کے بعد ایک، اور ایسے کہ چڑیا کو اس کا احساس نہ ہو سکے۔'' بہر حال 1977 میں غیر فوجی حکومت کے تحت منعقد ہونے والے پہلے انتخابات میں ان کی پارٹی پاکستان پیپلز پارٹی حیران کن تعداد میں جیت گئی۔ جس کی وجہ سے انتخابات میں دھاندلی کا الزام لگا۔ ان کا ہلکا سا انداز ناکام ہو گیا۔ حزب اختلاف نے سڑکوں پر فسادات کروائے، اور انہوں نے پانچ سب سے بڑے شہروں میں مارشل لاء نافذ کر کے جوابی حملہ کیا۔ لاہور ہائی کورٹ مارشل لاء کو غیر قانونی قرار دیا اور اسے واپس لینا پڑا۔ اس کے بعد انہوں نے حزب اختلاف سے مذاکرات شروع کئے لیکن ایسے وقت میں جب کہ کامیابی کے اتنے قریب آ گئے تھے جتنے کہ پہلے کبھی نہیں تھے انہیں ۵ جولائی 1977 کو معزول کر دیا گیا۔

مذاکرات کی ناکامی ابھی تک ایک اسرار ہے ایئر مارشل اصغر خان جو اس وقت متحدہ حزب اختلاف کا ایک حصہ تھے بعد میں بتایا کہ بغاوت سے ایک دن پہلے انہوں نے مذاکرات کو ناکام بنادیا تھا۔ پچھلے ماہ کے آخر میں مفتی محمود نے پاکستان قومی اتحاد کو چھوڑ جانے والی جماعتوں پر حملہ کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان قومی اتحاد کے فیصلہ کن اجلاس میں انہوں نے اور متحدہ حزب اختلاف کے صدر نے مارشل لاء کے نفاذ کی مخالفت کی تھی جب کہ نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی اور اصغر خان کی تحریک استقلال نے اقتدار پر فوج کے قبضے کی حمایت کی تھی۔

مخالفین کے پاس بھٹو سے نفرت کرنے کی خاصی وجوہات تھیں۔ ان کا ناقابل برداشت غرور، ان کی مخالفت کو برداشت نہ کرنا، مخالفین کی صفوں میں نفاق کے بیج بونے کے لئے ان کی کوششیں، ان کی جانب سے سیاسی رہنماؤں کا تحقیر آمیز تذکرہ اور ان سے نمٹنے میں سخت گیری، چاہے وہ پولیس کے ذریعہ ہو یا خاص طور پر وجود میں لائی جانے والی نیم فوجی تنظیم فیڈرل سیکورٹی فورس کے ذریعے۔ یہ باتیں انہیں ان کے ہم چشموں میں مقبول نہیں بنا سکتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان کا زوال ہوا تو مخالفوں کی طرف سے پرزور مطالبہ کیا گیا کہ انہیں سخت مار لگائی جائے۔ بھٹو نے اعلان کیا تھا کہ ''شکاری کتے'' میرے خون کے پیاسے ہیں اور وہ مجھے ختم کرنے کا منصوبہ رکھتے ہیں۔ شاید اس وقت انہیں شبہ بھی نہ ہوگا کہ ان کے الفاظ کس قدر سچے ثابت ہوں گے۔

(13 اپریل 1979)

www.bhutto.org

شاید یہ آخری قتل بھی ثابت نہ ہو

(خواجہ احمد عباس، ہفت روزہ بلٹز، بمبئی)

''جو لوگ شمشیر پر بھروسہ کرتے ہیں وہ بالآخر اس کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔''

یہ پرانی کہاوت اس وقت میرے تصور میں موجود تھی جب پاکستان کے سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کے المیہ پر غور کر رہا تھا۔

مسٹر بھٹو کی موت کے بعد، ان کے سوگوار خاندان سے اظہارِ ہمدردی کرتے وقت ان بداعمالیوں سے چشم پوشی کرنے کی ضرورت نہیں جو ان کے دورِ حکمرانی میں موجود تھیں۔

موت کی کوٹھری کے تجربات سخت ترین مجرم بھی فراموش نہیں کر پاتے۔ یقینی طور پر ذوالفقار علی بھٹو جیسے خود پسند اور سخت گیر سیاستدان کی قلب ماہیت ہوتی ہوگی۔ جو مقبول نعروں کی افادیت سے آگاہ تھے۔ (انہوں نے انتخابات میں جماعت اسلامی کے ملاؤں کی ظلمت پسندی کا سوشلزم نے نعروں سے مقابلہ کیا) اور اسی قلب ماہیت کے نتیجہ میں وہ درخشاں مستقبل کی کرن بن گئے۔ انہوں نے ہمیشہ تکبر کیا مگر اچانک ملنے والی موت کا بڑے حوصلے سے مقابل کیا۔ انہوں نے رحم کی درخواست نہ کر کے اپنے ذاتی وقار اور مرتبہ کو سر بلند رکھا۔

ہمیں اس بات کی بھی ضرورت نہیں کہ ان کی مقبولیت میں عیب نکالیں، یہ ایک قسم کا سیاسی دوغلہ پن ہے جو کم از کم ترقی پسند نظریات کو خراجِ تحسین پیش کرتی ہے۔ اس صورت میں بھی کہ اگر مقبول رہنما اس کے مقصد پر خلوص کے ساتھ اعتماد نہیں کرتا۔

www.bhutto.org

لیکن کوئی شخص مسلسل خراب یا رجعت پسند نہیں رہتا، کوئی اچھا آدمی خراب ہو سکتا ہے یا خراب آدمی اچھا بن سکتا ہے۔ اگر ان دونوں باتوں کو مان لیا جائے تو مقبول دوغلہ شخص بھی ترقی پسند انسان میں تبدیل ہو سکتا ہے۔ یہ پہلے بھی ہوا اور اگر بھٹو کو زندہ رہنے کی اجازت دی جاتی تو ان کے معاملہ میں بھی یہ بات پیدا ہو سکتی تھی۔

پھانسی کے ذریعہ کسی کی موت انتہائی قدم ہے۔ اس کا مطلب ایک انسانی زندگی کا خاتمہ ہے، چاہے وہ اولوالعزم سیاستدان ہو یا ظالم لیٹرا۔ اگر کوئی غلطی ہو جائے تو اس کا ازالہ کسی طور پر ممکن نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ پوری دنیا میں سزائے موت کے اس فرسودہ تصور کے خلاف شدید رجحان تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ یہ خود ماضی کے دور بربریت کی باقیات ہے۔ یہ موسائی سزا کے تصور کی باقیات میں سے ہے جس میں دانت کے بدلے دانت اور زندگی کے بدلہ زندگی لینے کی ہدایت ہے۔

یہ درندگی اور ساتھ ہی ساتھ بے نتیجہ بھی ہے، یہ معمولی مزاحم بھی نہیں ہے کیونکہ قتل کی حرکت دراصل جنون یا پاگل پن ہے۔ جب کوئی انسان اس کے زیر اثر ہوتا ہے تو دلائل، عقل و شعور یہاں تک کہ زندگی کے تحفظ کی بنیادی جبلت سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ اسے از سرِ نو تعلیم دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ تاکہ وہ تشدد اور نفرت ترک کر دے۔ کسی کے گلے میں پھانسی کا پھندہ ڈال کر یا فائرنگ اسکواڈ کے ذریعہ صفحۂ ہستی سے مٹا کر مسئلہ حل نہیں کیا جا سکتا۔

پھانسی کے ذریعہ قاتل کو قتل کرنا قدیم زمانے کا سب سے وحشیانہ اور پرانا طریقہ کار ہے۔ اور بھٹو "قاتل" کے لفظی معنی اور تعریف، کسی بھی اعتبار سے قاتل نہیں تھے۔ ان پر انتہائی الزام یہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ بے صبر اور متکبر سیاستدان تھے جو مخالفت برداشت نہیں کرتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے یہ ریمارک دیا ہو کہ وہ بعض مخالف سیاستدانوں کے ہتھکنڈوں سے تنگ آ گئے ہیں اور ان کے کچھ اسلحہ بردار ملازموں نے ان کے اس ریمارک سے یہ غلط مطلب نکالا ہو کہ وہ اپنے مخالفین کو جسمانی طور پر ختم کرنا چاہتے ہیں۔

www.bhutto.org

مسٹر بھٹو کے نزدیک سیاستدان کو قتل کے ذریعہ راستے سے ہٹانے کا خیال غیر ضروری اور ناعاقبت اندیشانہ تھا۔ ان کو ان تمام اختیارات کے ساتھ جو انہیں حاصل تھے، اپنے مخالفین کے قتل کی سازش کی بھی ضرورت نہیں تھی۔

بہر کیف، بھٹو کی موافقت اور مخالفت دونوں بیشار قانونی دلائل دیئے جا سکتے ہیں لیکن یہ بات اپنی جگہ موجود ہے کہ دنیا بھر کے عوام اور پاکستانی عوام کی اکثریت اس پر یقین رکھتی ہے کہ پھانسی کے ذریعہ ان کی موت پاکستان کے سیاسی قتال کی تازہ ترین مثال ہے جو پاکستان کا خاص سیاسی طریقۂ کار رہا ہے۔

سب سے پہلے دن کی روشنی میں لیاقت علی خان کو قتل کیا گیا اور ان کے قاتل کو بھی موقعہ پر گولی مار کر ختم کر دیا گیا۔ کیونکہ مردہ شخص کوئی کہانی نہیں سناتا۔ اس طرح ان کے قتل پر آج تک اسرار کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ ان کے قتل میں سی آئی اے کے ملوث ہونے کا شبہ ظاہر کیا گیا تھا، مگر کوئی ثبوت سامنے نہیں لایا گیا۔ اس کے بعد خان عبدالغفار خان کے بھائی اور تحریک آزادی کے رہنما ڈاکٹر خان صاحب کو قتل کیا گیا۔

بعد ازاں الیکشن ہوا جس میں بنگالی رہنما شیخ مجیب الرحمان اکثریتی ووٹوں کے ساتھ نمودار ہوئے جب کہ بھٹو ان کے عقب میں تھے۔ یہ بھٹو کا رویہ تھا جس کے سبب بنگلہ دیش میں انقلاب برپا ہوا۔ شیخ مجیب الرحمان کو گرفتار کر لیا گیا اور انہیں مغربی پاکستان کی جیل میں بند کر دیا گیا، جہاں ان کے گلے میں پھانسی کا پھندہ ڈالنے کی تقریباً تمام تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔

بعد ازاں مکتی باہنی بھارتی فوج کی مدد سے آگے بڑھی اور اس نے ٹکا خان کے تسلط کو شکست دی، تب کم از کم بھٹو نے معاملہ فہمی کا ثبوت دیا اور انہوں نے شیخ مجیب کو رہا کر دیا اور شیخ مجیب فاتحانہ ڈھاکہ پہنچے۔

بھٹو کی پھانسی کو سیاسی قتل کے سوا دوسرا کوئی نام نہیں دیا جا سکتا اور شاید یہ آخری قتل بھی ثابت نہ ہو۔ علاوہ ازیں جو سیاسی ردعمل ہوگا، اس کے نتیجہ میں پاکستان کے مزید ٹکڑے بھی ہو سکتے ہیں۔

www.bhutto.org

یہاں بھارت میں، ہمیں اپنے ستاروں کا شکرگزار ہونا چاہیے کہ ردعمل کی جو بھی طاقتیں، نفرتیں اور تشدد موجود ہیں ان کی راہ میں گاندھی کی انسانی دوستی اور عدم تشدد اور نہرو کی جمہوریت اور سوشلزم مزاحم ہیں۔ یہ بات اہم ہے کہ بھارت سے طویل روابط اور محبت کے تعلقات میں بھٹو نے آخری معاہدے میں بھارت کے متعلق اچھے جذبات کا اظہار کیا۔

ایک شخص کو رات کی تاریکی میں ۲ بجے قتل کر دیا گیا۔ انہوں نے یقیناً بہادری کی موت کو قبول کیا۔

(14اپریل1979)

www.bhutto.org

بھٹو کی وصیت ایک سیاسی ڈائنامائیٹ

(بلٹز، بمبئی)

جنرل ضیاء اور انکی فوجی حکومت، بھٹو کے حامی مظاہرین کو خاموش کرنے کے لئے ایک نیا ہتھیار عمل میں لے آئی ہے۔ یہ ہتھیار ایک جنونی تنظیم ہے جو اسلامی چوکیداروں کے نام سے موسوم ہے۔ اور جسے جماعت اسلامی نے قائم کیا ہے۔ اس کے مسلح غنڈے جتھوں کی صورت میں گشت کرتے ہیں، بھٹو کا ماتم کرنیوالوں ہمدردوں جن میں روتی ہوئی خواتین بھی شامل ہوتی ہیں کو ہراساں کرنے کے لئے یہ لوگ ضیاء کے حق میں نعرے لگاتے ہیں اور ان کے خلاف عملی کارروائی کرتے ہیں۔

بھٹو کی اہلیہ بیگم نصرت بھٹو اور بیٹی بے نظیر پہلے گھر میں نظر بند تھیں لیکن بعد میں انہیں راولپنڈی پولیس کیمپ سینٹر (سہالہ ریسٹ ہاؤس) منتقل کر دیا گیا۔ جہاں انہیں تالے میں بند رکھا گیا ہے۔ اور وہ شہر (راولپنڈی) سے بالکل کٹی ہوئی اور تنہا ہیں۔ یہاں (راولپنڈی میں) خبریں گرم ہیں کہ انہیں (بیگم نصرت بھٹو اور بے نظیر بھٹو) بھٹو کی آخری وصیت اور دستاویز، جو ''قوم کے نام پیغام'' کی صورت میں ہے، بتانے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ سخت دباؤ ڈالا جا رہا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ پھانسی سے قبل آخری ملاقات کے دوران سزا یافتہ رہنما نے یہ دستاویز (قوم کے نام پیغام) انہیں دے دی تھی۔

خیال کیا جاتا ہے کہ اس پیغام میں ایک ''سیاسی ڈائنامائیٹ'' ہے۔ جب کہ بیوہ اور بیٹی

www.bhutto.org

اس نوعیت کے کسی بھی پیغام کی موجودگی سے انکار کر رہی ہیں۔ (لیکن) ان کو گرفتار کرنے والوں کا اصرار ہے کہ ان کے پاس اس پیغام کی موجودگی کا ثبوت ہے۔ کیونکہ انہوں نے بھٹو کی کوٹھری سے ملحقہ ایک کوٹھری میں مانیٹرنگ اسٹیشن لگا رکھا تھا جو بھٹو کی کال کوٹھری میں ہونے والی ہر آواز یا الفاظ کو ریکارڈ کرتا تھا۔ اب نصرت اور بے نظیر دونوں کو دھمکی دی جا رہی ہے کہ اگر انہوں نے دھماکہ خیز راز کا انکشاف نہیں کیا تو ان پر ''تھرڈ ڈگری'' کا استعمال کیا جائے گا۔

دریں اثناء ان خواتین (بیگم نصرت بھٹو اور بے نظیر بھٹو) کے حوالے سے جو اطلاعات باہر آئیں ہیں۔ ان کے مطابق ضیاء کی پولیس نے بھٹو کی قوتِ اداری کو توڑنے جاں بخشی کی بھیک مانگنے پر مجبور کرنے کے لئے بھٹو پر ان کی زندگی کے آخری 48 گھنٹوں کے دوران ناقابل بیان تشدد کیا۔ لیکن وہ قیدی (مسٹر بھٹو) کا غیر متزلزل عزم اور قوت ارادی توڑنے میں بری طرح ناکام رہے۔ ان کی بیوہ اور بیٹی کی رپورٹ کے مطابق جب وہ منگل کو آخری ملاقات کے لئے ان (بھٹو) کی کوٹھری میں گئیں تو اس وقت انتظامیہ نے بھٹو کو بتایا کہ انہیں اگلی صبح پھانسی دے دی جائے گی (یہ سن کر) سزا یافتہ شخص نے جواب دیا۔ ''گڈ''۔ پھر اپنا ہاتھ بڑھی ہوئی شیو پر پھیرتے ہوئے انہوں نے کہا۔

''میں شیو کرنا چاہتا ہوں کیوں کہ تم جہاں مجھے بھیج رہے ہوں وہ ایک خوبصورت دنیا ہے اور میں صاف ستھرا اور تر و تازہ نظر آنا چاہتا ہوں۔''

ظاہر ہوتا ہے کہ اسی شام کو پھر دوبارہ بھٹو کو سخت زدوکوب کیا گیا۔ اور جب پھانسی کے لئے انہیں دو بجے کے قریب بیدار کیا گیا تو ان کی ہڈیوں میں تشدد کی وجہ سے اتنا درد ہو رہا تھا کہ وہ بستر سے نہ اٹھ سکے۔ اذیت پہنچانے والوں نے انہیں از خود کھڑے ہونے کی مہلت تک نہیں دی۔ انہیں اٹھا کر اسٹریچر پر ڈال دیا اور کوٹھری سے باہر لے گئے۔

لیکن کچھ ہی وقفے کے بعد بھٹو اسٹریچر سے کود پڑے اور اپنے روایتی پروقار اور سبک رفتار انداز میں چل کر تختۂ دار تک گئے۔ پاکستانی جیل مینوئل میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ ساڑھے پانچ بجے صبح سے قبل پھانسی نہیں دی جائے گی، سزا یافتہ شخص کو صبح کی نماز پڑھنے کا وقت دیا جائے

www.bhutto.org

گا۔لیکن بھٹوکو دو بجے شب کو پھانسی دی گئی۔اس سے گھناؤنی عجلت اور خوف ظاہر ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے ضیاء انتظامیہ نے اپنا سیاہ کارنامہ رات کی تاریکی میں انجام دیا۔

جب ان کی بیوہ اور بیٹی نے ان سے آخری ملاقات کی ،تو انہیں گلے ملنے کی بھی اجازت نہیں دی گئی نہ ہی انہیں اسلامی روایت کے مطابق بھٹو کے چہرے کو بوسہ دینے کی اجازت دی گئی۔ اور نہ ہی تدفین میں شرکت کی اجازت دی گئی۔ ان کی پہلی اہلیہ،جنہیں ''آخری دیدار'' کی اجازت دیدی گئی تھی، نے کہا''میں نے ان کا چہرہ دیکھا، جو ایک معصوم پھول جیسا نظر آرہا تھا۔''

......کہ مرنے والے کو آخری نماز بھی پڑھنے کی اجازت نہیں دی۔''مالک مدد......میں بے گناہ ہوں'' کے الفاظ پاکستانی ابلاغ عامہ میں بھی رپورٹ ہوئے لیکن انہوں نے تردید کی اور کہ یہ الفاظ بی بی سی اور اس وقت راولپنڈی میں موجود غیر ملکی صحافیوں نے گھڑے ہیں۔

آج بھٹو زندہ نہیں ،لیکن ان کی موت اور ان کی بیوہ اور بیٹی کی نظر بندی پاکستان میں شدید بے چینی اور اضطراب کا باعث بنی ہوئی ہیں۔

(14اپریل1979)

www.bhutto.org

جماعت کی ٹانگیں توڑ دیں

(ہفت روزہ بلٹز)

جموں وکشمیر میں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی کے خلاف عوامی ردعمل ابھی تک جاری ہے۔ مظاہرے ہو رہے ہیں اور مظاہرین جماعت اسلامی کے ارکان، دفاتر اور اسکولوں کو نشانہ بنا رہے ہیں۔ بمبئی کے ہفت روزہ 'بلٹز' نے اپنی 14 اپریل 1979 کی اشاعت میں لکھا ہے کہ جموں وکشمیر میں جماعت اسلامی نے بھٹو کی پھانسی پر مٹھائی تقسیم کی، مبارک بادیاں دیں اور مسرت کا اظہار کیا۔ جماعت اسلامی کی ان انسانیت سوز حرکات نے کشمیری عوام کو مشتعل کر دیا اور اب وہ جماعتیوں کو نشانہ بنا رہے ہیں۔ تفصیلات کے مطابق ضلع اننت ناگ میں مظاہرین نے دو جماعتے سابق ارکان اسمبلی رزاق میر اور علی محمد میر کی سخت پٹائی کی اور علی محمد میر کی ٹانگیں توڑ دیں۔ اسی ضلع کے اسلام آباد نامی قصبے میں کشمیری نوجوانوں نے متعدد جماعتوں کی پٹائی کی۔ پورے جموں وکشمیر میں مظاہرین جماعتیوں، جماعت اسلامی کے دفاتر اور ان کے اسکولوں کو نشانہ بنا رہے ہیں۔ ضلع جموں کے قصبے کشت دار میں مظاہرین نے جماعت اسلامی کے ایک اسکول پر حملہ کر کے اسے مسمار کر دیا۔

''بلٹز'' کی رپورٹ کے مطابق لاکھوں کشمیری جو پاکستان کے نعرے لگاتے تھے اور خود کو پاکستان نواز کہتے تھے، بھٹو کی پھانسی کے بعد راتوں رات ''قوم پرست'' بن گئے ہیں۔

www.bhutto.org

جمی کارٹر کا ''گرین سگنل''

(بلٹز، بمبئی)

امریکہ کے صدر جمی کارٹر نے معزول وزیراعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو دار پر لٹکانے کا ''گرین سگنل'' 3اپریل 1979 کو دیا تھا اور امریکہ کی منظوری کے بعد دوسرے دن ہی مسٹر بھٹو کو پھانسی دے دی گئی۔ اس کا انکشاف بھارت کے ممتاز ہفت روزہ ''بلٹز'' بمبئی نے 14اپریل 1979 کی اشاعت میں کیا ہے۔

''بلٹز'' کی رپورٹ کے مطابق پھانسی دیے جانے سے 24 گھنٹے قبل ایسے واقعات رونما ہوئے جس سے صورتحال یکدم بدل گئی۔ اسلام آباد میں مقیم امریکی سفیر نے ضیاء کو واشنگٹن کا ایک خصوصی پیغام دیا۔ بتایا جاتا ہے کہ فوجی حکمران کو دوبارہ یقین دلایا گیا کہ جمی کارٹر کا پبلک انداز اور خیالات خواہ کچھ ہوں لیکن امریکہ، بھٹو کی پھانسی کے معاملے میں ضیاء کی حمایت اور پشت پناہی جاری رکھے گا۔ اس پیغام کو اسلام آباد میں بھٹو کو دار پر لٹکانے کا ''گرین سگنل'' سمجھا گیا۔ مذکورہ ہفت روزہ مزید لکھتا ہے کہ امریکہ نے پاکستان کی جو فوجی امداد بند کی ہے اس کا تعلق بھٹو کی پھانسی سے قطعی نہیں بلکہ ایٹمی بموں سے ہے، جو پاکستان بنانا چاہتا ہے۔

رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ بھٹو نے اپنی وصیت کی شکل میں جو آخری تحریر لکھی ہے اس میں بھی بھٹو نے کہا ہے کہ سی آئی اے اسے ختم کرانے میں بہت دلچسپی لے رہی تھی۔ اور امریکی حکمران فیصلہ کر چکے تھے کہ بھٹو کو لازمی طور پر مار دیا جائے کیونکہ مسٹر بھٹو دنیا کے اس حصے میں امریکی پالیسیوں اور حکمت عملی میں سب سے بڑی رکاوٹ بن گئے تھے۔ سی آئی اے اور امریکی حکمران اس

وقت بھٹو کے جانی دشمن بن گئے جب شہید رہنما نے آزادانہ پالیسی اختیار کی اور خصوصاً صیہونی اور امریکی عوام دشمن منصوبوں کے خلاف ایک متحدہ اسلامی محاذ بنانے کی کوششیں کیں۔ علاوہ ازیں بھٹو سی آئی اے کے خفیہ منصوبوں، رازوں اور سرگرمیوں کے بارے میں بھی بہت کچھ جانتے تھے اور وہ اس کے منصوبوں اور رازوں کا انشا کر کے سی آئی اے کے لئے شدید دشواریاں پیدا کر سکتے تھے۔ جس کے نتیجہ میں اس علاقے (جنوبی ایشیا اور مشرقِ وسطیٰ) میں گڑبڑ اور امریکی مفادات پر ضرب کاری پڑنے کے امکانات تھے جب کہ سی آئی اے اس علاقے میں ہنگامے نہیں چاہتی، تاکہ افغانستان اور ایران کے خلاف پاکستان کو اپنی سازشوں کا ''اسپرنگ بوٹ'' بنا سکے۔

''بلٹنر'' نے ایک اور واقعہ کی نشان دہی کی ہے جو مسٹر بھٹو کو پھانسی دینے کے فیصلہ کا ایک سبب بنا۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ملٹری کونسل جو پاکستان کی فوجی جنتا کا حقیقی پالیسی ساز ادارہ ہے اس کا ایک ہنگامی اجلاس 3 اپریل 1979 کو ہوا۔ اس اجلاس میں دو ایسے جنرلوں جو عموماً اپنے بگ باس کی ہاں میں ہاں نہیں ملاتے) نے غیر متوقع اور حیرت انگیز طور پر بھٹو کی پھانسی کے حق میں دلائل دیئے اور دار پر لٹکانے کے لئے شدید اصرار کیا۔ جب کہ جنرل چشتی اور دوسروں نے یہ نظریہ پیش کیا کہ ''بھٹو قبر کی نسبت جیل میں فوجی حکومت کے لئے زیادہ طاقتور اثاثہ ثابت ہو سکتے ہیں۔'' بہرحال جنرل ضیاء نے پھانسی کے حق میں فیصلہ دیدیا۔ لیکن وہ بھٹو کو پھانسی دے کر بالکل تنہا رہ گئے ہیں اور ان کا حامی قومی اتحاد بھی حکومت سے علیحدہ ہو گیا ہے۔

رپورٹ کے آخر میں کہا گیا ہے کہ بلاشبہ مسٹر بھٹو نے اپنی زندگی میں کئی غلطیاں کیں۔ ان میں انسانی کمزوریاں بھی تھیں جو عموماً ایک انسان میں ہوتی ہیں۔ لیکن انہوں نے جس دلیری اور پامردی سے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں جس جرات سے موت کو گلے لگایا۔ ان کے اس آخری اقدام نے ان کی تمام غلطیوں کو دھو دیا ہے۔ اور انہیں ایک باوقار مقام عطا کر دیا ہے اور بھٹو کی صورت میں عرصی تاریخ کو ایک ایسا شخص مل گیا ہے جس پر وہ فخر کر سکتی ہے۔

(14 اپریل 1979)

ضیاء قاتل ہیں: شاہ نواز

(دی ٹرائیبون، شکاگو)

پاکستان کے سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو اس ایک شخص سے جو انہیں بچا سکتے تھے۔ یعنی صدر پاکستان آخری مرحلے پر اپیل کو مسترد کرتے ہوئے ایک سال تک موت کا انتظار کرنے کے بعد بدھ کے دن علی الصبح راولپنڈی جیل میں پھانسی چڑھ گئے۔

حکومت پاکستان نے بدھ کے دن تصدیق کر دی کہ بھٹو کو پھانسی دے دی گئی اور آٹھ گھنٹے کے اندر اندر صوبہ سندھ میں ان کے آبائی شہر کے قریب انہیں دفنا دیا گیا۔

ریڈیو پاکستان سے نشر ہونے والے وزارتِ داخلہ کے ایک اعلامیے میں کہا گیا کہ 51 سال سیاستدان جو 1971 سے 1977 تک ملک پر چھائے رہے اور 21 ماہ قبل فوجی بغاوت کے ذریعے انہیں معزول کرنے والے ۴ ستاروں والے جنرل صدر محمد ضیاء الحق کے رحم کی تمام اپیلوں کو مسترد کر دینے کے بعد انہیں نصف شب کے بعد ۲ بجے پھانسی دے دی گئی۔

انہیں پچھلے سال 1974 میں قتل ہونے والے ایک سیاسی دشمن کے قتل کا حکم دینے پر سزائے موت سنائی گئی تھی۔

سرکاری اعلامیے میں کہا گیا ہے کہ پاکستانی فضائی فوج کا ایک طیارہ ان کی میت کو جنوبی پاکستان میں بھٹو کی جائے پیدائش نوڈیرو لے گیا اور یہ کہ انہیں دفن کر دیا گیا۔ اس سے پہلے کی غیر سرکاری اطلاعات کے باوجود میت کو ایک خفیہ غیر نشان زدہ قبر میں دفن کر دیا گیا ہے۔

وزارت داخلہ نے کہا کہ میت قبرستان میں ان کے دو چچاؤں کے حوالے کر دی گئی۔ سرکاری اعلان:

www.bhutto.org

سے گھنٹوں قبل اردو زبان کے اخبارات ''جنگ''، نوائے وقت نے کراچی اور راولپنڈی سے شائع ہونے والے خصوصی ایڈیشنوں کے ذریعے اس کی اطلاع دی تھی۔

صدر کارٹر دنیا کے اس سیاسی مذہبی رہنماؤں میں ایک تھے جنہوں نے بھٹو کے لئے رحم کی اپیلیں کی تھیں۔ مغربی تجزیہ نگاروں کو اندیشہ تھا کہ پھانسی پاکستان کو ایک شدید سیاسی بحران میں دھکیل دے گی اور شمال مغربی سرحد کے علیحدگی پسندی کے جذبات میں اضافہ کرے گی۔ بھٹو کے اپنے صوبے میں ہائی کورٹ نے اس مقدمے کا اس نکتہ نظر سے جائزہ لیا کہ آیا اسلامی قانون کی روشنی میں سزائے موت درست ہے یا نہیں، مگر اس نے اس سے قبل اس جائزے کے دوران پھانسی کو روکنے سے انکار کر دیا تھا۔ جبس بے جا کے اجرائے پروانہ کی درخواست عدالت نے مسترد کر دی تھی۔ اپیلوں کے خاتمے نے بھٹو کی تقدیر کو ضیاء کے ہاتھ میں دے دیا۔ جنہیں یہ اختیار حاصل تھا کہ رحم کی درخواست منظور کریں۔ معافی دے دیں یا سزائے موت میں تخفیف کر کے عمر قید میں بدل دیں۔

افواہوں اور سرکاری خاموشی کے ایک بارش زدہ دن بھٹو کی بیٹی، بے نظیر بھٹو اور ان کی والدہ بیگم نصرت بھٹو نے جیل میں بھٹو سے ملاقات کی۔ وہ پتھرائے ہوئے چہروں کے ساتھ ایک متنفر سرکاری کار میں سوار ہو گئیں۔

ان کے تاثرات ان کئی علامتوں میں سے ایک تھے کہ بھٹو کو جلد پھانسی دے دی جائے گی۔ خاندان کے دوسرے افراد کی ملاقاتیں منسوخ کر دی گئیں۔ اس کے علاوہ دونوں خواتین کو پہلے جو آدھے گھنٹے تک ملاقات کا وقت دیا جاتا تھا اس کی بجائے ۳ گھنٹے کا وقت دیا گیا۔

بھٹو کے صفائی کے وکیل اور دوست عبدالحفیظ پیرزادہ نے پہلی بار منگل کے دن اخباری نمائندوں سے بات سے انکار کر دیا اور صحافی افراد خاندان یا وکیلوں، کسی بھی شخص کو جیل کے قریب جانے کی اجازت نہیں دی گئی۔

سابق وزیراعظم کے سب سے بڑے بیٹے آکسفورڈ کالج کے گریجویٹ سٹوڈنٹ میر مرتضٰی بھٹو نے لندن میں کہا کہ انہیں یہ سن کر صدمہ پہنچا کہ ان کے والد کو پھانسی دے دی گئی ہے۔

www.bhutto.org

''اگر یہ خبر درست ہے تو جو کوئی بھی اس قتل کا ذمہ دار ہے اسے بھاری قیمت ادا کرنی پڑے گی۔'' ردعمل کے شروع ہونے میں (پاکستان میں) کچھ وقت لگے گا۔ لیکن حکومت اس پر قابو نہیں پا سکے گی، اس کا میں وعدہ کر سکتا ہوں۔'' انہوں نے کہا

دوسرے بیٹے شاہنواز نے لندن میں کہا کہ ضیاء ''قاتل'' ہیں۔

''انہوں نے مایوس اور خوفزدہ ہو کر ایسا کیا ہے، میرے والد کی مقبولیت سے خوفزدہ ہو کر، اس بات سے خوفزدہ ہو کر کہ وہ میرے والد کی نیک نامی کو تباہ نہیں کر سکے۔'' انہوں نے کہا'' وہ میرے والد کو سیاسی طور پر ہلاک نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے انہوں نے انہیں جسمانی طور پر ہلاک کر دیا۔'' ضیاء کی فوجی حکومت نے ان کی موت کے خلاف احتجاج کے طور پر وسیع پیمانے پر ہونے والے فسادات کی پہلے سے بندش کرنے کے لئے بھٹو خاندان اور پاکستان پیپلز پارٹی کے خلاف سخت کارروائیاں کیں۔

واشنگٹن میں اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے ایک ترجمان نے کہا کہ 'کئی مواقع پر ہم نے اپنی اس توقع سے آگاہ کیا تھا کہ ان کی جان بخشی کی جائے گی۔'' واشنگٹن میں پھانسی کی خبر سننے کے بعد رہوڈز آئی لینڈ کے ایک سینئر ڈیموکریٹ اور سینٹ کی تعلقات خارجہ کمیٹی کے رکن کلے بورن ہیل نے ضیاء کو عیدی امین کی طرح کا قرار دے کر مذمت کی۔ ہیل نے پھانسی کے بارے میں کہا ''ایک وحشیانہ اقدام، ایک ایسا اقدام جو میری رائے میں مہذب اقوام، ظاہر ہے کہ پاکستان ان میں شامل نہیں ہے کے احساسات کو جھنجوڑ دے گا۔

بھٹو نے یونیورسٹی آف کیلی فورنیا، انگلینڈ میں اور آکسفورڈ میں تعلیم حاصل کی تھی۔

(14 اپریل 1979)

www.bhutto.org

آزاد کشمیر کی سرحدی چوکیوں پر رینجرز کی بجائے فوج متعین کر دی گئی

(مانیچی ڈیلی)

ٹوکیوں اور اوساکا سے بیک وقت شائع ہونے والے روزنامے ''مانیچی ڈیلی نیوز'' نے جموں سے یو پی آئی کے حوالے سے مندرجہ ذیل خبر اپنے 15 اپریل 1979 کے شمارے میں شائع کی ہے۔ (ادارہ)

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پاکستان اپنے سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی چڑھانے کو ہندوستان سے کشمیر کے سرحدی تنازعے کو از سر نو اٹھانے کے لئے عذر کے طور پر استعمال کر رہا ہے۔

متنازعہ سرحد اس نسبتاً مالدار علاقے سے گزرتی ہے جس کی ایک طرف ہندوستانی ریاست کشمیر اور دوسری طرف آزاد کشمیر ہے جس پر ایک خودمختار آزاد علاقے کے طور پر پاکستان کی حکمرانی ہے۔

حال ہی میں اس علاقے سے آنے والے سیاحوں نے کہا ہے کہ پاکستان نے 750 میل لمبی سرحد بند کر دی ہے اور آزاد کشمیر میں واقع چوکیوں پر متعین کرنے کے لئے آزاد کشمیر میں مزید فوج پہنچائی ہے۔

www.bhutto.org

سرحدی چوکیوں پر پہلے پاکستان کے نیم فوجی رینجرز کو متعین کیا جاتا تھا۔ جنہیں اس ماہ کے اوائل میں بھٹو کی پھانسی کے بعد سے صدر محمد ضیاء الحق کی فوجی حکومت کے خلاف ہونے والے زبردست مظاہروں کے بعد اب پاکستان میں ان کی بیرکوں میں واپس بھیج دیا گیا ہے۔

متنازعہ سرحد جسے 1971 کی ہند پاکستان جنگ کے بعد ''حقیقی کنٹرول والی سرحد'' کا نام دیا گیا ہے کے قریب ہندوستانی علاقے میں رہنے والے کشمیر کہتے ہیں کہ پاکستانی فوجی حکام نے سرحد کے قریب رات دن مشقیں جاری رکھنے کا حکم دیا ہے۔ فوجی رہنما کہتے ہیں کہ دشمن کے ایجنٹوں یا بھٹو کی موت کے خلاف احتجاج اور ریاست کو پاکستان سے علیحدہ کرنے کا مطالبہ کرنے والوں کی حوصلہ شکنی کے لئے مشقیں کی جارہی ہیں۔

کشمیر کے ضلع پونچھ کے اگئوں مینڈھار کی پنچایت کے صدر چوہدری علی خاں ہندوستانی علاقے میں سرحد سے 12 فٹ کے فاصلے پر رہتے ہیں۔ انہوں نے یونائیٹڈ پریس انٹرنیشنل کو بتایا کہ پاکستان کی فوجی کارروائیوں کے خوف سے ان کے دیہات کے لوگوں نے اپنے خاندانوں کو محفوظ مقامات پر بھیج دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ عام طور پر یہ محسوس کیا جارہا ہے کہ پاکستان کی نیت یہ ہے کہ ہندوستانی کشمیر پر قبضہ جمانے کے لئے جارحانہ کارروائی شروع کی جائے۔

انہوں نے کہا کہ بھٹو کی پھانسی کے خلاف شدید مظاہروں کے بعد سے پاکستانی علاقے میں دیہاتی حسب معمول اپنے کھیتوں میں ہل چلانے کے لئے باہر نہیں آئے ہیں۔

ایک ہندوستانی گاؤں راجوری، بالاکوٹ کے رہنے والے ایک دیہاتی محمد اسلم نے کہا فوجی کارروائی کا مقصد یہ ہے کہ بھٹو کے حامی پاکستانی ہمدردوں کو ہندوستانی کشمیر کے بھٹو کے سرگرم حامیوں کے ساتھ مل جانے کو روکا جائے۔

متنازعہ سرحد کے قریب رہنے والے دیہاتیوں کے کہنے کے مطابق آزاد کشمیر میں ''خالص بغاوت'' کا موڈ ہے کیونکہ بھٹو کو پھانسی دیئے جانے کے بعد سے کشمیر میں علیحدگی کی تحریک نے زور پکڑ لیا ہے۔

دیہاتیوں نے کہا کہ اکثر سرگرمیوں کا رخ ضیاء کے خلاف ہے اور یہ کشمیر میں

پاکستانیوں کو اندیشہ ہے کہ مارشل لاء کے تحت ان کی زندگیاں خطرے میں ہیں۔ کیونکہ وہ ضیاء اور حکمران جنرلوں سے خوفزدہ ہیں۔ دیہاتیوں نے پہلی بار مطالبہ کیا ہے کہ انہیں پاکستان کے تسلط سے نجات دلائی جائے۔

وہ محسوس کرتے ہیں کہ بھٹو سچا جمہوریت پسند تھا اور وہ ایسا واحد انسان تھا جس میں ہندوستان سے کشمیر کا مسئلہ طے کرنے کی ہمت تھی۔

پاکستان کشمیر میں رہنے والے دعویٰ کرتے ہیں کہ ضیاء نے تمام پاکستانیوں کی طرح انہیں بھی تمام شہری آزادیوں سے محروم کر دیا ہے اور ان کے رہنماؤں کو پھانسی چڑھا دیا ہے۔

پاکستان کے فوجی حکام نے بھٹو کو پھانسی دیئے جانے کے نتیجے میں ہونے والے فساد کے دوران گرفتار ہونے والے ایک ہزار افراد پر مقدمے چلانے کے لئے پورے آزاد کشمیر میں خصوصی عدالتیں مقرر کی ہیں۔

پاکستانی حکومت کے کنٹرول میں کام کرنے والے ریڈیو آزاد کشمیر کے مطابق مقدمے چلائے جانے کے منتظر بھٹو کے حامیوں میں آزاد کشمیر کے سابق وزیراعظم عبدالحمید خان ان کی کابینہ کے کئی وزراء میاں غلام رسول اور ممتاز راٹھور بھی شامل ہیں اور ان کے علاوہ سابق آزاد کشمیر اسمبلی کے کئی ایسے اراکین بھی ہیں جو بھٹو کے وفادار تھے۔

اسلام آباد کے مقرر کردہ صدر آزاد کشمیر بریگیڈیئر محمد حیات نے کہا ہے کہ وہ بھٹو کے دور اقتدار میں دولت جمع کرنے اور اختیارات کا غلط استعمال کرنے والے بھٹو کے حامی غداروں کے خلاف مقدمات کی رفتار کو تیز کرنا چاہتے ہیں۔

ہندوستانی کشمیر پر بہ ظاہر پاکستانی فوج کے اسلحہ سے ہونے والی ہلکی ہتھیاروں سے فائرنگ کے بعد ہندوستان نے بھی متنازعہ سرحد کے ساتھ اپنے دفاعی مورچوں کو کمک پہنچائی ہے۔ فائرنگ کا مرکز فساد زدہ سرحدی شہر پونچھ تھا جہاں پولیس اور ملک دشمن مظاہرین کے درمیان مسلح تصادم میں 5 افراد ہلاک ہوئے جن میں لوکل سنٹرل ریزرو پولیس کے دو افسر بھی شامل تھے۔

www.bhutto.org

سرکاری حکام کے بقول ہندوستانی حکام وادیٔ کشمیر میں اری، ٹیٹوال اور کیران سے اور جموں میں مینڈھار، راجوری اور پونچھ سے ۵ ہزار پاکستانی پناہ گزینوں کو واپس بھیجنے میں کامیاب رہے ہیں جب کہ وہ پچھلے ہفتے آزاد کشمیر سے سرحد پار کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

(15 اپریل 1979)

www.bhutto.org

پاکستان کے واقعات پر بنگلہ دیش اور بھارت کے مسلمان حیرت زدہ ہیں

(آنندا بازار پتریکا کلکتہ سنڈے)

جنرل ضیاء کہتے ہیں کہ مسٹر زیڈ اے بھٹو کے رحم کی اپیلوں کی طرف سے کان بند کر کے انہوں نے قانون کے وقار کو بلند رکھا ہے لیکن جیسا کہ کہاوت ہے انصاف ایک گدھا ہے۔ یہ افسوس کی بات ہے کہ جنرل ضیاء نے بالآخر خود کو قائل کر لیا کہ قانون کو اپنے تقاضے پورے کرنے چاہئیں۔ اگر بہت سی گھٹا کر کہا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ اقدام غیر دانشمندانہ ہے۔ بجا اور صحیح طور پر اس کی ذمہ داری جنرل ضیاء الحق پر ڈالی جائے گی۔ مسٹر بھٹو زندگی کی سرحدیں عبور کر کے دوسری دنیا میں داخل ہو گئے ہیں۔ آئندہ وہ پاکستان کے سیاسی افق پر اپنی زندگی کے دور سے زیادہ چھائے رہیں گے۔ انہوں نے اپنے سیاسی مخالفین کی بڑی تعداد کے ساتھ جو زیادتیاں کی تھیں۔ اب مزید ان کی کوئی وقعت نہیں رہے گی۔ اس کی وجوہات یہ ہیں کہ اولاً یہ کہ ان کے دور میں کی جانیوالی کوئی بھی زیادتی اس حد تک نہیں پہنچتی جتنی کہ ان کے ساتھ کی گئی ہے۔ دوئم یہ کہ سیاست کی اس نہج کی وجہ سے جیسی کہ وہ ہے، وہ لوگ بھی جو ان سے زندگی میں کوئی تعلق نہ رکھتے، انہیں بھی ان کی یاد کو خراج تحسین پیش کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو گی تا کہ ان لوگوں کے ساتھ شامل ہونے کی کوشش کریں جو سیاسی بے یقینی اور حکمران فوجی جنتا کی نیت کے بارے میں متفکر ہو کر بھٹو کے حامی بن گئے ہیں۔

www.bhutto.org

ممکن ہے کہ دنیا نے بھٹو کے مقدمے کے بارے میں حرف آخر نہ سنا ہو۔ ایسے کئی سربراہان مملکت جنہوں نے درخواست کی تھی کہ مسٹر بھٹو کی جاں بخشی کی جائے وہ اسے شاید ایسا معاملہ تصور نہ کریں جسے ان کے دفاتر خارجہ کے جونیئر اہلکار انہی کے رتبے کے پاکستانی سفارت کاروں کے ساتھ بیٹھ کر طے کر لیں۔ امریکی اقتصادی امداد کا بند ہونا جس کا ظاہری سبب یہ ہے کہ پاکستان اسلحہ سازی کی تکنیک حاصل کرنے کے لئے ایٹمی پروگرام پر عمل پیرا ہے لیکن اس امر کا ہر امکان موجود ہے کہ اس اقدام کا تعلق اس فیصلے سے بھی ہو جس کے تحت صدر ضیاء نے جاں بخشی کے لئے صدر کارٹر کی ذاتی اپیل مسترد کر دی تھی۔ مسٹر بھٹو کی پھانسی نے یقینی طور پر انسانی حقوق کے بارے میں امریکہ کے کمٹمنٹ کو آگے نہیں بڑھایا ہے۔

مسٹر بھٹو کے قریبی دوست متحدہ عرب امارات کے صدر شیخ زائد بن سلطان النہیان صدر ضیاء کو ان کی جان بخشی پر آمادہ کرنے کی کوشش میں کئی ہفتے پاکستان میں قیام کرتے رہے تھے۔ یہ ممکن نہیں معلوم ہوتا ہے کہ متحدہ عرب امارات سے مالی امداد اسی تیزی سے آتی رہے جیسی کہ پہلے آتی تھی۔ بھٹو کو پھانسی دینے میں شاہ خالد کو جو نکا سا جواب مضمر ہے وہ شدید اہمیت کا معاملہ ہے کیونکہ امریکہ اور پاکستان کی امداد کرنے والے کنسورشیم کے بعد پاکستان کے لئے مالی امداد کا سب سے بڑا وسیلہ سعودی عرب رہا ہے۔ امر واقعہ یہ کہ سعودی عرب وہ واحد ملک ہے جو پاکستان اور دیوالیہ پن میں حائل ہے۔

وہ عدم استحکام اور گڑبڑ جو پاکستان میں ترقی کے مدارج میں ہے اس کے بارے میں زیادہ امکان یہ ہے کہ کافی عرصے تک جاری رہے۔ ان تمام باتوں کا آخری نتیجہ یہ ہوگا کہ پاکستان اس انتہائی حساس خطے میں عدم استحکام کا سبب بنے گا جہاں بڑی طاقتیں کافی سرگرم ہیں اور بڑی حد تک ایک دوسرے سے متصادم ہیں۔ یہ مستقبل کی مشکلات میں مزید اضافہ کرے گا۔

ملک کے اندر جنرل ضیاء کو جو سیاسی حمایت حاصل ہے اس کا منبع جماعت اسلامی ہے جو ایک نظریئے اور تنظیم کی حیثیت سے بنگلہ دیش اور ہندوستان دونوں جگہ بھی موجود ہے۔ یہ حقیقت کہ سری نگر اور کشمیر کے دوسرے مقامات پر غم و غصے کی جو لہر اٹھی اس کا رخ جماعت اسلامی کے

www.bhutto.org

خلاف ہو گیا اہمیت کی حامل ہے جماعت پورے برصغیر میں اپنے مخصوص برانڈ کے اسلامی کٹرپن کے لئے مصروف جہاد ہے، سعودیوں نے اگر بڑی دانشمندی سے نہیں تو بڑی فراخدلی اس تنظیم کو اس کے مجنونانہ ابہام کے مشن کے پروپیگنڈے کو آگے بڑھانے کے لئے بے پناہ مالی اعانت فراہم کی ہے۔ کشمیر کے عوام پاکستان کے معاملات میں معمول سے زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں کیونکہ یہاں شاید ہی کوئی ایسا خاندان ہو جس کے کچھ افراد یا دوسرے اس ملک میں نہ رہتے ہوں۔ کشمیری ردعمل اس ردعمل کے قریب ترین ہے جو عام حالات میں خود پاکستان کے اندر ہوتا اور اپنا اظہار کرتا لیکن مارشل لاء حکومت کے اختیار کردہ ڈریکولائی بندوبست کی وجہ سے ایسا نہ ہو سکا۔

جو کچھ ہو چکا اس پر بنگلہ دیش اور ہندوستان کی مسلم برادری حیرت زدہ ہے اور پاکستان ان کے شعور پر اسلامی احیاء کے وجود کی حیثیت سے مزید چھایا نہیں رہے گا۔ اس کا ایک اثر یہ ہوگا کہ پاکستان کی حکمران فوجی جنتا کو جنوبی ایشیا کے ممالک نے عوام کی نگاہوں میں گرنے کا نقصان اٹھانا ہوگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کے زیر سایہ پاکستان کا سفارتی وقار اور دوست بنانے اور لوگوں کو متاثر کرنے کی صلاحیت کو نقصان پہنچے گا۔ جنوبی ایشیا میں کوئی حکومت اس بات کی خواہشمند نہیں ہوگی کہ قریبی تعلقات کے لئے غیر معمولی طریقے اختیار کرے یا موجودہ بندوبست کو مضبوط بنانے کے لئے تازہ اقدامات کرے۔

یہ امر اہمیت سے خالی نہیں ہے کہ مسٹر مرارجی ڈیسائی نے بھٹو کو پھانسی دیئے جانے اور اس سے پہلے کے واقعات کی طرف ایسا رویہ اختیار کیا جیسے کہ یہ خالصتاً پاکستان کا اندرونی معاملہ ہے اور کئی بدہائیاں وصول کیں۔ دوسری طرف اس موقف پر تنقید سخت اور کڑی رہی ہے۔ وزیراعظم کے لئے قطعی غیر تھا کہ وہ صدر کے ظاہر کردہ جذبات کو ذاتی قرار دیں۔

افغانستان کی بائیں بازو کی حکومت لازماً اس صورتحال سے خوب فائدہ اٹھائے گی اور ملاؤں اور دوسرے سرگرم اسلامی حلقوں کی طرف سے حکومت کے خلاف بغاوت کی مذمت میں اسے استعمال کرے گی۔ فوجی جنتا نے جس بے رحمی کے ساتھ اقدامات کئے ہیں وہ تر کئی حکومت نے جو سخت کارروائیاں کی ہیں ان کے لئے بہ آسانی دستیاب ہونے والے جواز کا کام دیں گے۔

www.bhutto.org

بنگلہ دیش بڑی احتیاط کے ساتھ اس بات کو واضح کرتا رہا ہے کہ پاکستان کے ساتھ دوبارا اتحاد یا کسی ڈھیلی ڈھالی کنفیڈریشن کا ذکر دونوں ممالک کے درمیان حسب معمول تعلقات کو بگاڑنے کا ایک حتمی طریقہ ہوگا۔ بنگلہ دیش کے صدر ضیاء بڑی تکلیف اٹھا کر اس بات پر زور دیتے رہے ہیں کہ بنگلہ دیش کی ایک منفرد قومی شخصیت ہے جو اسلام سے تقویت حاصل کرتی ہے۔ لیکن بنگلادیش کی قوم پرستی اس حقیقت کو بھی تسلیم نہیں کرتی کہ 1947 سے 1971 تک مشترکہ قومیت کا وجود تھا۔ بھٹو کی پھانسی بنگلادیش کے ان لوگوں کو ایک مضبوط دلیل فراہم کرتی ہے جو پاکستان کے ساتھ بندھنوں کی بات کو خارج از بحث قرار دینے میں گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔

(16اپریل1979)

www.bhutto.org

اگر بھٹو زندہ رہتے ہیں، تو ضیاء اقتدار پر قابض نہیں رہ سکتے

(سنڈے، آنند ابازار پبلی کیشنز)

پاکستان، بنگلہ دیش اور افغانستان کے معاملہ میں یہ ہوا ہے۔ ایک رہنما کو ہلاک کر دیا گیا ہے۔ پاکستان میں مسٹر بھٹو ایک بظاہر غیر جانبدارانہ اور منصفانہ قانونی کارروائی کے ذریعہ جان سے گئے۔ افغانستان میں صدر داؤد کو قتل کر دیا گیا۔ اسی طرح بنگلہ دیش میں شیخ مجیب الرحمٰن کا بھی یہی حشر ہوا۔

یکے بعد دیگرے واقع ہونے والی یہ سیاسی اموات یہ تاثر چھوڑتی ہیں کہ برصغیر کے ان مسلم ممالک میں سیاسی معاملات کو طے کرنے کا طریقہ قتل ہے۔ مگر آیئے ہم ان کی سیاست کے تین دوسرے پہلوؤں پر غور کریں۔ اول یہ کہ افغانستان اور پاکستان جیسے ممالک میں اقتدار کی ایک رہنما کے ہاتھ سے دوسرے رہنما کے ہاتھ میں منتقلی قتل کے بغیر ہوتی رہی۔ افغانستان میں صدر داؤد نے ظاہر شاہ سے اقتدار لے لیا۔ جبکہ وہ یورپ کے دورے پر تھے۔ داؤد نے انہیں ہلاک نہیں کیا۔ پاکستان میں لیاقت علی خاں کو ان سے اقتدار چھیننے کے خواہش مند کسی گروہ نے نہیں، بلکہ ایک مخبوط الحواس شخص نے اپنے طور پر ہلاک کیا۔ اس کے بعد پاکستان کے اندر قیادت میں تبدیلیاں ہلاکت کے بغیر واقع ہوئیں۔ جنرل ایوب خان نے میجر جنرل اسکندر مرزا کو عہدے سے ہٹا دیا، لیکن ہلاک نہیں کیا۔ اس عہدے پر یحییٰ خان نے ایوب خاں کی جگہ لی اور یہ

www.bhutto.org

تبدیلی عملاً ایوب خان کی درخواست پر عمل میں آئی۔ اس کے بعد یحییٰ خاں نے مشرقی پاکستان گنوا دیا تھا۔ پاکستان پر حکومت کرنے کے جواز سے محروم ہو گیا تھا۔ اور اقتدار مسٹر بھٹو کو ملا۔ بنگلہ دیش کے معاملے میں ہم یقیناً ایک نئی قوم کا ذکر کر رہے تھے۔ جس میں شیخ مجیب الرحمان کا ناخوشگوار قتل عمومی نوعیت کی بنیاد نہیں بن سکتا۔

دوسری بات جو ان ممالک کے بارے میں توجہ طلب ہے، یہ ہے کہ ان میں سے ایک فوج کے قبضے میں ہے۔ بنگلہ دیش میں جہاں جنرل ضیاء الرحمان اپنے ملک کو غیر فوجی حکمران کے ایک نئے مرحلے میں لے جانے کی جرات مندانہ کوشش کر رہے ہیں۔ فوج اب بھی سب سے بڑا عنصر ہے۔ ان تینوں ممالک میں سے ہر ایک میں سیاسی رہنما بنیادی طور پر فوج کے ان عناصر کے ہاتھوں مارے گئے جنہوں نے ان کی حکومت کے خلاف بغاوت کی تھی۔ بالکل ایسے ہی حالات میں شیخ مجیب سپاہیوں کے ایک گروہ کے ہاتھوں ہلاک ہوئے۔ مسٹر بھٹو کے معاملے میں موت عدالت کے ذریعے آئی، لیکن اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ جنرل جن کا پاکستان پر کنٹرول ہے، وہ حکومت پر اپنے کنٹرول کو کھونا نہیں چاہتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اگر بھٹو زندہ رہتے ہیں، تو وہ اقتدار پر قابض نہیں رہ سکتے۔ اس اعتبار سے ان کی موت بھی ایک سیاسی قتل ہے، جو فوج نے کیا ہے۔

ان ممالک کے بارے میں ایک حقیقی اہمیت رکھنے والا۔ سوال یہ ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ یہ ممالک غیر فوجی اداروں کو ترقی دینے میں ناکام رہے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے پہلے دیکھا کہ بنگلہ دیش اب اس سمت میں پیش قدمی کر رہا ہے مگر اس سوال کا جواب مشکل ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں بے شمار عناصر کا دخل ہے، جو اقتصادی ترقی کے معیار اور سماجی مختلف النوعی سے لے کر جدوجہد اور تحریک کی روایات تک پھیلے ہوئے ہیں۔ لیکن ہمیں یہ بات بھی نظر میں رکھنی چاہئے کہ فوجی حکومت صرف مسلم ممالک تک محدود نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ افریقہ اور لاطینی امریکہ کے بارے میں سوچیں، یا خود ایشیا کے بارے میں بھی، تو یہ نظر آئے گا۔ فوج کی حکمرانی کوئی استثناء نہیں ہے، بلکہ رواج ہے۔ اکثر حکومتیں اور خاص طور پر افریقہ اور لاطینی امریکہ کی حکومتیں اپنے کردار

www.bhutto.org

کے اعتبار سے یا تو فوجی ہیں، یا پھر فوجی ان کے سربراہ ہیں۔

جمہوری اداروں کی غیر موجودگی بنیادی طور پر ترقی پذیر سماجوں میں ان علاقائی لسانی اور نسلی اختلافات سے نمٹنے کی صلاحیت کی عدم موجودگی کا عکس ہے، جن سے وہ بہ حیثیت ایک آزاد قوم آغاز کرتے ہیں۔ ان اختلافات پر ملک کی آزادی کے ابتدائی مراحل میں توجہ دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر ایک نئے ملک کو ایسی قیادت نصیب ہے، جو قومی تعمیر کے تقاضوں کی فہم و بصیرت رکھتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ جواز اور عوامی حمایت بھی رکھتی ہوں، تب ہی ان مسائل کو حل کیا جا سکتا ہے۔ ایسے رہنما بالعموم وہ ہوتے ہیں جنہوں نے قومی جدوجہد کی قیادت کی ہو۔ پاکستان کے معاملے میں مسٹر جناح آزادی کے فوری بعد انتقال کر گئے اور ان کے چند ہی سال بعد مسٹر لیاقت علی خان بھی۔ غالباً یہ دو رہنما پاکستان کی تشکیل کرنے والے مختلف صوبوں کے عوام کو ایک قوم میں ڈھالنے کے مسئلے سے نمٹ سکتے تھے۔ ان کے رخصت ہو جانے کے بعد ایک قوم میں ڈھالنے کے عمل کو دھچکا پہنچا۔

قومی تعمیر کے لئے ہم آہنگی اور یکسانیت کی یعنی بڑے پیمانے پر لو اور دو کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس پر صرف ایک آزاد جمہوری معاشرے کی حدود میں عمل کیا جا سکتا ہے۔ اور صرف ایسے لیڈر عمل کر سکتے ہیں جنہیں کسی نہ کسی حد تک عوام کی حمایت حاصل ہوتی ہے۔ فوجی حکومتیں فطرتاً ایسا کرنے کی صلاحیتیں نہیں رکھتیں۔ قومی معاملات میں باضابطہ رد یے پر ان کا زور اس امر کا عکاس ہے۔ ایک قومی برادری پیدا کرنے کے لئے جس میں ہم آہنگی اور سودا کاری کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ اسے سمجھنے اور اس کا اندازہ لگانے سے قاصر ہیں۔ جیسا کہ مسٹر بھٹو نے اپنی آخری تحریر میں کہا کہ جمہوری سیاسی عمل کی افراتفری اور انتشار کے نتیجہ میں فوج برسر اقتدار آ جاتی ہے۔ فوجی حکومتوں کے قیام سے ابتداء میں جو نظم و ضبط اور امن قائم ہو جاتا ہے، وہ آگے چل کر سماجی کشیدگی پر منتج ہوتا ہے۔ کیونکہ آج کی دنیا میں پھیلے ہوئے ذرائع مواصلات اور جمہوری اقدار کی وجہ سے قوموں کو طاقت کے ذریعہ دبا کر نہیں رکھا جا سکتا۔ اس لئے یہ بات باعث تعجب نہیں کہ پاکستان میں جبکہ فوج برسر اقتدار تھی، بنگلا دیش کا قیام عمل میں آیا۔ ابتدائی مراحل میں جب

www.bhutto.org

قیادت قومی برادری پیدا کرنے میں ناکام رہتی ہے، تو ملک بدستور منقسم رہتا ہے۔ ہر اقتصادی یا سماجی بحران عملاً شدید محاذ آرائی اور رائے عامہ اور سماجی قوتوں کی تقسیم کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس وقت پاکستان، بنگلا دیش اور افغانستان اسی مرحلہ سے گزر رہے ہیں۔ جب ملک میں مختلف سطحوں پر پھوٹ شدید ہوتی ہے، تو اختلافات کا پر امن تصفیہ مشکل ہو جاتا ہے۔ اس قسم کے حالات میں ملک کی مذہبی ہیت ترکیبی سے قطع نظر سیاسی لیڈروں کے قتل ہوتے ہیں۔ اس قسم کے واقعات امریکہ جیسے ملک میں بھی پیش آئے، چنانچہ سنگین سیاسی بحران کے دور میں ابراہام لنکن کو قتل کیا گیا۔ شکاگو میں صدر ایف ڈی روز ویلٹ پر قاتلانہ حملہ کیا گیا۔ دیگر غیر اسلامی ملکوں کی حالیہ تاریخ سے بھی اس قسم کی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ سیاسی زندگی میں تشدد کے واقعات کے پس پشت ثقافتی عوامل اور وجوہ کارفرما ہوتی ہیں۔ ہر ثقافت کا سیاست، اپنی روایات اور سیاسی معاملات چلانے کا ایک مخصوص تصور ہوتا ہے۔ یہ بات اسلامی روایات کے بارے میں بھی صحیح ہے۔ اگرچہ اسلامی ثقافت میں یہ عنصر بظاہر غالب نظر آتا ہے۔ اس کا سیاست اور روزمرہ کی زندگی سے قریبی تعلق ہے۔ ہوسکتا ہے کہ مستقبل میں یہ رجحان بدل جائے۔ لیکن جب تک اسلامی ثقافت میں یہ عنصر غالب ہے اور موجودہ سماجی اور اقتصادی صورت حال برقرار ہے۔ اس وقت تک برصغیر کے اسلامی ممالک اور شاید دیگر اسلامی ممالک میں سیاسی اختلافات کو تشدد کے ذریعے حل کرنے کا رجحان رہے گا۔

(16 اپریل 1979)

www.bhutto.org

طارق علی سے تارا پد باسو کا انٹرویو

(سنڈے، آنند ا بازار پبلی کیشنز)

سوال: مسٹر بھٹو کو پھانسی دیے جانے کے بارے میں آپ کا فوری ردعمل کیا ہے؟

جواب: گو کہ میں حیران نہیں ہوا، لیکن مجھ پر دہشت چھا گئی۔ وہ ایک المناک دن ہوتا ہے، جب جنرل غیر فوجی سیاستدانوں کو پھانسی پر لٹکانا شروع کرتے ہیں۔ میری ہمدردیاں بھٹو خاندان اور خاص طور پر دونوں خواتین (بیگم بھٹو اور بینظیر) کے ساتھ ہیں، جو سہالہ ریسٹ ہاؤس میں قید ہیں۔ انہوں نے گزشتہ ۲ سال میں جس مثالی جرات کا مظاہرہ کیا ہے، اس کی تعریف کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ ایسا کرنے والا ان کے نظریات سے بھی متفق ہو۔ یہ امر کہ وہ خواتین ہیں اس بات کو اور مشکل بنا دیتا ہے۔

سوال: ضیاء نے ایک طرف سیاست دانوں اور سربراہانِ مملکت اور دوسری طرف پنٹاگن، سنٹرل انٹیلی جنس ایجنسی اور سعودی شاہی خاندان کی ظاہر کردہ رائے کو کیوں مسترد کیا؟

جواب: مجھے یوں لگتا ہے کہ اگر امریکہ واقعی یہ چاہتا ہے کہ بھٹو کی جان بچائی جائے تو وہ ایسا کر سکتے تھے۔ آخر وہ مجیب الرحمٰن کو بھی بچانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ جبکہ وہ پاکستان کی قید میں تھے، اور فوج کے لئے تو مجیب کا جرم انتہائی شدید تھا۔ یعنی "سنگین غداری" اس لئے میری رائے میں امریکہ کی طرف سے کوئی سخت اعتراض نہیں تھا۔ دوئم یہ کہ

www.bhutto.org

میرے خیال میں ضیاء کا استدلال براہِ راست اور سادہ تھا۔ وہ جانتے تھے کہ زندہ بھٹو فوجی حکومت کے خلاف عوامی تحریک کے لئے ایک طاقت کے طور پر موجود رہیں گے۔ بھٹو کی یادداشت سے واقفیت رکھنے کی وجہ سے ضیاء اور ان کے ساتھی جنرل غالباً خالص موضوعی اسباب سے متاثر ہوئے۔ ضیاء بقول خود سادہ لوح ہیں۔ اور کون برطانوی صحافیوں سے یہ وعدہ کر سکتا تھا کہ ''ہم اس کو پھانسی دے دیں گے۔'' انہوں نے اپنا وعدہ پورا کیا ہے۔ سوئم یہ کہ بھٹو وہ واحد سیاستدان ہیں جنہیں ایسی عوامی حمایت حاصل تھی جو صوبائیت کی حدوں کو پار کر گئی تھی۔ اس طرح یہ طے شدہ بات تھی کہ ان کی جماعت پیپلز پارٹی انتخابات جیت جائے گی۔ اگر بھٹو کو نااہل بھی قرار دے دیا جاتا، یا انہیں گھر میں نظر بند رکھا جاتا، تب بھی فتح مندانہ پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت قیادت کے لئے انہی پر انحصار کرتی۔ یہ ایک خطرہ تھا، اور ضیاء ایسا خطرہ مول لینا نہیں چاہتے تھے، اس لئے انہوں نے ایک طویل داستان کو مختصر کر دیا اور بھٹو کو پھانسی دے دی۔

سوال: کیا ان کے خلاف قتل کا مقدمہ مکمل طور پر من گھڑت تھا؟

جواب: شاید ایسا نہیں تھا، لیکن ہر ایک (سپریم کورٹ کے تین ججوں سمیت) یہ اعتراف کرتا ہے کہ استغاثے کا مقدمہ سوراخوں سے بھرا ہوا تھا۔ اور ایسی کوئی ٹھوس شہادت موجود نہیں تھی، جو بھٹو کے قتل میں ملوث ہونے کو ظاہر کرتی۔ مقتول شخص برطانوی راج کا پرانا ٹوڈی تھا۔ وہ برطانیہ کا تنہا مقامی ملازم تھا۔ جو بھگت سنگھ کا گواہ بننے پر تیار ہوا۔ لاہور میں عام لوگ اس کے بارے میں کھلے بندوں گفتگو کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قتل کا الزام بھٹو کو سیاسی اور جسمانی طور پر مٹا دینے کا ایک بہانہ تھا۔ بہت کم پاکستانی اس کے برعکس بات پر یقین کرتے ہیں۔

سوال: جب جناب بھٹو اقتدار میں تھے، تو آپ ان کے سخت ترین مخالف تھے درحقیقت انہوں نے آپ کو ایک موقع پر پاکستان میں داخل ہونے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا۔ کیا آپ وقت راستی پر تھے، اور اب غلطی پر ہیں یا معاملہ اس کے برعکس ہے؟

www.bhutto.org

جواب: میں اس وقت بھی راستی پر تھا، اور اب بھی راستی پر ہوں۔ بھٹو کا دور پاکستانی سیاست کا سنہری دور نہیں تھا جیسا کہ ان کے عذر خواہ دعویٰ کرتے ہیں۔ سیاسی مخالفین کو قید کیا گیا (چند ہلاک ہوئے) مزدوروں پر حملے ہوئے، اخبارات پر سنسر لگا، وغیرہ۔ بھٹو نے جب 1970 میں عظیم الشان فتح حاصل کی، تو ان کا نعرہ تھا، روٹی کپڑا اور مکان، جب وہ اقتدار میں تھے تو کسانوں نے انہیں ان کا وعدہ یاد دلایا۔ ان کا جواب تھا کہ "انہوں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ ہر ایک کو یہ تینوں چیزیں فوری مل جائیں گی۔" وہ ایک منہ پھٹ لیکن انتہائی ذہین بورژوا سیاست دان تھے۔ لیکن خود ان کی اپنی غلطیاں اور ان کے درباری غلامانہ ذہنیت رکھنے والے سیاست دان ان کے زوال کا باعث بنے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ابتداء میں وہ دھاندلی میں کامیاب ہو گئے تھے۔ ایک مقبول عام لاہوری لطیفہ کچھ یوں ہے۔ دہلی سے اندرا گاندھی کی طرف سے ایک خصوصی ایلچی آیا ہے، وہ حسب ذیل پیغام لایا ہے۔ اگر آپ اپنا چیف الیکشن کمشنر بھیج دیں تو کشمیر آپ کو مل سکتا ہے۔ لیکن انتخابات میں دھاندلی کام نہ آئی۔ عوام میں غصہ تھا اور بھٹو کو امن برقرار رکھنے کے لئے فوج کو طلب کرنا پڑا۔ اس کے بعد تو صرف وقت کا مسئلہ تھا کہ کب فوج مداخلت کرے۔ اور ان کا تختہ الٹ دے۔ اس طرح میں بھٹو کی سیاست کی مخالفت میں حق بجانب تھا۔ مگر میں کبھی بھی مارشل لاء کے نفاذ کی حمایت نہیں کروں گا۔ اور کسی بھی منتخب سیاستدان کے مقابلے میں جنرلوں کی حمایت نہیں کروں گا۔ اگر فوج انصاف کرنے کے بارے میں سنجیدہ تھی، تو اسے لازمی انتخابات منعقد ہونے کی اجازت دینی چاہئے تھی اور بھٹو اور پی پی پی کو پورا حق دینا چاہئے تھا، لیکن وہ بھٹو کو مٹانے پر تلے ہوئے تھے۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ کون سا راستہ منتخب کیا جاتا۔ کسی بھی شخص پر یہ فرض عائد ہوتا تھا کہ فوج کی مخالفت کرے تمام سیاسی قیدیوں کی رہائی، آزادانہ انتخابات اور اخبارات پر سنسر کی پابندیاں ہٹانے کے حق میں دلائل ہے۔

www.bhutto.org

سوال: بھٹو کے بعد پاکستان کی کیا صورت حال ہوگی؟

جواب: پاکستانی جنرلوں کے ماتحت اتنا خراب وخستہ ہے کہ اس سے پہلے کبھی نہیں تھا۔ وہ پریشان خیال جماعت اسلامی کے ساتھ مل کر کوشش کر رہے ہیں کہ ملک ایک نائب عجوبہ بنادیں۔ جناح جن کے بارے میں آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ شدید قسم کے غیر مذہب آدمی تھے۔ وہ قبر میں تڑپ رہے ہوں گے۔ وہ عظیم مذہبی مباحثہ جو حاکم وقت کو مشغول رکھے ہوئے ہے۔ وہ اعضاء کے کاٹنے کے سلسلیت میں ہے کہ آیا ایک چور کا ہاتھ کلائی سے کاٹا جانا چاہئے، یا اس کی صرف انگلیاں کاٹ کر ہی ریاست کو مطمئن ہوجانا چاہئے۔ روحانی آزادی سے خالی یہ مباحثہ بڑی حد تک مولوی فوجی آمریت کی علامت بن جائے گا۔

بھٹو کی پھانسی پر پہلا ردعمل صدمے کا تھا۔ لیکن یہ تاخیر کی بہ نسبت جلدی ترقی کر کے جنرلوں اوران سے تعاون کرنے والے سیاستدانوں کے خلاف ایک تحریک بن جائے گا۔ اس کا پتہ تو مستقبل میں چلے گا کہ ایسا ابھار حقیقتاً کیا شکل اختیار کرتا ہے بہر حال مجھے ایک بات پر یقین ہے۔ مجھے یہ یقین نہیں ہے کہ فوج کے خلاف جدوجہد مذہبی جھنڈے تلے لڑی جائے گی۔ موجودہ حکومت نے مذہب کی وقعت میں کافی حد تک کمی کردی ہے۔ میری رائے میں پاکستان کو جس راہ کے انتخاب کا سامنا ہے، وہ نئی نہیں ہے۔ یا تو ایسی حکومت ہو، جو ماضی سے منقطع ہو اور بنیادی سماجی تبدیلی لائے۔ یعنی ایک سماجی انقلاب برپا کرے، یا پھر ٹوٹنے پھوٹنے کا ایک سست رفتار مگر مسلسل عمل ہو۔ یہ نہ بھولئے کہ بھٹو سندھی تھے۔ یہ نہ بھولئے کہ سپریم کورٹ کے وہ تین جج جو جناب بھٹو کے حق میں تھے، غیر پنجابی تھے۔ ایران اور افغانستان میں زلزلے جیسی کیفیت کو نہ بھولئے۔ بہرحال 1947 میں پاکستان قائم ہونے کے بعد سے پاکستان کے حکمران طبقے کا گوشوارہ کچھ زیادہ مثبت نہیں ہے۔ تین فوجی آمریتیں آئیں دو جنگیں ہوئیں، بنگلہ دیش ہاتھ سے جاتا رہا۔ جس میں ملک کی آبادی کی اکثریت آباد

www.bhutto.org

تھی۔ یہ ایسا ملک ہے، جو نیچے کی طرف لڑھک رہا ہے۔ 1969 میں میں نے ایک کتاب لکھی، جس کا نام تھا، پاکستان فوجی حکومت یا عوام کا اقتدار؟ میں سمجھتا ہوں کہ یہی سوال نئے سرے سے اٹھایا جا سکتا ہے، لیکن کسی قدر بدلے ہوئے انداز میں مکمل ٹوٹ پھوٹ یا سماجی انقلاب؟

سوال: برصغیر کے دوسرے حصوں سے کوئی اور تقابل؟

جواب: کئی ہو سکتے ہیں، مگر ہم اس انٹرویو کے لئے انہیں محدود رکھیں۔ ان تبدیلیوں پر ایک نظر ڈالئے، جو برصغیر کی چار ریاستوں میں ہوئی ہیں۔ پاکستان اور بنگلہ دیش میں دو مقتول رہنما مجیب اور بھٹو جان سے گئے۔ ان دونوں کی جگہ جنرلوں نے لی، اور دونوں جنرلوں کا نام ضیاء ہے۔ یہ آخری امر محض اتفاق ہے، گو کہ نجومیوں کے اندازے اس سے مختلف ہوں گے۔ سری لنکا اور ہندوستان میں دونوں خاتون سیاست دانوں کو جنہوں نے ملک کو کسی حد تک انہی خطوط پر چلایا تھا، انتخابات سے ہٹا دیا گیا۔ تمام ہنگاموں کے باوجود بھی چاروں ریاستوں میں تمام تر گڑبڑ کے باوجود عوام کی حالت بدتر ہوتی گئی ہے۔ ایک منصفانہ اور انسانی سماج کے قیام کے لئے لازمی ضرورت کسانوں اور مزدوروں کی نجات ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں ایک طویل ترین راہ طے کرنی ہے۔

(16 اپریل 1979)

www.bhutto.org

بھٹو کی موت کے خلاف وسیع بین الاقوامی ردعمل ایک علامت تھا

(انٹرنیشنل ہیرالڈ ٹریبیون)

حکومت پاکستان نے ذوالفقارعلی بھٹو کے خلاف الزامات کی کئی جلدیں مرتب کی تھیں اور ان کی تائید میں کافی مواد بھی اکٹھا کیا تھا۔ اور پاکستانی عدالتوں نے ان کے مقدموں اور اپیلوں پر باضابطہ کارروائی کی تھی۔ صاف ظاہر ہے کہ پاکستان کے سابق صدر اور سابق وزیراعظم کو پھانسی دینا اس طرح کی کھردری کارروائی نہیں تھی جس کے تحت مسولینی کو گولی ماری گئی تھی۔ اور اس کی لاش میلان میں ایک چوراہے پر لٹکائی گئی تھی۔ نہ ہی اس میں وہ اچانک پن اور قطعیت تھی جو کئی حالیہ ایرانی مقدمات اور سزائے موت میں تھی۔ اس کے باوجود یہ بنیادی طور پر انقلابی انصاف تھا۔ یہ ماضی کے افعال کی سزا کی بہ نسبت موجودہ حکومت کے ایک سیاسی دشمن کے خاتمے پر مشتمل تھا۔

یہ صحیح ہے کہ جیسا کہ قتل کا حکم دینے کا الزام لگایا گیا اور سزا دی گئی بھٹو اس کے مجرم تھے یا نہیں، عالمی سطح پر ان کی حیثیت اتنی نمایاں تھی کہ موجودہ صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق سے جان بخشی کی اپیلوں کو ابھارے اور اس میں ایسے متضاد ذریعے شامل ہوں جیسے کہ امریکہ اور سویت یونین کی حکومتیں۔

اور پیکنگ، یہ غور طلب بات ہے کہ نہ صرف چین نے جس سے دوستی کو بھٹو نے پروان

www.bhutto.org

چڑھایا تھا ان کی جان بخشی کے لئے کہا بلکہ سوویت یونین نے جس کے پاکستان کے حریف ہندوستان سے روابط ہیں یہی کیا۔

بھٹو کی موت کے خلاف وسیع بین الاقوامی ردعمل ایک علامت تھا کہ سزا کے مضمرات الزامات سے تجاوز کر گئے۔ دوسری بات سزا پر عمل درآمد سے پہلے پاکستان پیپلز پارٹی کے اراکین کی وسیع پیمانے پر گرفتاری اور مظاہرے تھے جو پھانسی دینے کے بعد ہوئے۔ پاکستان کو آزادی کے تقریباً ۳۰ برسوں میں کئی بار شدید دباؤ سے واسطہ پڑا ہے۔ اس نے کئی حکمرانوں کے ماتحت مطلق العنان حکومتیں دیکھی ہیں۔ ہندوستان سے جنگ کی ہے اور اپنے مشرقی علاقے سے محروم ہوا ہے جو اب بنگلہ دیش کہلاتا ہے۔

خطرات کے ان ادوار میں بھٹو نے نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ ایسا کردار جس کے بارے میں کئی لوگ ابھی تک یہ یقین رکھتے ہیں کہ ملک کے لئے تعمیری تھا۔ آیا ان کے طریقے انکے مخالفوں کے طریقوں کے مقابلے میں کم قانونی، کم منصفانہ تھے یا نہیں ابھی تک ایسا سوال ہے جو ان کے انجام کے منصفانہ ہونے پر شک کی پرچھائیں ڈالتا ہے۔

پاکستان کے اندر اور باہر زبردست حمایت رکھنے والی شخصیت پر شہادت مسلط کرنے کی عملی سوجھ بوجھ بھی قابل اعتراض ہے۔ ہوسکتا ہے کہ جنرل ضیاء نے بھٹو کے بدلے میں ایسی روایت دی ہو جو زیادہ طویل العمر اور زیادہ طاقت ور ثابت ہو۔

جنرل ضیاء کہتے ہیں کہ مسٹر زیڈ اے بھٹو کے لئے رحم کی اپیلوں کی طرف سے کان بند کر کے انہوں نے قانون کے وقار کو بلند رکھا ہے۔ لیکن جیسا کہ کہاوت ہے، انصاف ایک گدھا ہے۔ یہ افسوس کی بات ہے کہ جنرل ضیاء نے بالآخر خود کو قائل کر لیا کہ "قانون کو اپنے تقاضے پورے کرنے چاہئیں۔" اگر بہت ہی گھٹا کر کہا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ اقدام غیر دانش مندانہ ہے۔ بجا اور صحیح طور پر اس کی ذمہ داری جنرل ضیاء پر ڈالی جائے گی۔ مسٹر بھٹو کی زندگی کی سرحدیں عبور کر کے دوسری دنیا میں داخل ہو گئے ہیں۔ آئندہ وہ پاکستان کے سیاسی افق پر اپنی زندگی کے دور سے چھائے رہیں گے۔ انہوں نے اپنے سیاسی مخالفین کی بڑی تعداد کے ساتھ جو زیادتیاں کی

www.bhutto.org

تھیں، اب مزید ان کی کوئی وقعت نہیں رہے گی۔ اس کی وجوہات یہ ہیں اولاً کہ انکے دور میں کی جانے والی کوئی بھی زیادتی اس حد تک نہیں پہنچی، جتنی کہ ان کے ساتھ کی گئی ہے۔ دوئم یہ کہ سیاست کی اس نہج کی وجہ سے جیسی کہ وہ ہے، وہ لوگ بھی جو ان سے ان کی زندگی میں کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ انہیں ان کی یاد کو خراج تحسین پیش کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔ تا کہ ان لوگوں کے ساتھ شامل ہونے کی کوشش کریں، جو سیاسی بے یقینی اور حکمران فوجی جنتا کی نیت کے بارے میں متفکر ہو کر بھٹو کے حامی بن گئے ہیں۔

ممکن ہے کہ دنیا نے بھٹو کے مقدمے کے بارے میں حرف آخر سنا ہو۔ ایسے کئی سربراہان مملکت جنہوں نے درخواست کی تھی کہ مسٹر بھٹو کی جاں بخشی کی جائے۔ وہ اسے شاید ایسا معاملہ تصور نہ کریں، جسے ان کے دفاتر خارجہ کے جونیئر اہل کار انہی کے رتبے کے پاکستانی سفارت کاروں کے ساتھ بیٹھ کر طے کرلیں۔ امریکی اقتصادی امداد کا بند ہونا جس کا ظاہری سبب یہ ہے کہ پاکستان اسلحہ سازی کی تکنیک حاصل کرنے کے لئے اپنی ایٹمی پروگرام پر عمل پیرا ہے لیکن اس امر کا ہر امکان موجود ہے کہ اس اقدام کا تعلق اس فیصلے سے بھی ہو، جس کے تحت صدر ضیاء نے جاں بخشی کے لئے صدر کارٹر کی ذاتی اپیل مسترد کر دی تھی۔ مسٹر بھٹو کی پھانسی نے یقینی طور پر انسانی حقوق کے بارے میں امریکہ کے کمٹمنٹ کو آگے نہیں بڑھایا ہے۔

مسٹر بھٹو کے قریبی دوست متحدہ عرب امارات کے صدر شیخ زید بن سلطان النہیان صدر ضیاء کو ان کی جاں بخشی پر آمادہ کرنے کی کوشش میں کئی کئی ہفتے پاکستان میں قیام کرتے رہے تھے۔ یہ ممکن نہیں معلوم ہوتا کہ متحدہ عرب امارات سے مالی امداد اسی تیزی سے آتی رہے، جیسی کہ پہلے آتی تھی۔ بھٹو کو پھانسی دینے میں شاہ خالد کو جونکا سا جواب مضمر ہے، وہ شدید اہمیت کا معاملہ ہے۔ کیونکہ امریکہ اور پاکستان کی امداد کرنے والے کنسورشیم کے بعد پاکستان کے لئے مالی امداد کا سب سے بڑا وسیلہ سعودی عرب رہا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ سعودی عرب وہ واحد ملک ہے، جو پاکستان اور دیوالیہ پن میں حائل ہے۔

وہ عدم استحکام اور گڑبڑ جو پاکستان میں ترقی کے مزاج میں ہے، اس کے بارے میں

www.bhutto.org

زیادہ امکان یہ ہے کہ کافی عرصے تک جاری رہے۔ ان تمام باتوں کا آخری نتیجہ یہ ہوگا کہ پاکستان اس انتہائی حساس خطے میں عدم استحکام کا سبب بنے گا۔ جہاں بڑی طاقتیں کافی سرگرم ہیں۔ اور بڑی حد تک ایک دوسرے سے متصادم ہیں۔ یہ مستقبل کی مشکلات میں مزید اضافہ کرے گا۔

ملک کے اندر جنرل ضیاء کو جو سیاسی حمایت حاصل ہے، اس کا منبع جماعت اسلامی ہے، جو ایک نظریئے اور تنظیم کی حیثیت سے بنگلہ دیش اور ہندوستان دونوں جگہ بھی موجود ہے۔ یہ حقیقت کہ سری نگر اور کشمیر کے دوسرے مقامات پر غم و غصے کی جو لہر اٹھی، اس کا رخ جماعت اسلامی کے خلاف ہو گیا۔ اہمیت کی حامل ہے جماعت پورے برصغیر میں اپنے مخصوص برانڈ کے اسلامی کٹر پن کے لئے مصروف جہاد ہے۔ سعودیوں نے اگر بڑی دانش مندی سے نہیں تو بڑی فراخدلی سے اس تنظیم کو اس کے مجنونانہ ابہام کے مشن کے پروپیگنڈے کو آگے بڑھانے کے لئے بے پناہ مالی اعانت فراہم کی ہے۔ کشمیر کے عوام پاکستان کے معاملات میں معمول سے زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں۔ کیونکہ یہاں شاید ہی کوئی ایسا خاندان ہو، جس کے کچھ افراد یا دوسرے اس ملک میں نہ رہتے ہوں۔ کشمیری ردعمل اس ردعمل کے قریب ترین ہے، جو عام حالات میں خود پاکستان کے اندر ہوتا اور اپنا اظہار کرتا۔ لیکن مارشل لاء حکومت کے اختیار کردہ ڈریکولائی بندوبست کی وجہ سے ایسا نہ ہو سکا۔

جو کچھ ہو چکا، اس پر بنگلہ دیش اور ہندوستان کی مسلم برادری حیرت زدہ ہے اور پاکستان ان کے شعور پر اسلامی احیاء کے وجود کی حیثیت سے مزید چھایا نہیں رہے گا۔ اس کا ایک اثر یہ ہوگا کہ پاکستان کی حکمران فوجی جنتا کو جنوبی ایشیا کے ممالک کے عوام کی نگاہوں میں گرنے کا نقصان اٹھانا ہوگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کے زیر سایہ پاکستان کا سفارتی وقار اور دوست بنانے اور لوگوں کو متاثر کرنے کی صلاحیت کو نقصان پہنچے گا۔ جنوبی ایشیا میں کوئی حکومت اس بات کی خواہش مند نہیں ہوگی کہ قریبی تعلقات کے لئے غیر معمولی طریقے اختیار کرے، یا موجودہ بندوبست کو مضبوط بنانے کے لئے تازہ اقدامات کرے۔

یہ امر اہمیت سے خالی نہیں کہ مسٹر مرارجی ڈیسائی نے بھٹو کو پھانسی دیئے جانے اور اس

www.bhutto.org

سے پہلے کے واقعات کی طرف ایسا رویہ اختیار کیا، جیسے کہ یہ خالصتاً پاکستان کا اندرونی معاملہ ہے۔ اور کئی بدھائیاں وصول کیں۔ دوسری طرف اس موقف پر تنقید اور کڑی رہی ہے۔ وزیراعظم کے لئے قطعی غیر تھا کہ وہ صدر کے ظاہر کردہ جذبات کو ذاتی قرار دیں۔

افغانستان کی بائیں بازو کی حکومت لازماً اس صورت حال سے خوب فائدہ اٹھائے گی۔ اور ملاؤں اور دوسرے سرگرم اسلامی حلقوں کی طرف سے حکومت کے خلاف بغاوت کی مذمت میں اسے استعمال کرے گی۔ فوجی جنتا نے جس بے رحمی کے ساتھ اقدامات کئے ہیں، وہ ترہ کئی حکومت نے جو سخت کارروائیاں کی ہیں، ان کے لئے بہ آسانی دستیاب ہونے والے جواز کا کام دیں گے۔

بنگلہ دیش بڑی احتیاط کے ساتھ اس بات کو واضح کرتا رہا ہے کہ پاکستان کے ساتھ کسی کنفیڈریشن کا ذکر دونوں ممالک کے درمیان حسب معمول تعلقات کو بگاڑنے کا ایک حتمی طریقہ ہوگا۔ بنگلہ دیش کے صدر ضیاء بڑی تکلیف اٹھا کر اس بات پر زور دیتے ہیں کہ بنگلہ دیش کی ایک منفرد قومی شخصیت ہے، جو اسلام سے تقویت حاصل کرتی ہے۔ لیکن بنگلہ دیش کی قوم پرستی اس حقیقت کو بھی تسلیم نہیں کرتی کہ 1947 سے 1971 تک مشترکہ قومیت کا وجود تھا۔ بھٹو کی پھانسی بنگلہ دیش کے ان لوگوں کو ایک مضبوط دلیل فراہم کرتی ہے جو پاکستان کے ساتھ بندھنوں کی بات کو خارج از بحث قرار دینے میں گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔

(16 اپریل 1979)

www.bhutto.org

امداد کے لئے جانسن کی شرط ''بھٹو سے نجات دلاؤ۔''

(نیوز ویک)

ایک بار ذوالفقار علی بھٹو نے اپنی بیگم سے کہا کہ وہ چاہتے ہیں کہ وہ ''ایک شہاب ثاقب کی طرح جھپٹتے ہوئے داخل ہوں۔'' اور اسی تیزی کے ساتھ جھپٹتے ہوئے چلے جائیں۔ ان کی بیگم نے اس وقت کہا ''یہ رومانی معلوم ہوتا ہے۔ پاکستان کے وزیراعظم اور ایشیا کے انتہائی کرشمہ ساز رہنماؤں میں سے ایک رہنما کی حیثیت سے بھٹو نے سیاسی اسٹیج پر ڈرامائی سال گزارے اور اپنی قومی تاریخ کے مشاہیر میں اپنی جگہ بنا دی لیکن شاید ہی کوئی شخص یہ پیشگوئی کر سکتا تھا کہ اس کا اختتام تختۂ دار پر ہوگا۔ ان کے وکلاء نے ارتکاب قتل کی سازش میں انہیں ملنے والی سزا کو تبدیل کرنے کے لئے کئی اپیلیں کیں لیکن جب سپریم کورٹ نے سزائے موت کا فیصلہ بحال رکھا تو صدر جنرل ضیاء الحق نے امریکی صدر جمی کارٹر، سوویت رہنما نائیڈ برزینف، چینی کمیونسٹ پارٹی کے چیئرمین ہوا کوفنگ اور پوپ جان پال دوئم کی اپیلوں کے باوجود رحم کی درخواست منظور کرنے سے انکار کر دیا۔ موجودہ دور کی تاریخ میں یہ ان چند واقعات میں سے ہے جن میں ایک عالمی رہنما کو عدالتی احکامات کے تحت موت کے گھاٹ اتارا گیا۔

ہنگری کے وزیراعظم ایمرنا گی کا انتقال 1958 میں ہوا اور ترکی کے وزیراعظم عدنان مندریس کا 1961 میں اور بعض لوگ حیرانی کے ساتھ یہ سوچ رہے ہیں کہ کہیں دنیا کی اسلامی جمہورتیں زیادہ وحشیانہ دور کی جانب پیچھے کی طرف تو قدم نہیں بڑھا رہی ہے۔

بھٹو کی اقتدار سے محرومی کی ابتداء جولائی 1977 میں ہوئی جبکہ ایک فوجی بغاوت کے

www.bhutto.org

ذریعے انہیں وزیراعظم کے عہدے سے معزول کر دیا گیا۔ یہ فوجی بغاوت ان سیاسی مخالفین کے کئی ماہ طویل مظاہروں کے بعد ہوئی جنہوں نے بھٹو پر الزام لگایا تھا کہ اقتدار کو اپنے ہاتھ میں رکھنے کے لئے انہوں نے قومی انتخابات میں دھاندلی کی تھی۔ فوج سے تصادم میں 300 سے زیادہ افراد ہلاک ہوئے تھے اور ضیاء نے جو اس وقت فوج کے سربراہ تھے دعویٰ کیا کہ ملک کو ٹوٹنے سے بچانے کے لئے فوج نے مجبور ہو کر اقتدار پر قبضہ کیا تھا ضیاء نے اعلان کیا تھا۔ جب سیاسی رہنما ملک کو بحران سے نکالنے میں ناکام ہو جائیں تو یہ فوج کے لئے ناقابل معافی گناہ ہے کہ وہ خاموش تماشائی بنی رہے۔'' ضیاء جو صدر بن گئے تھے انہوں نے یہ بات جلد ہی صاف کر دی تھی کہ وہ اس بات کے لئے تیار تھے کہ اس شخص کے بارے میں جسے انہوں نے اقتدار سے ہٹایا تھا کسی قسم کے رحم کا برتاؤ نہیں کریں گے جب بھٹو کے ایک سیاسی مخالف احمد رضا قصوری نے لاہور ہائی کورٹ میں بھٹو کے خلاف یہ الزام عائد کیا کہ 1974 میں ان کے والد کے قتل کی سازش میں بھٹو شریک تھے تو ضیاء نے اس مقدمے کی کارروائی کو نہیں روکا۔ مقدمے کی ٦ ماہ کی کارروائی کا اختتام یوں ہوا کہ بھٹو اور 4 دوسرے افراد کو مجرم قرار دیدیا گیا۔

جب انہیں سزا سنا دی گئی تو شاید ہی کسی کا یہ خیال رہا ہو کہ بھٹو کو واقعی پھانسی دے دی جائے گی۔ بنگلہ دیش کی جنگ آزادی میں ہندوستان کے ہاتھوں ذلت آمیز فوجی شکست کے بعد بھٹو نے پاکستان کے سب سے ذہین سیاستدان کی حیثیت سے تن تنہا ملک کو متحد کیا۔ بھٹو نے ایک حوصلہ ہارے ہوئے صدر یحییٰ خان سے زمام حکومت لی اور ہندوستان وزیراعظم اندرا گاندھی سے مذاکرات کے ذریعے ایک ایسا معاہدہ کیا جس کے نتیجے میں پاکستان کی شکست خوردہ فوج کے نوے ہزار افراد وطن واپس آئے۔

صوبہ سندھ کے ایک دولت مند زمیندار کے فرزند بھٹو ایک سیاسی ماحول میں پروان چڑھے۔ ان کے والد سر شاہنواز خان بھٹو برطانوی راج کے زمانے میں سندھ سے بمبئی اسمبلی کے رکن تھے۔ 1947 میں پاکستان کی پیدائش اور بھٹو کی ہائی اسکول کی تعلیم کی تکمیل ساتھ ساتھ ہوئی۔ ان کے سیاسی کیریئر کا آغاز اس وقت ہوا جب 1958 میں انہیں 30 سال کی عمر میں جنرل

www.bhutto.org

محمد ایوب خان کی حکومت میں وزیر تجارت مقرر کیا گیا وہ پاکستان کی تاریخ کے سب سے کم عمر وزیر تھے۔ 5 سال کے اندر اندر وہ ایوب خان کے وزیر خارجہ بن گئے۔ وہ۔ پاکستان کے کیمونسٹ چین کے ساتھ تعلقات کے معمار تھے۔ وہ پاکستان کو افریشیائی بلاک میں صدر ناصر اور سوئیکارنو کے قریب لے گئے۔ ایک مرحلے پر بھٹو نے امریکی صدر لنڈن جانسن کو اس قدر پریشان کیا کہ جب 1965 میں کشمیر پر پاک ہند جنگ کے بعد روکی جانے والی امداد کی بحال کروانے کے لئے ایوب واشنگٹن گئے تو اطلاعات کے مطابق جانسن کی شرط یہ تھی کہ اس شخص سے جان چھڑاؤ۔" ایوب نے فرمانبرداری کے ساتھ یہی کیا اور بھٹو اپنی طاقت کا گڑھ پاکستان پیپلز پارٹی قائم کرنے کے لئے چلے گئے۔

دسمبر 1970 میں پاکستان میں منعقد ہونے والے پہلے عام انتخابات میں پی پی پی نے مغربی پاکستان میں زبردست اکثریت سے کامیابی حاصل کی۔ ایسی عوامی حمایت کے ساتھ یہ کوئی حیران کن بات نہیں تھی کہ 1971 کے پاکستان نے اپنی امیدیں بھٹو سے وابستہ کرلیں جبکہ اس حادثے نے یکے بعد دیگرے آنے والے فوجی حکمرانوں کو مکمل طور پر رسوا کر دیا تھا۔ خود بھٹو نے اپنی حکومت کو ایک نئی ابتداء قرار دیا۔ انہوں نے کہا" یہ بالکل شجرۂ نسب کے پہلے باب کی طرح ہے۔" لیکن بھٹو نے ذاتی طور پر ضیاء سے رحم کی درخواست کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے دوستوں اور وکیلوں سے کہا کہ وہ موت سے خوفزدہ نہیں تھے۔ انہوں نے کہا تھا ایک مسلمان کی تقدیر رب جلیل کے ہاتھ میں ہے۔ میں ایک بے داغ ضمیر کے ساتھ اس کا سامنا کرسکتا ہوں اور اس سے کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اس کی مملکت اسلامیہ پاکستان کو از سر نو تعمیر کیا اور اسے راکھ کے ڈھیر سے ایک باوقار قوم میں تبدیل کر دیا۔" ایک کتبۂ مزار کی حیثیت سے اس سے ان کے اس پختہ یقین اور اعتقاد کا اظہار ہوتا ہے کہ ان کے بعد ان کا ترکہ زندہ رہے گا۔ ان کی موت سے ملک ایک ایسے رہنما سے محروم ہو گیا جو اسے اب تک نصیب ہونے والے رہنماؤں میں سب سے زیادہ اثر رکھنے والا رہنما تھا۔

(16 اپریل 1979)

www.bhutto.org

فوجی جائزے کے مطابق پیپلز پارٹی کو اب بھی قومی اتحاد سے زیادہ عوامی حمایت حاصل ہے۔

(نیوز ویک)

جلاد کی فیس 25 روپے 2.5 ڈالر تھی۔ تختہ دار پر ایک مجسٹریٹ نے سیاہ حاشیے والا پروانۂ موت پڑھ کر سنایا جبکہ جیل کے حکام نے سزائے موت پانے والے شخص کے پیر باندھے۔ ان کے سر پر سیاہ نقاب چڑھایا اور ان کی گردن کے گرد ایک انچ موٹی منیلا رسی ڈالی۔ ''اے مالک۔ میری مدد کر کیونکہ میں بے گناہ ہوں۔'' قیدی نے اپنی مادری زبان سندھی میں دھیمی آواز میں کہا۔ چند لمحوں بعد۔ نصف شب کے ۲ گھنٹے بعد راولپنڈی جیل کی قلعہ نما چاردیواری کے اندر پاکستان کے سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دے دی گئی۔

ان کو پھانسی دینے سے قبل کی ساعتوں میں جیل میں قیدی قرآنی آیات کا ورد کرتے رہے۔ 51 سالہ بھٹو کا شیو جیل کے نائی نے بنایا اور ان کی کھٹمل بھری کوٹھری کی غلاظت دور کرنے کے لئے انہیں نمدے سے نہلایا گیا۔

انہوں نے اپنے غلیظ اور سلوٹیں پڑے کپڑے تبدیل کئے۔ نئے سفید شلوار قمیض پہنے جو پاکستان کا مروجہ قومی لباس ہے۔ ان کے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے گئے۔ دو جیلروں نے دونوں طرف سے ان کا ایک ایک بازو پکڑا۔ انہیں خاموشی کے ساتھ ان کی کوٹھری کے بلاک سے چھوٹے سے صحن میں لایا گیا جو کھلی لائٹوں کی چمک میں نہایا ہوا تھا۔ بھٹو نے اپنا نچلا ہونٹ کاٹا اور

www.bhutto.org

سرد پنجابی رات میں ذرا سی دیر کے لئے کانپے۔ اس کے بعد وہ سکون کے ساتھ تختہ دار پر چڑھ گئے۔ ان کی پھانسی سے وہ دس سالہ ہنگاموں سے بھرپور پاکستانی سیاست ڈرامائی اختتام کو پہنچی جس پر وہ چھائے رہے تھے اس نے ان کے اہل وطن کو دہشت زدہ کر دیا۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس نے پاکستان کو عدم استحکام کے ایک مشکل دور میں ڈال دیا ہو۔ دارالحکومت شہر اسلام آباد میں سرکاری ملازمین اپنے دفتروں میں کھلے بندوں روئے اور ایک عمر رسیدہ خاتون نے تلخی کے ساتھ کہا "یہ پاکستان کی تاریخ کا ایک ذلیل ترین دن ہے۔" پاکستان کے صدر محمد ضیاء الحق کے نافذ کردہ مارشل لاء ضوابط کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کوئی ایک ہزار بھٹو کے حامیوں نے راولپنڈی میں حکومت کے خلاف نعرے لگائے اور بھٹو کی پاکستان پیپلز پارٹی کا سبز و سیاہ جھنڈے لہرائے۔ عورتوں نے بین کئے، اپنے کپڑے پھاڑ لئے اور نعرے لگائے۔ ضیاء اور ان کی اولاد کے لئے موت"

جوں ہی سارے پاکستان میں مظاہرے پھوٹ پڑے ضیاء نے پولیس کو حکم دیا کہ انہیں کچل دے۔ پولیس لوہے کی شام چڑھی لاٹھیاں گھمائی ہوئی مجمعوں میں گھس پڑی۔ مردوں اور عورتوں کو بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا اور اٹھا کر پولیس کے ٹرکوں میں ڈال دیا۔ سینکڑوں افراد گرفتار کر لئے گئے اور شکار پور میں پولیس اور مظاہرین کے درمیان بندوقوں سے لڑائی ہوئی جس میں 14 افراد زخمی ہوئے۔

لیکن مظاہرین بنیادی طور پر کسی قائد سے محروم تھے۔ پھانسی دینے سے ہفتوں پہلے ضیاء نے پی پی پی کے سینکڑوں رہنماؤں کی گرفتاری کا حکم دیا تھا۔ انہوں نے بھٹو کی بیگم نصرت اور ان کی آتش مزاج آکسفورڈ کی تعلیم یافتہ بیٹی بینظیر کو گھر میں ہی نظر بند کر دیا تھا۔ اس دن پھانسی سے پہلے دونوں خواتین کو بھٹو سے 3 گھنٹے کی آخری ملاقات کی اجازت دی گئی۔ اس کے بعد انہیں راولپنڈی سے باہر سہالہ پولیس ریسٹ ہاؤس لیا جایا گیا جہاں انہیں باہر کی دنیا سے کاٹ کر رکھا گیا۔

عالمی ردعمل خاموشی کا تھا کچھ تو اس وجہ سے کہ کئی رہنما پاکستان کے داخلی معاملات میں مداخلت کے اشتباہ سے گریز کرنا چاہتے تھے لیکن جو پاکستان کے قریب تھے ان کا ردعمل

www.bhutto.org

شدید تھا۔ کشمیر میں جہاں آبادی کی اکثریت مسلمان ہے۔ مظاہرین نے سڑکوں پر جلوس نکالے اور ضیاء کے پتلے جلائے۔ فسادات پھوٹ پڑے اور پولیس نے گولی چلادی جس سے 3 فسادی ہلاک ہو گئے۔ نئی دہلی میں ٹائمز آف انڈیا نے لکھا کہ ''بھٹو کا بھوت پاکستان پر منڈلاتا رہے گا۔'' یہ اضافہ بھی کیا کہ بھٹو کو مار کر پاکستان نے فوجی حکمرانوں نے خود اپنے ملک کو توڑنے کے بیج بو دیئے ہیں۔

جوابی ردعمل کے خوف نے بھٹو کی پھانسی کے سلسلے میں ہونے والے شدید قسم کے حفاظتی انتظامات اور رازداری میں اہم کردار ادا کیا۔ فوجی یونٹوں کو تیار رہنے کا حکم دیا گیا اور ۲۷ ٹرکوں میں بھری ہوئی پولیس نے بھٹو کے آبائی گاؤں کا محاصرہ کرایا۔ ان کے دو اعلیٰ معاونین ایک نو عمر مرحوم کے چچازاد بھائی ممتاز بھٹو اور ان کے وکیل عبدالحفیظ پیرزادہ کو بھٹو کی موت کی کئی گھنٹے بعد تک ان کی موت کی اطلاع نہیں دی گئی۔ حکومت پر گھٹیا فریب کاری کا الزام لگائے ہوئے تنبیہ کی کہ عوام اپنے جانکاہ درد کے علاج کا راستہ تلاش کرلیں گے۔ راولپنڈی میں جہاں کہ پاکستان پیپلز پارٹی کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ ایک ضعیف شخص نے کہا ''ہم اب پاکستان نہیں چاہتے۔ انہوں نے ہمارے رہنما کو ہلاک کیا ہے اور ہم انہیں کبھی معاف نہیں کرسکتے۔''

مگر بھٹو کی پھانسی نے وقتی طور پر پی پی پی کو قیادت سے محروم کردیا ہے۔ پی پی پی کے بعض اراکین اپنی جماعت کو چھوڑ کر دوسری جماعتوں میں شامل ہو گئے ہیں اور اب ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دوسرے بھی ان میں شامل ہو جائیں گے ضیاء یہ جوا کھیل رہے ہیں کہ بہت جلد حزب اختلاف ٹوٹ پھوٹ جائے گی مگر یہ ایک خیال ثابت ہوسکتی ہے۔ پچھلے ماہ فوج کی طرف سے رائے عامہ کے ایک جائزے سے ظاہر ہوا کہ اب بھی پی پی پی کو ضیاء حکومت کے حامی پاکستان قومی اتحاد کے مقابلے میں زیادہ حمایت حاصل ہے اور سولی پر بھٹو کی موت نے کئی پاکستانیوں کی نظر میں انہیں شہید بنادیا ہے۔ ایک غیر ملکی سفارت کار نے کہا ''ہوسکتا ہے کہ حالات کے پلٹنے میں ابھی کچھ وقت لگے، لیکن حکومت کو چیلنج کیا جائے گا اور ہوسکتا ہے یہ چیلنج سخت ہو۔

اس معاملے میں ضیاء حکومت کتنی حساس ہے اس کا ایک ہلکا اندازہ بھٹو کی عاجلانہ اور رازدارانہ تدفین سے ہوتا ہے۔ انہیں پھانسی دینے کے چند ہی گھنٹوں کے اندر سفید چادر میں لپٹی ہوئی ان کی میت تیزی کے ساتھ اسلام آباد کے قریب ایک فوجی اڈے پر پہنچائی گئی اور اسے بذریعہ ہوائی جہاز بھٹو کے آبائی صوبے سندھ پہنچایا گیا جہاں ایک سادہ اسلامی رسم کے بعد انہیں ان کے آبائی قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔ ماتم گساروں میں صرف بھٹو کی پہلی بیوی امیر بیگم، دو چچا اور صرف چند دیہاتی شامل تھے۔ امیر بیگم نے کہا کہ کفن باندھنے سے پہلے انہیں آخری دیدار کی اجازت دی گئی۔ انہوں نے کہا میں ان کا چہرہ دیکھا۔ وہ ایک پھول کی طرح معصوم دکھائی دے رہے تھے۔" ایسے الوداع کے ساتھ ایسا محسوس ہوتا ہے بھٹو کی داستان لازمی طور پر پھلے پھولے گی۔

(16 اپریل 1979)

www.bhutto.org

پاکستان بھٹو کے بعد

(پندرہ روزہ انڈیا ٹوڈے)

سوذوالفقار علی بھٹو مر چکے اور جنرل ضیاء الحق زین پر مضبوطی سے جمے ہوئے ہیں۔ ان کا یہ داؤ کہ خون خرابے کے بغیر بھٹو سے جان چھڑائی جائے۔ فائدہ مند ثابت ہوا ہے۔ ناراضگی کی وہ عظیم لہر جس کے اٹھنے کا خدشہ تھا۔ عملی صورت اختیار کرنے میں ناکام ہو چکی ہے۔ بھٹو کی پاکستان پیپلز پارٹی (پی پی پی) نے یقیناً ہچکچاہٹ کے ساتھ، اپنے لیڈر کے پھانسی دیے جانے کو خاموشی سے برداشت کیا ہے اور اپنے ناقدین کو چپ کروا کر اور عالمی رائے کو نظر انداز کر کے ضیاء نے ایک اسلامی جمہوریہ کے قیام کی طرف ایک اور قدم بڑھایا ہے۔ خمینی، ان کے پیرو اور ایرانی طرز کی جمہوریہ ان کی منزل بن گئے ہیں۔ اس مذہبی پردے کے پیچھے وہ فوجی طاقت چھپی ہوئی ہے جس نے اقتدار کو قبضے میں رکھنے میں ان کی مدد کی ہے۔ قومی بے چینی پر سختی کے ساتھ ڈھکن کسنے کے لئے مارشل لاء ضابطوں کے استعمال کا ان کا فولادی مکے والا طریقہ کم از کم وقتی طور پر کامیاب رہا ہے۔

ایم ایل آر ز، جو مارشل لاء ضابطوں کا معروف نام ہے۔ اس انداز میں ترتیب دیئے گئے ہیں کہ اختلاف کا اظہار قطعاً خارج از بحث ہے۔ ایم ایل آر ز کے تحت نہ تو کوئی شخص اجلاس بلا سکتا نا جلوس منظم کر سکتا نہ ہی کوئی سیاسی جماعت کھلے بندوں پروپیگنڈہ کر سکتی یا مہم چلا سکتی ہے یا سیاسی مقاصد کو فروغ دینے کے لئے کسی درسگاہ کے تقدس کی خلاف ورزی کر سکتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ سزا 5 سال قید سخت اور یا 10 کوڑے ہیں۔ اور لاہور، فیصل آباد اور سیالکوٹ میں سرسری

www.bhutto.org

سماعت کی فوجی عدالتوں نے جو سخت سزائیں دی ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ جنرل ضیاء سنجیدہ ہیں۔ بھٹو کو پھانسی دیئے جانے کے بعد 2 درجن سے زائد افراد کو ایم ایل آر ز کے تحت 3 سے 12 ماہ تک کی قید بامشقت اور 5000 پاکستانی روپے تک جرمانے کی سزائیں دی گئی ہیں اور 6 سے 10 کوڑوں تک کا حکم دیا گیا ہے۔

ماتمی اجتماعات میں مجمعوں کی غیر حاضری کی وضاحت کرتے ہوئے ایک پاکستانی صحافی نے کہا یہ کوڑا ہی ہے جو عوام کو سڑکوں پر آنے سے روک رہا ہے۔ یہاں فضا میں خوف وہراس کی بو ہے جس دن بھٹو کو پھانسی دی گئی تھی لاہور کی سڑکیں سورج غروب ہوتے ہی خالی ہوگئی تھیں۔

گو کہ غصہ اندر جذب ہوگیا اور اس کا اظہار بے زبان رہا مگر لاہور کے ایک ٹیکسی ڈرائیور 41 سالہ عبدالرشید نے پان چباتے ہوئے کہا کہ ''لوگوں پر بے یقینی کا صدمہ ہے۔ انہوں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ جنرل ضیاء بھٹو کو پھانسی پر چڑھا دیں گے۔ لوگ اتنے خوفزدہ ہیں کہ انہوں نے اپنے منہ بند کر رکھے ہیں۔

لاہور کے ہوائی اڈے سے شہر تک سڑک سنسان تھی۔ رشید نے مزید کہا کہ یہ بہت زبردست صدمہ ہے۔ تمام اخبارات سڑکوں سے غائب ہو گئے تھے۔ انہیں لوگوں نے اس امید میں ٹوٹ کر خرید لیا تھا کہ شاید ان میں پھانسی دینے کی تفصیلات ہوں لیکن جنگ کے سواء کسی اور اخبار نے یہ خبر شائع نہیں کی تھی۔

ڈرائینگ روموں میں گفتگو دبی دبی سی تھی۔ لاہور کے ہوائی اڈے پر انتظار گاہ اسلام آباد اور کراچی جانے والے مسافروں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی لیکن کوئی بول نہیں رہا تھا۔ ہوائی اڈے پر ایک قلی نے کہا کہ ''صاحب یہ کسی کو پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کس سے بات کر رہا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ آپ کے برابر کھڑا ہوا آدمی پولیس کا مخبر ہو۔'' صاف بات یہ ہے کہ جنسی معاملات کی طرح بھٹو کی پھانسی ایسا موضوع تھا جس پر پاکستانی گفتگو نہیں کر رہے تھے۔

www.bhutto.org

سرکاری ڈھنڈورچی اخبار پاکستان ٹائمز کے ایڈیٹر محمد سعید ملک کی طرف سے اسلام آباد میں صحافیوں کو دیئے گئے ایک ظہرانے میں گفتگو کا موضوع اردو شاعری بنی رہی جب ایک ہندوستانی صحافی نے یہ رائے ظاہر کی کہ بھٹو کا بھوت پاکستان پر منڈلاتا رہے گا تو اسلام آباد میں دفتر خارجہ کے ایک سینئر ترجمان نے کہا کہ ''وہ جلد ہی بھلا دیئے جائیں گے۔'' انہی جذبات کی بازگشت کرنل صدیق سالک سے بھی سنائی دی جو ضیاء کے تعلقات عامہ کے افسر اور ''وٹنس ٹو سرینڈر'' کے مصنف ہیں۔ اس رائے میں ناٹو اقوام کے سفارتخانوں کے سفارت کار بھی شریک ہیں۔ ایک یورپی سفارت کار جنہوں نے ضیاء کو قریب سے دیکھا ہے کہا کہ ''حالات پوری طرح ان کے قابو میں ہیں۔''

ستم ظریفی یہ ہے کہ یہ خواتین کی پیش قدمی تھی جس نے کراچی، لاہور، راولپنڈی اور ملتان میں تشدد کو ہوا دی۔ نماز جنازہ کے بعد خواتین نے غصے میں انصاف کا مطالبہ کیا اور مردوں کو عمل پر اکسایا۔ عورتوں نے اپنی قمیصیں پھاڑ کر چھاتی پیٹی۔ انہوں نے پولیس والوں کو کوسنے دیئے اور چلائیں ''تم سب کتے ہو، تم سب کتے کی موت مرو گے۔''

راولپنڈی میں گڑبڑ کے دوران خواتین نے معاون کا کردار ادا کیا۔ ان میں سے ایک نے ''انڈیا ٹوڈے'' کے نمائندے کو غلطی سے بی بی سی کا نمائندہ سمجھتے ہوئے اسکول کی کاپی کے صفحے پر اردو لکھا ہوا ایک نوٹ اسے تھمایا۔ اس میں لکھا تھا ''بھٹو کی موت نے پاکستان میں ہر ایک کو صدمہ پہنچایا ہے۔ ان کی پھانسی پاکستان کی موت ثابت ہو سکتی ہے۔'' قریب کھڑے ہوئے ایک شخص نے جملہ کسا۔ ان لوگوں کے بھٹو کو پھانسی چڑھانے سے پہلے یہ لوگ کہاں تھے؟ اب کیوں احتجاج ہو رہا ہے؟ وہ آدمی تو مر چکا اور دفن ہو گیا۔ بھٹو کے حامیوں کی بزدلی کا بڑا مظاہرہ ممتاز علی بھٹو نے کیا جو ایک رشتہ دار اور سابق کابینہ میں رفیق تھے۔ جنہوں نے تیسرے دن کی نماز جنازہ کے لئے لیاقت باغ جاتے ہوئے یہ دیکھ کر کہ پولیس مجمعے پر ٹوٹ پڑی ہے۔ اپنی کار موڑ لی اور غائب ہو گئے۔ نہ جھکنے والے صدور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے کوئی بات اتفاقات کے لئے نہیں چھوڑی تھی۔ ذرائع ابلاغ پر دباؤ ڈالا گیا تھا اور صحافیوں کو ضابطے میں لایا گیا تھا کہ سرکاری

www.bhutto.org

خطوط پر چلیں۔ جن اخبارات نے بات نہیں مانی وہ اس بات پر مجبور ہوئے کہ اپنے اخبارات صفحوں پر خالی جگہوں کے ساتھ شائع کریں۔ ان کی طرف سے وقت کا تعین بھی بے نقص تھا۔ ملک سے باہر عالم اسلام میں ہیجان تھا۔ ایران میں شہنشاہ کو معزول کیا جا چکا تھا۔ افغانستان میں بغاوت ہو چکی تھی۔ ملک کے اندر انہوں نے ایک بار پھر یہ اعلان کر کے انتخابات 17 نومبر 1979 کو ہوں گے۔ سازگار فضا پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اس بار یہ اعلان انہوں نے 23 مارچ کو یوم پاکستان کی سالگرہ پریڈ کے موقع پر اور سپریم کورٹ کے بھٹو کی نظر ثانی کی درخواست مسترد کرنے سے ایک دن پہلے کیا تھا۔ تیسری دنیا کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے انہوں نے امریکی پشت پناہی کی حامل سنٹرل ٹریٹی آرگنائزیشن (سینٹو) سے علیحدگی اختیار کی اور غیر وابستہ بلاک سے راہ و رسم بڑھانا شروع کیا۔ ساری تیاریاں مکمل ہو گئی تھیں کہ وہ ایسا کردار اپنائیں جسے لندن آبزرور نے ''اسلامی روبس پیئرے'' کا نام دیا ہے۔ وہ اس بات کے لئے تیار تھے کہ قوم کو رشوت ستانی، اقربا پروری، چور بازاری، متوازی معیشت ٹیکس کی چوری اور جرم سے پاک کریں۔

جالندھر میں پیدا ہونے والے لکھر سٹ کے تربیت یافتہ 55 سالہ جنرل کے لئے یہ کوئی معمولی کامیابی نہیں تھی جنہوں نے جولائی 1977 میں برسر اقتدار آنے کے بعد اپنی قوم سے وعدہ کیا تھا کہ وہ 90 دن کے اندر فوجی بیرکوں میں واپس چلے جائیں گے۔ وقت کی اس حد میں غیر معینہ توسیع ہو گئی۔ ضیاء نے کئی بار انتخابات منسوخ کئے۔ ستمبر 1978 کے آواخر میں اپنے فوجی پیشروؤں فیلڈ مارشل محمد ایوب خان اور جنرل یحییٰ خان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خود کو صدر بنالیا۔ وہ شخص جس نے اصرار کیا تھا کہ وہ اڑتے ہوئے پرندے، پاکستان کے سیاسی مستقبل میں ایک عبوری رابطہ ہے۔ اس پر جلد ہی نپولینی تصورات چھا گئے۔ اب وہ ایک اسلامی جمہوریہ تخلیق کرنے کی بات کر رہا تھا۔ کسی قدر مضحکہ خیز کوتاہ قد، سمندری گھوڑے جیسی مونچھوں والی شخصیت جسے کبھی ٹیری تھامس سے تشبیہہ دی گئی تھی۔ کی کایا پلٹ شروع ہو چکی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ انکے اختصار پذیر حثہ وہ کیفیت پیدا کرنے میں کامیاب ہوا جسے ماہرین نفسیات ''نپولینک کمپلیکس'' کا نام دیتے ہیں۔ وہ بھٹو کی فراست، کرشمہ سازی اور عوامی مقبولیت سے محروم ہیں۔ ایک کسی قدر

www.bhutto.org

فرد مایہ افسر کی حیثیت سے جن کا اچانک عروج بھٹو کا مرہون منت تھا۔جنہوں نے 7 جنرلوں پر فوقیت دے کر انہیں ترقی دی تھی۔ضیاء ہمیشہ بھٹو کے روبرو بے آرامی محسوس کرتے تھے۔خود پنجابی ہونے کے ناطے وہ سندھی بھٹو پر بھروسہ نہیں کرتے تھے اور یہ بھی یقین کیا جاتا ہے کہ وہ بھٹو کے دولت منداور نوابانہ پس منظر سے حسد کرتے تھے۔

جب بھٹو کو سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا گیا تو ضیاء کی گول گول پتھرائی آنکھیں اپنی پوزیشن کو محفوظ کرنے پر جم گئیں۔یونانی کرنلوں سے لے کر چلی کے جنرل پنوچے تک تمام فوجی آمروں کی طرح ضیاء کی ذاتی نمود رسمی اور مبالغہ آمیز بن گئی۔کندھوں کے سنہری نشانات، چمکدار سام براؤن، تمغے اور کلر کی ہر موقع پر فخریہ نمائش ہوئی۔وہ ہمیشہ سے ایک خوش عقیدہ مسلمان تھے اور ان کی مذہبی انتہا پسندی روز بروز بڑھتی گئی۔غیر فوجی ملازمتوں میں نماز کو متعارف کرانے اور تمام سرکاری ملازمین کو جائے نماز فراہم کرنے سے انہوں نے ابتداء کی اس کے بعد دوسرے مذہبی قوانین آئے۔آج بھی سرکاری محکموں کے سربراہ جن کے بارے میں یہ تصور کیا جاتا ہے کہ وہ مثال قائم اپنی پشیمانی کو چھپا نہیں سکتے کیونکہ ان میں سے کئی قرآن پڑھنا نہیں جانتے۔

لیکن کفایت شعار ضیاء جانتے ہیں کہ اقتدار میں رہنے کے لئے ضروری ہے کہ فوج کو خوش رکھا جائے۔اس طرح وہ شخص جو اپنے ساڑھے سات کروڑ عوام کے لئے سادہ طرز زندگی کی تبلیغ کرتے ہیں۔انہوں نے اپنی فوج کے لئے جنوبی کوریا سے وردیاں درآمد کی ہیں۔آرمی اسٹورز کے لئے یورپ سے کاریں اور ریفریجریٹرز درآمد کئے ہیں۔اعلیٰ افسروں کے لئے چھٹیوں کے دوران غیر ممالک کے مہنگے دورے کی سہولت فراہم کی ہے اور خود ان کے لئے خریدے جانے والے ایک بوئنگ طیارے کی اندرونی آرائش پر 750,000 پونڈ (60 لاکھ روپے) صرف کئے ہیں۔اس صورتحال نے توازن ادائیگی کا بحران پیدا کر دیا ہے۔خاص طور پر ایسے وقت میں جبکہ پاکستان کے پاس اپنے پرانے قرضے ادا کرنے کے بھی وسائل نہیں ہیں۔پچھلے ستمبر میں ضیاء کو مجبور ہونا پڑا کہ وہ ایران کو قرضوں کی ادائیگی کے لئے مہلت دینے پر آمادہ کریں۔

ضیاء کے گنے چنے سیاسی دوست ہیں۔ضیاء کے سیاسی اتحاد کی گہری جڑیں جماعت

www.bhutto.org

اسلامی میں ہیں جوایک دائیں بازو کی انتہا پسند جماعت ہے اوراس گروہ کی قیادت مولانا مفتی محمود کرتے ہیں۔ یہ ان کے تنگ سیاسی نکتۂ نظر اور جرم وسزا کے بارے میں ان کے کم فراخدلانہ رویے کی وضاحت کرتی ہے۔ان کی 22 ماہ کی حکومت کے دوران 300 سے زائد افراد کو پھانسی دی جا چکی ہے گوکہ انہوں نے انتخابات کا اعلان کیا ہے لیکن ان کے حاشیہ برداروں نے ابھی سے انتخابات کومنسوخ کرنے کے حق میں آوازیں بلند کرنی شروع کر دی ہیں۔ مسلم لیگ کے صدر پیر پگارو نے 6 اپریل کو کہا کہ انتخابات منعقد کرنے کے لئے فضا مناسب نہیں ہے۔

گو کہ 70 فیصد پاکستانی مسلمان سنی ہیں لیکن ضیاء شیعہ اور سنی دونوں فرقوں کو ہموا بنانے کی کوششوں میں تنے ہوئے رسے پر چل رہے ہیں وہ خود ایک کٹر سنی ہیں۔انہوں نے جو انتہا پسندانہ سزائیں متعارف کرائی ہیں اس سے صرف انتہا پسند سنی حلقے ہی خوش ہیں۔جنہیں خطیر سعودی مالی امداد ملتی ہے۔دوسری طرف مقبول عام سنی علماء اکثر مسجدوں پر قابض ہیں اور نتیجتاً حساس ہو گئے ہیں اور ضیاء عنایات کی پیش کش کر کے انہیں متحد کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں۔اختلاف کرنے والے اس گروہ کو ذرائع ابلاغ کو آزادانہ استعمال کرنے کی اجازت دے رکھی ہے اورانہیں عام جلسے کرنے کی بھی اجازت ہے جن پر عمومی پابندی عائد ہے لیکن ایک اسلامی جمہوریہ میں مذہبی اختلافات یہیں ختم نہیں ہو جاتے۔

تقریباً 30 فیصد پاکستانی مسلمان شیعہ فرقے سے تعلق رکھتے ہیں اور ایران میں آیت اللہ خمینی کے برسر اقتدار آنے سے کافی پھولے ہوئے ہیں۔ضیاء جنہوں نے پچھلے ہفتے آیت اللہ کو ایران کے برادر عوام کے اسلامی جمہوریہ کے قیام کی عظیم اکثریت کے ساتھ حمایت کرنے پر ''پیغام تہنیت'' بھیجا تھا انہیں عجلت کے ساتھ شیعہ اقلیت کے مطالبات کوتسلیم کرنا پڑا جو یہ محسوس کر رہی تھی کہ اس کے ساتھ امتیازی سلوک کیا جا رہا ہے۔

بہرحال ان کی مشکلات کا خاتمہ مذہب پر نہیں ہو جاتا۔ مذہب کے ذریعہ زبردست سیاسی سرمایہ پیدا کرنے کے بعد، جو کسی فوجی رہنما میں کمیاب صفت ہے، ضیاء کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ وہ منفرد صوبائی رقابتیں ہیں جو معنوی اعتبار سے ماضی کے تمام سیاستدانوں کے

www.bhutto.org

لئے موت کا پیغام ثابت ہوئیں۔ نسلی طور پر ممیز پاکستان کے ۴ صوبوں کے درمیان کشیدگی میں اضافہ ہوسکتا ہے کہ ان کے چہرے پر دھا کہ بن جائے اور ان کی اسلامی جمہوریہ ہمیشہ کے لئے تتر بتر ہو جائے۔

پاکستان کی 54 فیصد سے زیادہ آبادی پنجابی ہے جس کا تعلق سب سے زیادہ خوشحال اور گنجان آباد صوبے سے ہے اس کی وجہ سے انتظامیہ اور مسلح افواج کی اکثریت کی تشکیل کرتی ہے اور زندگی کے تمام شعبوں کے اہم عہدوں میں گھسی ہوئی ہے۔ یہ سندھیوں، بلوچوں اور شمال مغربی صوبہ سرحد کے پٹھانوں کے لئے انتہائی تلخ پہلو رہا ہے۔ پاکستان میں علیحدگی پسندی کی تحریکات کی بنیادی وجہ یہی علاقائی عدم توازن رہا ہے۔ جس کی وجہ سے یحیٰی خان کے دور حکومت میں مشرقی پاکستان (حال بنگلہ دیش) کے بنگالی مسلمانوں نے بغاوت کی راہ اختیار کی۔ ممنوعہ ہفت روزہ الفتح کے ادارے سے شائع ہونے والے ماہنامے لوح وقلم میں مبصر شوکت صدیقی نے یہ رائے ظاہر کی ''پنجابی اور مہاجر مسلم برادریوں کو، جو طاقتور تاجر ہیں، یہی چیز ان کے غصے اور نفرت کا خاص حدف بناتی ہے۔''

ضیاء پنجابی ہیں جبکہ بھٹو ایک چالاک سندھی تھے۔ بھٹو کے دور میں نہ صرف یہ کہ ان کے اپنے صوبے میں علیحدگی پسندی کے رجحانات پر قابو پالیا گیا بلکہ وہ اپنے مسلسل اور مقبول نعروں سے پنجاب کے محنت کش عوام کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب رہے۔ لاہور میں ایک مبصر نے کہا'' بھٹو کی پھانسی سے ہر سندھی کی آنکھ بھر آئی، جبکہ بلوچوں پر خاموشی طاری ہے اور پٹھان حیرت زدہ ہیں۔

پاکستان کے غیر پنجابیوں میں ردعمل یہ رہا ہے کہ انہوں نے فوری اس اقدام کی ساری ذمہ داری پنجابیوں پر ڈال دی جن کی قیادت ضیاء کررہے ہیں۔ ایک پاکستانی جریدہ لکھتا ہے کہ کھلے بندوں یہ کہا جارہا ہے کہ پاکستان مشاہیر کے اس طرح قتل کئے جانے کی منصوبہ بندی اور اس پر عملدرآمد پنجاب میں ہوا۔ مشہور و معروف بلوچی رہنما عطاء اللہ مینگل بڑھتے ہوئے پنجابی غلبے کے خلاف مسلسل برس رہے ہیں اور نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی (این ڈی پی) جسے بنیادی طور پر

www.bhutto.org

بلوچستان میں حمایت حاصل ہے کے صدر شیر باز مزاری نے حال ہی میں تنبیہ کی کہ بڑی طاقتوں کی رقابتوں کے گھس آنے سے پاکستان دوسرا ویت نام بن سکتا ہے۔

لوح وقلم میں صدیقی لکھتے ہیں کہ کوئی شخص عوام کی آواز کا گلا تو گھونٹ سکتا ہے لیکن ان کے خیالات اور احساسات کو کون مٹا سکتا ہے۔ شمال مغربی صوبہ سرحد، بلوچستان اور سندھ میں بھی علیحدگی پسندی کے رجحانات وہی راہ اختیار کر رہے ہیں۔ لازمی بات ہے کہ بھٹو کی پھانسی کے بعد جلد یا بدیر بے اطمینانی کو کھولتا ہوا لاوا پھٹ پڑے گا اور اس کے نتیجے میں وہی واقعات دہرائے جائیں گے جو مشرقی پاکستان میں پیش آ چکے ہیں، مگر کئی سیاسی تجزیہ نگار اس نکتۂ نظر کو اندیشوں پر مبنی سمجھتے ہیں اور یہ تصور کرتے ہیں کہ جنرل ضیاء اس ضمن میں ممکنہ خطرات سے پوری طرح آگاہ ہیں۔ انہوں نے اس دائمی مسئلے سے نمٹنے کے سلسلے میں ابھی تک کمزوری کی کوئی علامت ظاہر نہیں کی ہے۔

داخلی کشیدگی کے ساتھ ساتھ ضیاء کو مغربی سرحد کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہوئی غیر یقینی صورتحال کے امکانات کا سامنا ہے کابل میں مارکس کا حالیہ عروج اسلام آباد کے میناروں سے بلند ہونے والی اللہ سے انتہائی مقدس دعاؤں کے لئے سازگار نہیں ہے یہ پیش بینی کرتے ہوئے کہ کابل بعض تکلیف دہ سوالات اٹھائے گا اور غیر مطمئن بلوچوں اور پٹھانوں کو مدد دے گا۔ ضیاء نے افغانستان کے مسلمان باغیوں کی حوصلہ افزائی کی ہے اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ انہوں نے 35000 افغان پناہ گزینوں کو پناہ دی ہے۔ افغان مزاحمتی گروہوں کو جو افغانستان میں ماسکو کی حامی حکومت کے خلاف ہیں اسلامی اخوت کے نام پر کھل کر مدد دی جا رہی ہے۔ ان میں کئی ایک کو پاکستان میں سیاسی پناہ مل چکی ہے۔ مذہبی گرم جوشی کے روپ کے ساتھ ضیاء اسلامی محور کو اس حد تک پھیلا رہے ہیں جہاں تک وہ انہیں لے جاسکے۔

10 فروری کو اسلام آباد میں ایک وسیع تقریب میں ضیاء نے ان ۴ جرائم کے لئے اسلامی قوانین کے نفاذ کا اعلان کیا جو حدود کے زمرے میں آتے ہیں، نشہ بازی، چوری، زنا (بالرضا بالجبر) اور خذف (زنا بالرضا و بالجبر کا جھوٹا الزام لگانا) جیسا کہ ضیاء کا سیاسی

www.bhutto.org

انداز ہے۔ وقت کا تعین انتہائی موزوں تھا۔ 10 فروری یوم عید میلاد النبی تھا۔ اسلامی نظام متعارف کروا کر ضیاء ان حدود میں داخل ہو رہے تھے جن میں داخل ہوتے ہوئے ان کے پیشرو ڈرتے تھے۔

ایک ایسی قوم کے لئے جس کی پرورش اسلام کی بنیاد پر ہوئی ہے۔ پاکستان کے فوجی اور غیر فوجی دونوں طرح کے رہنما نظام مصطفیٰ کو واقعتاً نافذ کرنے سے روایتی طور پر گریز کرتے رہے۔

بھٹو جو ایک جوہری سیاستدان تھے انہوں نے اسلام کو خالصتاً ایک سیاسی حربے کے طور پر استعمال کیا۔ مگر ضیاء نے ایران کے آیت اللہ خمینی سے رہنمائی حاصل کی ہے اور اپنے ناقدین کی ان شدید تنبیہوں کو نظر انداز کرنا پسند کیا ہے کہ وہ پاکستان کے سماجی۔ اقتصادی مرتبے کو 25 برس پیچھے کی طرف گھسیٹ لے جائیں گے۔ اسلامی نظام کے لئے سرپٹ دوڑ میں بلاشبہ ضیاء کے لئے نمایاں فوائد ہیں۔ ایک تو یہ کہ خطیر امداد کے انجکشن ملیں گے جس کی پاکستان کو اپنی ڈوبتی معیشت کو سہارا دینے کے لئے انتہائی شدید ضرورت ہے۔ توقع کی جاتی ہے کہ یہ امداد دوسری اسلامی ریاستوں سے آئے گی۔ دوسرا وہ فائدہ جس کی نشاندہی ان کے ناقدین کرتے ہیں کہ اس طرح سے ضیاء کے اپنے اقتدار کی عمر دراز ہو سکتی ہے۔

یہ کہنا کہ ضیاء کا نفاذِ اسلامی نظام مسائل سے پاک ہے حقائق کو گھٹا کر بیان کرنا ہوگا۔ ضیاء نے ابتداء ہی میں غلط پیر اٹھایا یعنی سعودی عرب سے شاہ خالد کے مذہبی مشیر کو پاکستان میں اسلامی نظام نافذ کرنے میں مدد دینے کے لئے درآمد کیا۔ اس طرح اپنے ملک کے اندر شیعہ اور سنی دونوں فرقوں کو ناراض کیا۔ علاوہ ازیں گو یہ محسوس ہوتا ہے کہ اسلامی بنانے کے عمل کو مذہبی رہنماؤں کی اکثریت نے خوش آمدید کہا لیکن یہ بات مشتبہ معلوم ہوتی ہے کہ اس طرح کی اکثریت پاکستان کی آبادی کی اکثریت کو درحقیقت متاثر کر سکے گی۔ درحقیقت کئی غیر مسلموں کے نزدیک نئے اسلامی قوانین اور ان کی تعزیرات ڈریکولائی اور زمانہ قدیم کی ہیں۔ یہ حیران کن بات نہیں ہے کیونکہ انہیں تقریباً 14 سو سال قبل مرتب کیا گیا تھا۔

مختلف جرائم کے لئے ضیاء کی تجویز کردہ تعزیریں حسب ذیل ہیں۔

www.bhutto.org

نشہ پر پابندی۔ کسی بھی شخص کے لئے جو نشہ آور اشیاء درآمد کرتا ہے۔ برآمد کرتا ہے، ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتا ہے، تیار کرتا ہے، فروخت کرتا ہے، پیش کرتا ہے یا ایسی کوئی شے اس کے قبضے سے برآمد ہوتی ہے تو اسے ۵ سال تک قید اور زیادہ سے زیادہ ۳۰ کوڑوں کی سزا دی جا سکتی ہے اور اس کے علاوہ جرمانے کا بھی سزاوار ہوگا۔

چوری:

پہلی چوری کے جرم پر سزا یہ ہوگی کہ چوری کرنے والے مرد یا عورت کا داہنا ہاتھ کلائی کے جوڑ سے کاٹا جائے گا۔ دوسرے جرم پر بایاں پاؤں ٹخنے کے جوڑ سے کاٹا جائے گا اور تیسرے جرم پر عمر قید کی سزا دی جائے گی۔

زنا بالرضا یا بالجبر:

بالرضا یا بالجبر کی سزا کے طور پر مجرم کو بر سر عام سنگ سار کر کے ہلاک کیا جائے گا۔

زنا الرضا یا بالجبر کا جھوٹا الزام لگانا:

اس کی سزا 80 کوڑوں تک ہے۔

گو کہ نئے اسلامی قوانین کی غیر ضروری سختی ضیاء کے اس مقصد کی تکمیل کر سکتی ہے کہ اہل ملک اطاعت گزار بن جائیں مگر ایسی علامتیں ہیں کہ نیا اسلامی نظام ان لوگوں کے لئے بھی تیزی کے ساتھ کشش کھوتا جا رہا ہے جنہوں نے ابتداء میں اس کی پر جوش حمایت کی تھی۔ اس سے شاید اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ ضیاء نے کیوں ہوشیاری کے ساتھ بڑے اسلامی مسائل مثلاً اقتصادیات، سماجی تبدیلی اور عدالتی نظام کے بارے میں نرم روش اختیار کی ہے۔

ایسا کرنے میں ان کے پیش نظر وہ افتراق ہے جس کی وجہ سے اسلام کے بعض زیادہ بنیادی پہلوؤں پر خود پاکستانی مسلمانوں کے درمیان اختلاف رائے ہے۔ سنی جو پاکستان میں غلبہ

www.bhutto.org

رکھنے والا مسلم فرقہ ہے۔ شیعوں سے نمایاں اختلاف رکھتا ہے۔ پچھلے ماہ ایک ممتاز شیعہ رہنما اور اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن علامہ مفتی جعفر حسین نے الزام لگایا کہ اسلامی قوانین کے نفاذ میں شیعوں کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے انہوں نے یہ بھی دھمکی دی کہ اگر حکومت نئے اسلامی قوانین کی تدوین کے سلسلے میں شیعہ عقائد اور اصولوں کو نظر انداز کرتی رہی۔ تو وہ 30 اپریل تک وہ کونسل سے استعفیٰ دے دیں گے۔

شیعہ سنی تقسیم بنیادی اسلامی مسائل پر جھگڑے ایک طویل خونچکاں تاریخ پر محیط ہے۔ شیعہ یہ یقین رکھتے ہیں کہ زکواۃ کی ادائیگی (اثاثوں پر 2.5 فیصد جو ٹیکس غریبوں کی فلاح و بہبود کے لئے صرف کیا جائے گا اور جسے ضیاء نے گزشتہ فروری میں نافذ کیا تھا) جیسے مذہبی فرائض کو زبردستی نافذ نہیں کیا جا سکتا، توبہ کرنے والے چور کو معاف کرنا لازمی ہے اور یہ کہ قانون شکنوں کو ہاتھ پیر کاٹنے کوڑے لگانے اور سنگسار کر کے ہلاک کرنے کی سزا کے لئے ان کی شرائط اسے عملاً ناممکن بنا دیتی ہیں۔ سنی اپنے طور پر بنک سود کو ختم کرنے اور انشورنش کمپنیوں کو بند کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ بہرحال اگر ضیاء صرف اس بناء پر کہ سنی اکثریت میں ہیں۔ ان کو خوش کرنے کی پالیسی جاری رکھتے ہیں تو نتیجہ تباہ کن ثابت ہو سکتا ہے۔

ایک اور اقدام جسے ضیاء نے کیا ہے جسے آبادی کی اکثریت نے پسند نہیں کیا ہے وہ تعلیم کے میدان میں ہے۔ بھٹو نے شیعوں اور سنیوں کو یہ اجازت دے کر کہ وہ اپنے بچوں کو اپنی اپنی دینیات پڑھائیں۔ درمیانی راہ اختیار کی تھی مگر ضیاء نے یہ حق ختم کر دیا ہے اور حکم دیا ہے کہ دونوں فرقوں کے بچے ایک ہی دینیات پڑھیں۔

اسی طرح عمومی تفریحات پر صالحانہ پابندیوں کی وجہ سے پاکستان کے ثقافتی افق کو اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالنا پڑا۔ بصری فنون کے علاوہ قرآن میں شعراء کو ناپسند کیا گیا ہے۔ وزیر اطلاعات محمود اعظم فاروقی کے بقول ناچ ہندو ثقافت کا جز ہے اور اسی لئے ناپسند ہے۔ سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ اسلامی نظام کے نتیجے میں فوجی کارروائی ایسی صورتحال پیدا کر سکتی ہے جیسی کہ ایران کی ہے جہاں کہ اسلامی قانون کی تشریح اور سزاؤں کا تعین ان کے انقلابی جوش کے

www.bhutto.org

اتار چڑھاؤ کا تابع ہے۔ضیاء نے کہا کہ ’’اسلام ایسا مذہب ہے جسے مغرب میں انتہائی غلط طور پر سمجھا گیا ہے۔ یہ رحم دل مذہب ہے اسلام ہمیں سکھاتا ہے کہ رحمدل اور منصف بنیں،اسلام مجرموں کے لئے مثالی سزائیں ضرور تجویز کرتا ہے لیکن ضروری نہیں ہے آپ ہر وقت ڈنڈا کھاتے رہیں۔اکثر اوقات انگلیوں پر ہلکی سی ضرب ہی کافی ہوتی ہے۔‘‘ لیکن ایرانی مثال کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو انگلیوں پر ہلکی سی ضرب بہت درد آور کہیں کہیں ہے۔

لیکن ضیاء کی حکومت کو صرف مذہبی نفرتوں سے ہی خطرہ لاحق نہیں ہے۔ سیاسی منافشات کا بدترین شکار پاکستان کی اقتصادی ترقی رہی ہے۔ وہ ملک جسے اب یہ منفرد امتیاز حاصل ہے کہ وہ اوسطاً ہر 30 ماہ بعد اپنے سربراہ مملکت کو ہٹا دیتا ہے۔ وہ پچھلے 10 سال سے زیادہ عرصے سے ایک مستحکم ترقیاتی حکمت عملی سے محروم رہا ہے۔فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کے دور حکومت (1958-1969) کو اکثر ماہرین اقتصادیات پاکستان کی معیشت کا سنہری دور قرار دیتے ہیں۔ اس کے بعد سے معیشت بھاری غیر ملکی قرضوں، ناموافق تجارتی توازن، بڑھتی ہوئی بے روزگاری، افراط زر اور لازمی اشیاء ضرورت کی فراہمی میں بڑھتی ہوئی کمی کے دلدل میں گھری ہوئی ہے۔

20 برس بعد بھی 1977 میں پاکستان کی فی کس کم از کم آمدنی تیسری دنیا میں سب سے کم آمدنی والے ممالک میں دوسرے نمبر پر تھی۔ یعنی ۱۱۰ ڈالر (880 روپے) اس کے مقابلے میں ہندوستان کی آمدنی 180 ڈالر (1440 روپے) اور سرکاری لنکا کی آمدنی 240 ڈالر (1920 روپے) تھی 90 فیصد سے زیادہ پاکستان آبادی کی روزانہ آمدنی ایک روپے سے کچھ ہی زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ ترقیاتی سرگرمیوں پر خرچ ہونے والے ہر ایک سو (100) پاکستانی روپوں میں 82 روپے غیر ملکی امداد کے ہوتے ہیں۔

29 جون 1978 کو اپنی پہلی بجٹ تقریر میں جنرل ضیاء الحق نے کہا ’’قومی خوشحالی اور عوامی فلاح کے بلند بانگ دعوؤں سے قطع نظر معیشت کی حقیقی صورتحال بہت پریشان کن تھی۔ پیداواری ترقی میں جمود تھا۔ کسی طرح کوئی مالیاتی نظم ضبط نہیں تھا۔ معیشت پریشان کن افراط زر

www.bhutto.org

کے دباؤ کی گرفت میں تھی۔ بلاشبہ بھٹو کا دور اقتصادی تباہی کا دور تھا جب کہ پاکستان کا قرضوں پر انحصار 71-1970 میں 5444 ملین ڈالر (4355) کروڑ روپے سے بڑھ کر 1977 میں 9850 ملین ڈالر (7880 کروڑ روپے) کی نئی بلندی تک پہنچ گیا تھا۔ نیز یہ کہ ان کی حکومت کے آخر 4 برسوں میں غیر ملکی امداد میں 400 فیصد کا حیرت انگیز اضافہ ہوا۔ جو 1973 کی 3 ارب 35 کروڑ 70 لاکھ سے بڑھ کر 13 ارب 90 کروڑ 20 لاکھ ہوگئی۔

بھٹو کے دور کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ دفاع پر بے پناہ خرچ کیا گیا جس کی وجہ سے پہلے ہی کمیاب وسائل کا صفایا ہوگیا۔ دفاع پر خرچ جو 1971 میں 13 ارب 20 کروڑ روپے تھے 1977 میں بڑھ کر ۷ ارب 8 کروڑ 70 لاکھ روپے ہوگیا جو فوجی محصولاتی بجٹ کا تقریباً 60 فیصد تھا اور اسرائیل کے بعد دنیا کا سب سے بڑا دفاعی بجٹ تھا۔

ضیاء جنہیں ایسے زبردست مسائل کا سامنا تھا۔ انہوں نے صورتحال کو تبدیل کرنے کے لئے کچھ نہیں کیا۔ سوائے اس کے کہ اسلام کے بارے میں تقدس آمیز اعلانات کرتے رہیں۔ ان کی حکومت پاکستان کی معیشت کے امراض کا علاج کرنے کا کوئی منصوبہ نہیں رکھتی۔ انہوں نے حال ہی میں قنوطیت پسندانہ انداز میں کہا ''پرانے اور شدید اقتصادی امراض کا فوری علاج نہیں ہوسکتا۔ پرانی معاشی بیماریاں پرانے تپ دق کی طرح ہیں۔''

ان کی تجویز یہ ہے کہ وہ ان بیماریوں کا علاج ہمت، عزم اور اسلامی اقدار سے کرنا چاہتے ہیں قربانیوں کی متقاضی ہیں۔

قرآن کے کٹر پیروؤں کی خواہش کے برعکس انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ تین سال میں سود کا خاتمہ کردیں گے۔ انہوں نے زکواۃ (دولت ٹیکس) اور عشر، زرعی پیداوار پر حکومت کا ٹیکس وصول کرنے کے لئے اقدامات کئے ہیں۔ حکومت کو توقع ہے کہ وہ اس سال جولائی سے ان اسلامی ٹیکسوں کے ذریعے 3 ارب روپے وصول کرے گی لیکن ماہرین اقتصادیات نے جدید معاشرے میں ایسے اقتصادی تصورات کے قابل عمل ہونے کے بارے میں شدید خدشات کا اظہار کیا ہے۔ بیشک پہلے ہی بجیوں میں شدید کمی سے دوچار ہیں لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ

www.bhutto.org

اقتصادیات کی سوجھ بوجھ کے مقابلے میں ضیاء کا اسلامی جذبہ زیادہ قوی ہے۔

ضیاء کہتے ہیں اسلام کی رو سے ہر چیز کا مالک صرف خدا ہے۔ انسان اس کا خلیفہ ہونے کی وجہ سے ان چیزوں کا امین ہے۔ اسلام میں ایک شخص کی آزادیٔ عمل وہاں ختم ہو جاتی جہاں سے وہ دوسروں کو زندہ رہنے کے لئے لازمی چیز روٹی فراہم کئے بغیر ان کے حقوق پر دست درازی جاری رکھے ہوئے ہیں۔

یہ سوال باقی رہتا ہے کہ ضیاء کی ساڑھے سات کروڑ رعایا صرف مذہب کے سہارے کتنے عرصے زندہ رہ سکتی ہے۔ ایک ممتاز پاکستانی ماہر اقتصادیات نے کہا'' بھٹو کے بھوت کو تو چھوڑیئے'' اس ملک کی اقتصادی حقیقتیں آئندہ طویل عرصے تک ہمارا پیچھا کرتی رہیں گی۔''

ہوسکتا ہے کہ پاکستان سیاسی اور اقتصادی اعتبار سے تباہ حال ہو لیکن فوجی اعتبار سے وہ اس سے بہتر حالت میں کبھی نہیں تھا۔ ہندوستان کے ممتاز فوجی ماہرین نے 1971 پاک، ہند جنگ کے بعد کہا تھا کہ'' پاکستان ختم ہو چکا۔'' اور بظاہر ایسا کہنے کا جواز تھا جب بنگلہ دیش ایک آزاد قوم بن گیا تو پاکستان اپنی مجموعی قومی پیداوار کی ایک تہائی اور اپنی زرمبادلہ کی آدھی کمائی سے محروم ہوگیا ہے۔ لیکن ثابت ہوگیا کہ ماہرین غلطی پر تھے۔ اس کے بعد سے ہر سال ہندوستان کے چیف آف اسٹاف مجبور ہوتے رہے ہیں کہ مزید ڈویژنوں۔ مزید لڑاکا طیاروں اور مزید جہازوں کے لئے درخواستیں کریں تاکہ ہندوستان پاکستان کی بڑھتی ہوئی طاقت سے برابری کر سکے۔ ہندوستان کے ماہرین سراغ رسانی کے لئے سوال یہ نہیں ہے کہ آیا پاکستان مزید فوجیں کھڑی کر سکتا ہے یا نہیں بلکہ یہ کہ نئی فوجوں کو وہ کہاں رکھتا ہے۔

پاکستان ہندوستان کے 3.5 فیصد کے مقابلے میں اپنی مجموعی قومی پیداوار کا ۷ فیصد دفاعی اخراجات پر صرف کرتا ہے چونکہ ساڑھے سات کروڑ کی آبادی والے ملک کے لئے افرادی قوت ایک مسئلہ نہیں ہے مسئلہ صرف یہ ہے کہ اسلحہ آسانی کے ساتھ کہاں سے حاصل ہو سکتا ہے۔ چین پاکستان کے لئے سب سے بڑا فیض رساں ہے اور اس میں اضافہ ہوتا رہا ہے۔ پاکستان کی جستجو کے عرب مرکز بن گئے ہیں۔ اس کے بدلے میں 9 عرب ممالک میں 9 ہزار سے زیادہ

پاکستانی فوجی ملازمت کررہے ہیں۔ پاکستان ان سے یا تو نقد رقم حاصل کرنا یا ان کے اسلحہ کے ذخیرہ میں غوطہ لگاتا ہے۔

لیکن ضیاء کے لئے بڑا خطرہ باہر سے نہیں ملک کے اندر ہے۔ اگر انہیں اپنی بقاء کے لئے جلاد کے پھندے کو استعمال کرنا پڑا ہے تو ان کا یہ اعلان کہ وہ انتخابات جن کا طویل عرصے سے انتظار کیا جارہا ہے۔ 17 نومبر کو منعقد ہوں گے۔ اسی سمت میں ایک جوا ہے، پچھلے اگست میں جب فوجی جنتا نے مولانا مفتی محمود کے پاکستان نیشنل الائنس۔ دائیں بازو کی 9 جماعتوں کے ڈھیلے ڈھالے اتحاد پر مبنی وہ گروہ جو نظام مصطفیٰ کی وکالت کرتا رہا ہے۔ کو برچایا کہ وہ کابینہ میں شامل ہوتا کہ اسے غیر فوجی نمائندگی کی عزت حاصل ہو تو پی این اے نے ضیاء سے اپنے حصہ کا ایک پاؤنڈ گوشت وصول کرلیا۔ ۵ شرائط میں سے ایک یہ معاہدہ تھا کہ ضیا ۴ ا ماہ کے اندر انتخابات کرائیں گے ضیاء نے دو ہفتے کی حد تک اکتوبر کی حد پار کرلی ہے لیکن علامات یہ ہیں کہ وہ اپنا وعدہ پورا کریں گے اور اس پر قائم رہنا خود ان کے اپنے مفاد میں ہوگا۔

بھٹو کو پھانسی دے کر ضیاء نے اس واحد عذر کا خاتمہ کردیا ہے جو جنرلوں کے زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں رکھنے کے لئے ان کے پاس تھا۔ وہ دنیا کو یہ دکھانے کے قابل ہوسکیں گے کہ بھٹو جمہوری پاکستان کے گوشت میں ایک کانٹا تھے لیکن حالات اور ضیاء اتنے سادہ نہیں ہیں جتنے کہ نظر آتے ہیں۔ اب انہوں نے ۲۲ ماہ تک اقتدار کا مزہ چکھ لیا ہے اور اسلام آباد میں سیاسی مبصر اعتماد کے ساتھ کہتے ہیں کہ وہ بھی وہی کچھ کرسکتے ہیں جو بنگلہ دیش میں ان کے ہم نام نے کیا ہے یعنی خود کو صدر منتخب کرالیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اس عقیدت پر انحصار کررہے ہوں کہ اکثر سیاسی جماعتیں ایسے لوگوں کا پچرنگی مجموعہ ہیں نہ تو جن کا کوئی واضح نظریہ ہے نہ ہی انہیں عام لوگوں کی حمایت حاصل ہے وہ جماعتیں یہ ہیں۔

پاکستان نیشنل الائنس (پی این اے) کئی مختلف گروہوں کا ملغوبہ ہے جس کے قائد مولانا مفتی محمود ہیں۔ یہ ایک دائیں بازو کی مذہبی جماعت ہے جو نظام اسلام میں یقین رکھتی ہے اس کے نمایاں گروہوں میں مسلم لیگ کے تین دھڑے اور جماعت اسلامی کے 2 دھڑے شامل

www.bhutto.org

ہیں۔ فی الوقت وہ ضیاء کے ساتھ شریک اقتدار ہے اور شاید جب ضیاء چاہیں یہ اپنی دم ہلائے گی۔

پاکستان پیپلز پارٹی پچھلے دنوں میں جس کے قائد بھٹو تھے۔ اب اس کا کوئی رہنما نہیں ہے کیونکہ بھٹو کے کٹر حامیوں کی اکثریت جیلوں میں ہے۔ ممتاز بھٹو اور عبدالحفیظ پیرزادہ وہ دو رہنما ہیں جو اب بھی آزاد ہیں۔ جھکے ہوئے ہیں۔ بھٹو کی بیوہ نصرت اور بیٹی بے نظیر گھر میں نظر بند ہیں۔ اگر بھٹو کا دوشالہ بیٹی کو مل جاتا ہے تو خوبصورت اور ذہین بے نظیر پی این اے کے لئے زبردست دشمن ثابت ہو سکتی ہیں۔

نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی (این ڈی پی) کے قائد ولی خان ہیں۔ بھٹو کے جانے کے بعد خان اقتدار کے لئے جست لگا سکتے ہیں۔ یہ دیکھنا باقی ہے کہ آیا وہ کافی حمایت حاصل کر لیتے ہیں یا نہیں۔

انتخابات ہوں یا نہ ہوں چار باتیں یقینی ہیں کہ ضیاء بھٹو کو پھانسی چڑھانے کے طوفان پر قابو پا چکے ہیں کہ فوج آئندہ کچھ عرصے کے لئے اقتدار کی مشین اپنی گرفت میں رکھے گی۔ اسلامی بنانے کا عمل نہیں رکے گا اور پاکستان عدم استحکام کے ایک طویل دور میں آ گیا ہے۔

(16-30 اپریل 1979)

www.bhutto.org

بھٹو کی پھانسی کے وقت پاکستان سورہا تھا

(پندرہ روزہ انڈیا ٹوڈے)

بھٹو کی پھانسی میں ایک کامیاب اور خفیہ ملٹری آپریشن کی تمام تر علامات پائی جاتی ہیں۔ پھانسی سے ایک دن قبل بھٹو سے ان کی اہلیہ نصرت اور بیٹی بینظیر نے آنسوؤں سے لبریز دو گھنٹے کی ملاقات کی تھی۔ بتایا جاتا ہے کہ بھٹو نے انہیں روتا دیکھ کر فرمائش کی اور کہا ''بے وقوف نہ بنو، وہ مجھے پھانسی نہیں دے سکتے۔ یہ سب کچھ ایک تماشہ ہے'' حتیٰ کہ جب کہ ۴ اپریل بروز بدھ اور پاکستانی وقت کے مطابق ڈیڑھ بجے رات کو جیل کے نگران عملے نے بھٹو کو نیند سے بیدار کیا تو وہ ان لوگوں کی موجودگی کی اہمیت کا اندازہ بھی نہیں لگا سکے انہوں نے جیل کے عملے سے کہا ''برائے مہربانی مجھے سونے دیجئے۔'' لیکن جب محافظوں نے انہیں پھانسی کا وارنٹ دکھایا تو انہوں نے دھیمی آواز میں کہا ''مالک مدد...... میں بے گناہ ہوں'' جیل کے محافظوں نے انہیں نہلایا شیو بنائی۔ اور مدھم زرد رنگ کی شلوار قمیض پہنا دی۔ پھر محافظ ان کے دائیں بائیں کھڑے ہو گئے اور انہیں جیل کے احاطے میں بنے ہوئے پھانسی گھاٹ لے گئے جہاں پاکستانی عیسائی اور پیشہ ور جلاد تارا مسیح، سپرنٹنڈنٹ جیل چوہدری یار محمد، ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سید مہدی، مجسٹریٹ درجہ اول بشیر احمد خان اور سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس (راولپنڈی) جہاں زیب برکی ان کے منتظر تھے۔ علاوہ ازیں میڈیکل آفیسر اصغر حسین بھی موجود تھا، جسے بھٹو کا معائنہ کر کے ''پھانسی کے لئے فٹ ہے۔'' کا سرٹیفکیٹ دینا تھا۔

www.bhutto.org

منظّم منصوبہ

یہ سرد اور تاریک رات تھی۔ چاند ڈوبا ہوا تھا۔ اس سے قبل بارش بھی ہو چکی تھی۔ اور ''دی ٹائمز آف انڈیا'' کے قول کے مطابق ''احمقانہ کارنامہ'' چند منٹوں میں ختم ہو گیا۔ جیل میں پہرہ بہت سخت تھا اندر فوج موجود تھی اور باہر پولیس متعین تھی۔ پھانسی کے پھندے سے بھٹو کی لاش نکالی گئی اور اسٹریچر پر رکھ کر ایک فوجی ٹرک میں رکھ دی گئی اور یہ ٹرک (جیل کے) گیٹ 3 سے راولپنڈی کے باہر واقع ہوائی اڈے کی طرف روانہ ہو گیا۔ جہاں سے مقامی وقت کے مطابق تین بج کر نومنٹ پر پاکستان ایئر فورس کا میڈیم رینج ملٹری ٹرانسپورٹ طیارہ ''سی۔130 ایچ لاک ہیڈ'' میت لے کر بھٹو خاندان کے ارکان سے طے شدہ مقام کی طرف پرواز کر گیا۔ صبح کے ابتدائی گھنٹوں میں ہی (بھٹو) خاندان کو ٹیلی فون پر ہدایت کی جا چکی تھی کہ وہ سکھر (سندھ) کے ہوائی اڈے پر منتظر رہیں۔ کیونکہ وہاں سے میت کو بذریعہ طیارہ بھٹو خاندان کے آبائی قبرستان گڑھی خدا بخش نزد نوڈیرو۔ لاڑکانہ لے جانا تھا۔

خفیہ

بھٹو کو ان کے والد سر شاہنواز بھٹو کی قبر کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ تدفین کے وقت بھٹو کے دو چچا، نبی بخش اور سردار پیر بخش اور بھٹو کی پہلی اہلیہ شیریں امیر بیگم موجود تھے، جب کہ بھٹو کی دوسری اہلیہ اور بیٹی بے نظیر نظر بند تھیں اور انہیں تدفین کی تقریب میں شمولیت کی اجازت نہیں دی گئی تھی، اسی دن بارہ بج کے دس منٹ پر 331 الفاظ پر مشتمل ایک سرکاری پریس ریلیز جاری کیا گیا جس میں دعویٰ کیا گیا کہ تدفین کی تمام کارروائیاں خاندان کی خواہشات کے مطابق کی گئیں (اس پر تبصرہ کرتے ہوئے) اسلام آباد میں ایک خاتون نے کہا ''مجھے کسی ایک ایسی عورت کا نام بتاؤ، جو اپنے مردہ شوہر کا آخری دیدار کو ناپسند نہ کرتی ہو...... جھوٹا ہے۔ انہوں نیا سے مار دیا اور جلدی میں دفن کر دیا گیا۔ اگر وہ قانون کے مطابق عمل کر رہے تھے تو تمام رشتے داروں کو موجود رہنے کی اجازت کیوں نہیں دی گئی؟ تدفین کے لئے اس کی میت اس کے خاندان کے

www.bhutto.org

حوالے کیوں نہیں کی گئی؟ ضیاء سخت خوفزدہ ہے۔''

جب بھٹو کو دفن کیا گیا اس وقت پاکستان سو رہا تھا۔ قوم کو پھانسی کی پہلی اطلاع آل انڈیا ریڈیو سے ملی، جس نے ۸ بجے صبح کے خبرنامے میں (پھانسی کی) خبر نشر کی۔ آل انڈیا ریڈیو نے یہ خبر مغربی خبر رساں اداروں رائٹر، اے پی پی اور اے ایف پی کے حوالے سے دی تھی۔ جب کہ ان خبر رساں اداروں نے کراچی اور راولپنڈی سے بیک وقت شائع ہونے والے اردو کے کثیر الاشاعت اخبار ''جنگ'' کے حوالے سے خبر کر دی تھی۔ اس اخبار کے 45 سالہ سینئر رپورٹر سرور علی کنول نے اس واقعے کی اطلاع اخبار کے ۳۲ سالہ مینیجنگ ڈائریکٹر میر جاوید الرحمٰن کو دی لیکن اس احتیاط کے مدنظر کہ رپورٹر کی اطلاع شاید درست نہ ہو۔ اخبار کی طباعت پھانسی کے کچھ وقفے کے بعد شروع کی گئی لیکن اگلے روز بھٹو کے حامیوں نے جنگ کے دفتر کو آگ لگا دی، جس سے پانچ لاکھ روپے کی مالیت کا نقصان ہوا، رحمٰن نے بتایا ''نماز جنازہ کے بعد ہجوم سیدھا یہاں آیا۔ اور آگ لگا دی۔ اسٹور میں رکھا ہوا نیوز پرنٹ اور کیمیکل مکمل طور پر تباہ ہو گئے۔''

(16-30 اپریل 1979)

www.bhutto.org

سفاکانہ عدالتی قتل

(دی سنڈے ٹیلیگراف)

ذوالفقار علی بھٹو کے مقدمے کی کارروائی برسوں طویل قید اور پھانسی ایک ایسا معاملہ بن گئے ہیں کہ وسیع پیانے پر ناپسندیدگی اور احتجاج ناگزیر تھا لیکن اب جبکہ پاکستان کے سابق وزیراعظم (انہیں پھانسی چڑھانے والوں کے نزدیک ایک عام مجرم اور ان کے علاوہ تقریباً ہر شخص کی نظر میں ایک سیاسی شہید) کی لاش ان کے اپنے صوبہ سندھ میں ان کے آبائی قبرستان میں دفن ہے تو سب سے پہلے یہ سوال پوچھے جانے کے لائق ہے کہ ان کی جان بچانے کی تحریک عالمی سطح پر کیوں چلی؟

مشرق اور مغرب، اعتدال پسند اور انتہا پسند، عرب، ہندو اور عیسائی گورے، بھورے، زرد اور کالے، ان تمام کیمپوں اور برادریوں اور عقیدوں سے تعلق رکھنے والے سیاسی رہنماؤں نے مہینوں تک پاکستان کے آمر جنرل ضیاء الحق کو آمادہ کرنے کی ناکام کوشش کی کہ اس شخص کی جان بخش دیں جو ایک پرشکوہ حریف تھا اور انہوں نے جس کی حکومت کا تختہ تقریباً ۲ سال قبل الٹا تھا۔ ایسا شاید ہی کبھی ہوا ہے کہ ایسے چند لوگوں کے انبوہ نے کسی بات کو اپنا مشترکہ مقصد بنایا ہو اس کی کیا وجہ ہے؟

ایک وجہ تو یقیناً یہ تھی کہ رحم کی ان اپیلوں پر دستخط کرنے والوں کی نظر میں بھٹو انہی میں سے ایک تھا جو چاہے اس کی غلطیاں اور زیادتیاں کچھ بھی رہی ہوں، تاریخ میں اپنے لئے

www.bhutto.org

ایک مقام بنا چکا تھا۔

دولت مشترکہ کے طول وعرض میں انہیں ۷ سال قبل علیحدگی ہو جانے تک اس تنظیم کی سب سے زیادہ درخشاں شخصیت کی حیثیت سے یاد کیا جاتا ہے۔ برطانیہ اور امریکہ جیسے ممالک کے نزدیک آکسفورڈ اور برکلے کا یہ شائستہ گویجویٹ مغربی تعلیم اور بے نقص مسلم تربیت کے اتصال کا اختصار تھا۔ اسی مسلم پس منظر کی وجہ سے ساری عرب دنیا نے ان کے مسئلے کو اٹھایا اور نہ صرف یہ کہ سعودی عرب کے قدامت پسند شاہ خالد نے یہ مسئلہ اٹھایا بلکہ پی ایل او کے رہنما یاسر عرفات جیسے انقلابی رہنماؤں، جو خود اپنے نصب العین کے لئے سیاسی قتل میں پیچھے رہنے والے نہیں۔ انہوں نے بھی اس مسئلے کو اٹھایا۔ انسانیت پسند رئیس بھٹو نے اقتدار میں آنے کے بعد جو مقبول عام راستہ اختیار کیا، اسے تیسری دنیا اور کیمونسٹوں دونوں نے پسند کیا تھا جس کے نتیجے میں مسٹر برزنیف بھی جان بخشی کے لئے آواز بلند کرنے والوں میں شامل ہو گئے۔

مختصر یہ کہ بھٹو ایک منفرد شاہ کار تھے۔ مشہور اور ان کے حق میں مداخلت کرنے والوں کے ذاتی واقف ان سے 48 گھنٹوں بعد پرٹیوریا میں پھانسی چڑھائے جانے والے غریب افریقی گوریلے سولومن مہالنگا کے معاملے میں برعکس صورتحال صاف نظر آتی ہے۔ پچھلے ۲ سال سے جنوبی افریقہ فی ہفتہ ایک سے زائد کی شرح سے ایسے لوگوں کو پھانسی چڑھا رہا ہے۔

پھر مسٹر بھٹو کے طویل ابتلاء کی نوعیت ہے جو بجائے خود اس بات کے لئے کافی تھا کہ اکثر دلوں میں جذبۂ رحم کو بیدار کرے۔ گو کہ یہ سخت گیر، واعظ خود بین زہد فروش جنرل ضیاء کی انگریزی وردی کے نیچے دھڑکنے والی جو بھی شے ہو اس میں جذبۂ رحم بیدار نہیں کر سکا۔ کیونکہ مسٹر بھٹو کی ہلاکت کا موازنہ مثلاً چند ہفتے قبل ایران میں نام نہاد اسلامی انقلابی کونسل کے گولی سے اڑا دینے کے حکم سے لاحاصل ہوگا۔ موت کی یہ سزائیں بڑی حد تک سابقہ خفیہ پولیس کے ٹھگوں یا ان کے فوجی سرپرستوں کو دی گئی تھیں۔ اور ان پر عملدرآمد ان لوگوں کی موجودگی میں یا خود ان کے اپنے ہاتھوں ہوا جنہیں ان لوگوں نے اذیتیں پہنچائی تھیں۔ یہ آنکھ کے بدلے آنکھ قسم کا خون کی گرمی میں فوری انتقام تھا اور گو کہ ایران ٹریبونلوں نے (جنہیں اب قانونی حیثیت دے دی گئی

www.bhutto.org

ہے) مسٹر ہویدار کو جو سابق وزیراعظم تھے اور جنہیں خود شاہ نے گرفتار کیا تھا، موت کے گھاٹ اتارنے کی کارروائی لیکن اس وقت ان کا شکار ہونے والے تمام لوگ ایسے تھے جن کی کوئی نمایاں سیاسی حیثیت نہیں تھی۔

جنرل ضیاء نے جو کچھ کیا وہ اس کے بالکل برعکس ہے، پاکستان کے اس واحد سیاسی رہنما کا سوچا سمجھا سفاقانہ عدالتی قتل، جو ان کی حیثیت کے لئے خطرہ بن سکتا تھا ان کے ان پچھ لگوں پر افسوس ہوتا ہے کہ جو بیرونی دنیا کو اب یہ یقین دلانے کی کوشش کررہے ہیں کہ ذوالفقارعلی بھٹو کو پھانسی دینے میں کوئی سیاسی مقصد قطعاً نہیں تھا۔ راولپنڈی میں اعلیٰ سرکاری حکام نے جو اپنا نام ظاہر کرنا نہیں چاہتے، غیر ملکی اخباری نمائندوں کے سامنے گزشتہ ہفتوں کے دوران تبصرہ کرتے ہوئے اسے جھوٹ قرار دیا۔ ایک نے کہا ''یہ بھٹو کی گردن یا ضیاء کی گردن کا معاملہ ہے۔'' دوسرے نے کہا ''انہین پھانسی دینا ایک خطرہ ہے لیکن انہیں پھانسی نہ دینا ایک تباہی ہے۔ یقیناً ایسے لوگ موجود ہیں جن میں بعض مغرب سے تعلق رکھنے والے افراد بھی شامل ہیں جو جنرل ضیاء کی تعریف کریں گے اور اس کمزور دلیل کی بناء پر ان کی مخلصانہ بے رحمی کا دفاع بھی کریں گے کہ آج دنیا کو جس چیز کی ضرورت ہے وہ ''مردان آہن'' ہیں۔ یہی طریقہ ہے جس پر چل کر دنیا نے اڈولف ہٹلر حاصل کیا تھا۔

اس تمام گھناؤنے معاملے میں جو بات خاص طور پر میرے گلے میں پھنستی ہے یہ ہے کہ کس طرح کارروائی کا پورا ڈھانچہ ان برطانوی قانونی روایات کے مطابق رہا ہے جو راج نے اپنے پیچھے چھوڑی تھیں۔ گو کہ جب بھی توڑ جوڑ کرنے والوں کے لئے سازگار رہا مقامی طاقتوں نے اس ڈھانچے کو اس انداز میں توڑا مروڑا جو اس کے لئے قطعی نامانوس تھا۔ اس طرح وہ ہائی کورٹ جس نے سزائے موت کا اصل فیصلہ سنایا تھا (جس کی بنیاد ان لوگوں کی مشکوک گواہی پر تھی جو ''سلطانی گواہ'' بن گئے تھے) وہ پورے کا پورا سیاہ عباؤں میں ملبوس تھا۔ عدالت میں موجود وکلاء بھی اور بنچ پر موجود ''یور لارڈشپز'' بھی مگر ملزم کے خلاف بھاری بھرکم دریافتوں میں سے ایک دریافت یہ تھی کہ وہ ''ایک مسلمان نہیں رہا تھا۔''

جب مقدمہ سپریم کورٹ برائے اپیل پہنچا تو فیصلہ دینے والے ساتوں لارڈ شپز اسی انداز میں قبائلی بنیادوں پر بٹ گئے تھے جس طرح مبینہ طور پر قانونی بنیادوں پر بٹے تھے۔ چار جنہوں نے سزا کو بحال رکھا ان کا تعلق پنجاب سے تھا جو جنرل ضیاء کے ملٹری کیمپ کا مضبوط گڑھ ہے (اس نکتے کو اور زیادہ دردناکی کے ساتھ ذہن نشین کرانے کے لئے بھٹو کے آبائی گاؤں میں ان کی حمایت میں آواز بلند کرنے والے 3 افراد کو جنرل ضیاء کی نئی اسلامی تعزیرات کے تحت قابل اعتراض نعرے لگانے پر" کوڑے لگائے گئے) مجنونانہ طریقے پر استعمال کئے جانے کی وجہ سے اسلام اور اولڈ بیلی دونوں مسخ ہو گئے ہیں۔

اب پاکستان اور جنرل ضیاء دونوں کے لئے صورت حال گمبھیر ہے کیونکہ پھانسی دینا فاش غلطی اور ساتھ ہی ساتھ جرم بھی تھا۔ ایک کہاوت ہے کہ جنگ کے میدانوں پر گھاس اگ سکتی ہے لیکن سولی پر کبھی نہیں اگ سکتی اور یقیناً اس کا سب سے زیادہ اطلاق سیاسی سولی پر ہوتا ہے۔ پاکستان پہلے ہی بلوچستان اور صوبہ سرحد میں علیحدگی پسندی کی مشکلات سے دوچار تھا۔ اب بھٹو کے آبائی صوبے سندھ کو بھی مخالفت کے سلگتے ہوئے مرکز کے طور پر شامل کیا جانا چاہئے۔ ان کی اپنی جماعت پاکستان پیپلز پارٹی کا نشان تلوار تھا۔ اب اس کا سایہ ملک پر منڈلا رہا ہے۔ بیرونی دنیا کے لئے اس کا مطلب یہ ہے کہ پاکستان افغانستان اور ایران کے ساتھ شامل ہو کر روس کی جنوبی سرحدوں کے ساتھ ساتھ عدم استحکام اور ترغیب کا ایک عظیم قوس بنا رہا ہے۔

ایک آخری بات یہاں برطانیہ میں لبرل پارٹی کے سابق رہنما مسٹر تھروپ ایک انتہائی سنگین الزام کے تحت جج کے سامنے جلد ہی پیش ہوں گے لیکن ان کے خلاف مقدمہ علی الاعلان ملتوی کر دیا گیا تاکہ نہ تو انہیں اور نہ ان کی جماعت کو عنقریب ہونے والے عام انتخابات میں کسی ایسی مشکل میں مبتلا ہونا پڑے جس سے بچایا جا سکتا ہے ہو۔ یہ تضاد ہے جو برطانوی انصاف پر تا حال چھائے ہوئے منصفانہ طرز عمل کے مفہوم اور پاکستان میں اس کی خلاف ورزی میں ہونے والے نامنصفانہ طرز عمل سے خارج ہونے والی بدبو کے درمیان پایا جاتا ہے۔

(18 اپریل 1979)

www.bhutto.org

ضیاء نے خود اپنے کہے سے پھر جانے کی بنا پر خجالت آمیز شہرت حاصل کی ہے

(دی آبزرور، لندن)

کم از کم ایک معاملے میں ضیاء الحق سچے تھے وہ معاملہ بھٹو کی پھانسی تھا۔ آخر میں انہوں نے وہی کیا جو کہا تھا۔ قانون کو اپنے راستے پر چلنے کی اجازت دینا۔

قانون اور سزا کے بارے میں اپنے سخت اور غیر مفاہمانہ رویے کے بارے میں اور خود اپنے بارے میں اس خیال سے کہ وہ ایسے اسلامی اصلاح کار ہیں جنہیں قوم کو ناپاک عناصر سے پاک کرنا ہے، کبھی ٹس سے مس نہیں ہوئے۔

اس سے بڑی حد تک اس حقیقت کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ ۲۱ ماہ قبل فوجی بغاوت کے وقت سے اب تک پاکستان میں ۳۰۰ افراد کو پھانسی دی گئی ہے، ہزاروں افراد کو کوڑے مارے گئے ہیں جن میں سے بعض موت کے منہ تک پہنچ گئے کسی ایک موقع پر بھی ضیاء نے رحم کی اپیل منظور کرنے کا اپنا اختیار استعمال نہیں کیا۔

پھر بھی اسلام آباد کے سفارتی کام ٹیل سرکٹ کی حفاظتی دیواروں کے پیچھے لوگ ایسی باتیں کہنے کی جرات کرتے ہیں۔ سی ایم ایل اے کے مخفف کسی شے کی نشاندہی کرتے ہیں اس کے بارے میں ان کی اپنی رائے ہے ان کا مطلب چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نہیں بلکہ کینسل مائی لاسٹ آرڈر (اپنا آخری حکم منسوخ کرتا ہوں) ہے۔

www.bhutto.org

ایک ایسے شخص کی حیثیت سے جو بقول خود پاکستانی سیاستدانوں کی جھوٹی سرگرمیوں کی جگہ خوش معاملہ کی متعارف کرانے کے لئے برسر اقتدار آیا تھا۔ ضیاء نے خود اپنے کہے سے پھر جانے کی بناء پر خجالت آمیز شہرت حاصل کی ہے۔

فوجی بغاوت کے بعد اپنے پہلے نشریئے میں یہ پختہ یقین دہانی کرائی تھی کہ وہ اسی سال انتخابات کرائیں گے اور واپس اپنے بیرک میں چلے جائیں گے۔ انہوں نے کہا تھا کہ ''میں یہاں 90 دن کے لئے ہوں اور اس میں سے چھ گزر چکے ہیں۔''

یہ جولائی 1977 کی بات ہے اور ضیاء نے اس وعدے کو اتنی ہی قطعیت کے ساتھ کئی بار دہرایا ہے۔

پھر ستمبر 1977 میں انہوں نے اعلان کیا کہ ان کا صدر بننے کا کوئی ارادہ نہیں ہے اس کے ٹھیک ایک سال بعد وہ صدر بن گئے۔

ضیاء کے اس مخمصے کی وضاحت یہ ہے کہ انہوں نے ابھی تک ان سنگین مسائل کا کوئی حل پیش نہیں کیا ہے جن کا پاکستان کو سامنا ہے۔ ان کے لئے صرف یہی راہ عمل ہے کہ وہ سزاؤں کے زیادہ سے زیادہ سخت طریقے متعارف کرائیں۔

ضیاء اپنے چکنے کنگھی کئے ہوئے سیاہ بالوں، ترشی ہوئی مونچھوں، اونچے کالر والی تقریباتی وردی، جو وہ اس وقت بھی پہنے رہتے ہیں جبکہ موقع محل اس کا متقاضی نہیں ہوتا اور جو انہیں مجبور کرتی ہے کہ تنی گردن والا رویہ اختیار کریں۔ ان سب چیزوں کے ساتھ وہ سخت قسم کی خود ضابطگی کا مجسمہ نظر آتے ہیں۔ آنکھوں کے نیچے سیاہ بالوں کی وجہ سے آنکھوں کے حلقوں کی گہرائی بڑھ جاتی ہے اور آپ اگر انہیں روشنی کی مخالف سمت میں دیکھیں تو آپ کو سیاہ غیر شخصی گڑھے نظر آئیں گے۔

بھٹو کے معاملے میں سزائے موت کو برقرار رکھنے کے سلسلے میں ضیاء کے پاس اضافی سبب تھا۔ مسٹر بھٹو ایک کوہ قامت دانشور تھے۔ ضیاء ایک کوتاہ قد دانشور ہیں۔ بھٹو بے پناہ سحر کار تھے۔ عوام میں اور پارٹی کی تنظیموں میں وسیع حمایت رکھتے جوان سے وفادار رہی۔ وہ زندہ جیل

www.bhutto.org

میں رہتے یا جلاوطنی میں۔ وہ ضیاء کی فوجی حکومت کی مخالفت کے لئے ایک مرکزی نکتہ رہتے۔

دوسری طرف ضیاء کو مسلح افواج سے باہر مقبولیت حاصل نہیں تھی اور جماعت اسلامی سے کسی حد تک ڈھیلے ڈھالے رابطے کے علاوہ سیاسی طاقت کی کوئی بنیاد نہیں رکھتے، جماعت انتہائی دائیں بازو کی حمایت ہے اور اسے انتخابات میں کبھی کامیابی حاصل نہیں ہوئی اس لئے ضروری تھا کہ بھٹو کو مار دیا جاتا۔

ضیاء کو واقعی دھچکا لگا تھا۔ جب انہوں نے اقتدار پر قبضے کے بعد کتابیں دیکھیں اور مسٹر بھٹو کو ناپسندیدہ سرگرمیوں کی وسعت کا پتہ چلایا۔ ضیاء کا خود اپنے آپ تردید کرنے کا رجحان اس بات کی علامت ہے کہ وہ ایسے شخص ہیں جس نے خود ان کے اپنے الفاظ میں 22 برس تک فوجوں کی کام کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں کیا اور اب تک ایک جدید ریاست کو چلانے کی کوشش میں گہرائی سے دور ہیں۔

پھر بھی غضب آلود تعزیرات، جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہوگا کسی متضاد ذہن کی نمائندگی نہیں کرتیں بلکہ ایک انتہا پسند مذہبی ذہن کی نمائندگی کرتی ہیں جس کی بصیرت محدود ہے۔

ضیاء کی شخصیت کی کلید ان کی اسلام سے عقیدت ہے ان سے پہلے گزرنے والے کئی انتہا پسندوں کی طرح، ذہن میں کرومویلی کا نام آتا ہے اس نے بھی اخلاقیات کو مسلط کرنے کے لئے مسلح افواج کو استعمال کیا تھا۔ وہ ایسے اقدامات پر قادر ہیں جو کسی دوسرے زیادہ دنیادار حکمران کی نظر میں وحشیانہ ہوں۔

وہ اصرار کرتے ہیں کہ اسلام ایک فیض رساں مذہب ہے اور یہ کہ قرآنی سزائیں اس لئے بندوبست کا صرف آدھا حصہ ہیں جس میں زکواۃ کو رواج دینا بھی شامل ہے۔ جو ایک فلاحی ٹیکس ہے جس کا مقصد غربت کو ختم کرنا اور جرم کی ضرورت کو ختم کرنا ہے۔

ضیاء ایک مظہر بھی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ایک شخصیت بھی، نئے پرجوش اسلام کے ایک حقیقی نمائندے وہ اس خود اعتمادی کے عکاس ہیں جو سعودی عرب سے پھوٹتی ہے انہوں نے مذہبی جوش وخروش اپنے والدین سے پایا ہے۔ ان کے والد جو انڈین سول سروس میں سینئر

www.bhutto.org

کلرک تھے، اور ملٹری آڈٹ سے تعلق رکھتے تھے۔ خوش عقیدہ مسلمان تھے اور پانچوں وقت کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ ضیاء شیعوں کے اس مصالحانہ رویے پر نہیں چلتے جو پانچ نمازوں کو ضم کر کے تین کر لیتے ہیں۔

ضیاء ایوان صدر راولپنڈی کے قریب دیو بند فرقے کی ایک مسجد میں نماز پڑھتے ہیں۔ دیو بندی سنی مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا فرقہ ہے جو پاکستان سے مخصوص ہے جس کے بارے میں سمجھا جاتا ہے کہ وہ سخت اور اوقات کی پابندی کرنے والا فرقہ ہے۔

ضیاء نے دیو بندیوں سے ''پاکی'' اور ''نظم و ضبط'' جیسے تصورات لئے اور یہی ان کی عوام کے لئے تقریروں کا موضوع ہوتے ہیں۔

ضیاء شمال مغربی ہندوستان میں جالندھر میں پیدا ہوئے۔ جالندھر وہ شہر ہے جہاں کئی ایسے لوگ پیدا ہوئے جو اس وقت پاکستان کی فوجی اور عدلی نظام میں شامل ہیں جن میں چیف جسٹس مسٹر جسٹس ایس انوار الحق اور ضیاء کے قریب ترین شریک کار اور راولپنڈی کے کور کمانڈر جنرل ایف اے چشتی شامل ہیں۔

ان کا خاندان دہلی میں منتقل ہو گیا اور کم عمر ضیاء کو سینٹ اسٹیفن کالج میں داخل کر دیا گیا جو ایسا سکول تھا جس میں اکثریت ہندوستانی طلبا کی تھی اور جہاں ۹ روپے ماہانہ فیس لے کر میٹرک کے مساوی تعلیم دی جاتی ہے۔

شاید وہ اپنے فوجی کیریئر کے لئے دوسری عالمی جنگ کے مرہون منت ہیں جبکہ تیز رفتار فوجی توسیع کی وجہ سے سلیکشن کے طریقے میں تبدیلیاں کرنی پڑی تھیں۔

اس کے بعد 1947 میں ہندوستان کی آزادی کے ساتھ مذہبی ہلاکت خیزی آئی اور ضیاء کا خاندان فرار ہو کر نو دریافت پاکستان پہنچا جو مسلمانوں کے وطن کی حیثیت سے خاص طور پر قائم کیا گیا تھا۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ وہ اعلیٰ ترین ترقی کے لئے خود مسٹر بھٹو کے مرہون منت ہیں جنہوں نے انہیں 8 زیادہ سینئر جنرلوں پر ترجیح دے کر 1976 میں چیف آف دی آرمی اسٹاف مقرر کیا تھا۔

مبصرین کو یاد ہے کہ وہ بہت ہی زیادہ اطاعت شعار سی او ایس تھے وہ مسٹر بھٹو کے حق میں بڑی خوشامدانہ تقریر کرتے تھے، انہیں چومتے تھے، ان سے مصافحہ کرتے تو دونوں ہاتھوں سے کرتے اور ایک موقع پر تو یہ دیکھا گیا کہ جب ایک استقبالیے میں غیر متوقع طور پر بھٹو آ گئے تو انہیں نے جلتا ہوا سگریٹ اپنی جیب میں ڈال لیا تھا۔

فوجی بغاوت کے بعد سے جو دستاویزات سامنے آئی ہیں وہ ظاہر کرتی ہیں کہ ضیاء نے اقتدار پر فوج کے قبضے کے خیال کو بہت دیر سے قبول کیا تھا۔ فوجی بغاوت سے صرف ۲ ماہ قبل تک وہ فوجی افسروں کو خطوط لکھ رہے تھے اور ان پر زور دے رہے تھے کہ سیاست کو سیاستدانوں پر چھوڑ دیں۔

آج وہ اپنے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ ایک نصب العین رکھنے والے آدمی ہیں اور کہتے ہیں کہ انہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک نظر نہ آنے والا ہاتھ ان کی حمایت کر رہا ہے۔

وہ سعودی عرب کے ایک پر جوش مداح ہیں اور کھلی ہوئی ناقص منطق کے ساتھ یہ دلیل دیتے ہیں کہ جو ملک سعودی عرب کی طرح مالدار ملک بننا چاہتا ہے اس کے لئے راستہ یہ ہے کہ وہ سعودی عرب کی طرح مکمل اسلامی نظام نافذ کرے۔

انہوں نے سرکاری دفاتر میں نماز متعارف کرائی ہے اور ہر اعلیٰ حاکم کو ایک نئی جانماز فراہم کی ہے۔ اس سے کئی محکموں کے سربراہوں کو پشیمانی اٹھانی پڑ رہی ہے کیونکہ ان سے توقع یہ کی جاتی ہے کہ وہ نماز میں اپنے ماتحتوں کی امامت کریں گے جب کہ انہیں آیتیں نہیں آتیں۔

ان کے مذہبی عقیدے کی تکمیل کرنے والے ایک فوجی آدمی کا یہ یقین ہے کہ قومی اخلاقی تانے بانے کو بحال کرنے کے لئے جس چیز کی ضرورت ہے، وہ صرف سخت نظم و ضبط کی ایک خوراک ہے۔

ایک موقع پر تو ضیاء نے واقعتاً ٹرینوں کو صحیح وقت پر چلانے کے بارے میں ریلوے ورکرز کو لیکچر دیا۔ وہ دفاتر کا اچانک دورہ کرتے ہیں۔ انہوں نے ایک بار دیکھا کہ ''ہر شے تباہ حال، چائے کے کپ، ایشٹرے اور ٹائپ رائٹر گرد میں اٹے ہوئے ہیں۔

www.bhutto.org

ضیاء کا مسئلہ یہ ہے کہ فوجی مداخلت نے کوئی مسئلہ حل نہیں کیا ہے، انہوں نے 20 ماہ مین نہ تو کسی سیاسی ڈھانچے کی بنیاد رکھی، نہ ہی اقتصادی بحالی کی کوئی علامت پیدا کی۔ اب بھٹو کو پھانسی چڑھانے کے بعد جہاں بھی وہ جائیں گے، انتقام کے بگولے کو اپنا پیچھا کرتا پائیں گے۔

ایک سیاسی مخالف کے قتل کی سازش کے الزام میں سزا پانے والے 51 سالہ سابق وزیراعظم نے پھانسی کے سامنے اپنی بے گناہی کا اصرار کیا۔ انہیں پھانسی دیئے جانے سے 4 روز قبل جب کہ اس بارے میں ابھی شبہات باقی تھے کہ پاکستان کے فوجی حکمران، صدر ضیاء الحق ان کے دفتر میں روزانہ ہزاروں کی تعداد میں ہونے والی ہزاروں اپیلوں کی طرف سے کان بند کرلیں گے۔ بھٹو نے کہا تھا کہ وہ بے داغ ضمیر کے ساتھ اپنے خالق سے ملنے کے لئے تیار ہیں۔

اپنی بے رونق کوٹھری میں بیٹھے ہوئے لاغر ونحیف سابق وزیراعظم نے اپنے اعلیٰ معاونین میں سے ایک عبدالحفیظ پیرزادہ سے کہا تھا کہ ایک خطا پذیر انسان ہونے کی وجہ سے ان سے کئی گناہ سرزد ہوتے ہیں۔ جن کے لئے انہوں نے قادر مطلق سے معافی مانگی ہے لیکن وہ الزام جس کے تحت انہیں سزائے موت دی گئی ان کے گناہوں میں شامل نہیں ہے۔

''جب کہ اس بارے میں میں نے خدا سے بھی معافی نہیں مانگی ہے کیونکہ میں بے گناہ ہوں۔ تو پھر میں کس طرح اس کے ایک بندے سے معافی مانگ سکتا ہوں؟'' انہوں نے کہا۔ اس لئے بھٹو نے اس آدمی سے جسے انہوں نے کئی جنرلوں پر فوقیت دے کر اپنا چیف آف آرمی اسٹاف بنایا تھا۔ معافی مانگنے سے انکار کردیا، انہوں نے اپنے خاندان اور حامیوں کو بھی اس طرح کی اپیل کرنے سے منع کردیا تھا۔

لیکن اب یہ سوال کہ بھٹو مرحوم مجرم تھے یا نہیں، علمی نوعیت کا سوال ہے۔ وہ شخص بھٹو جو پاکستان کی تاریخ کا سب سے زیادہ کرشمہ ساز رہتا تھا، رخصت ہو چکا ہے اور اب یہ دیکھنا باقی ہے کہ ملک کی ترقی متزلزل سیاست میں ان کا نام کتنے عرصے تک ایک جلا دینے والی طاقت کے طور پر باقی رہے گا اور اس کے کیا نتائج ہوں گے۔ جب پاکستانیوں نے جاگتے میں ان کی موت کی خبر سنی تو پرجوش احتجاج کی لہر دوڑ گئی۔ سری نگر کشمیر میں پہریداروں نے فائرنگ کرکے

www.bhutto.org

احتجاج کرنے والوں کو ہلاک کردیا۔ بہرحال ایک شہید کی حیثیت سے یا ایک سخت مجرم کی حیثیت سے جس نے اپنے کیئے کی سزا پائی۔ موت کے بعد بھٹو کے اثر کا امتحان ابھی باقی ہے۔

گو کہ ساری اطلاعات یہ ظاہر کرتی تھیں کہ جنرل ضیاء ملک کے اندر اور باہر سے کی جانے والی رحم کی اپیلوں کی بارش کی کوئی پرواہ نہیں کریں گے۔ اس کے باوجود پھانسی کی خبر حیران کن تھی۔ اس فیصلے کی انتہائی اہم راز کے طور پر پہرہ داری کی گئی تھی۔ قانون کا تقاضہ یہ تھا کہ انتظامیہ بھٹو اور ان کے عزیزوں کو کم از کم 48 گھنٹے قبل پھانسی کی تاریخ سے مطلع کرنے اور یہ بھی قانونی تقاضا تھا کہ جس کسی نے وہ آخری ملاقات کرنا چاہئیں اس کی انہیں اجازت دی جائے۔

پھانسی دینے سے پہلے والے دن بھٹو کی بیوی نصرت اور بیٹی بے نظیر کو ان سے ملاقات کے لئے موت کی کوٹھری میں لے جایا گیا ماضی میں انہیں ایک گھنٹے سے زیادہ ملاقات کی اجازت نہیں تھی، اس بار انہیں تقریباً ۳ گھنٹے رکنے کی اجازت دی گئی جس سے یہ شبہات ابھرے کہ یہ ان کی آخری ملاقات ہو سکتی ہے لیکن انہیں اس کے بارے میں بات کا موقع دیئے بغیر انہیں تیزی کے ساتھ نظر بندی کی جگہ لے جایا گیا۔

تین دوسرے رشتہ دار جنہیں مسٹر بھٹو سے ملاقات کے لئے طلب کیا گیا تھا انہیں ملاقات کے بغیر واپس بھیج دیا گیا انہوں نے پوچھا کہ کیا انہیں آخری ملاقات کے لئے طلب کیا گیا تھا لیکن انہیں کوئی واضح جواب نہیں دیا گیا۔

عام حالات میں جیلروں کو رحم کی اپیل مسترد ہونے کی اطلاع دی جاتی ہے جن پر یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ سزا یافتہ شخص کو ۷ دن کے اندر پھانسی دے دیں لیکن ۳ اپریل کی شام تک سرکاری ذرائع اخباری نمائندوں سے یہی کہتے رہے کہ رحم کی اپیلوں پر غور کیا جا رہا ہے۔ بھٹو خاندان کی تنہا فرد جنہوں نے بھٹو کی اس خواہش کی خلاف ورزی کی کہ رحم کی اپیل نہ کی جائے وہ ان کی بڑی سوتیلی بہن تھی جنہوں نے کہا کہ بھٹو ان کے بیٹے کی طرح ہیں اور وہ انہیں حکم نہیں دے سکتے۔

www.bhutto.org

مگر بھٹو کی پاکستان پیپلز پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے اراکین نے جن میں پیرزادہ بھی شامل تھے اپلیں کیں جب ان سے پوچھا گیا کہ انہوں نے بھٹو کی خواہش کے خلاف کیوں عمل کیا تو پیرزادہ نے پچھلے ماہ ضیاء سے اپنی آخری ملاقات کا ذکر کیا۔ ضیاء نے اس وقت تجویز پیش کی تھی کہ بھٹو، ان کی بیوی، بیٹی یا ان کے قریبی رشتہ دار مثلاً انکے چچازاد بھائی ممتاز بھٹو کی درخواست دینی چاہیئے۔ پیرزادہ نے ضیاء کو بھٹو کی ہدایت کے بارے میں بتایا اور ضیاء نے سوال کیا کہ وہ خود اپیل کیوں نہیں کر سکتے۔ پیرزادہ نے ''متعلقہ وسیع تر مسائل کی وجہ سے'' اس سے اتفاق کیا۔

ضیاء کی طرف سے اس قسم کا بیان ہی تھا جس نے آخری وقت تک بے یقینی کو جاری رکھا۔ کئی ماہ پہلے انہوں نے اعلان کر دیا تھا کہ عدالت کے فیصلے کی پابندی کریں گے۔ لیکن انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ یہ مسئلہ آخری بار اپنے فوجی ساتھیوں اور اپنی کابینہ کے سامنے رکھیں گے اور یہ کہ آئین کے تحت یہ ان کا اختیار تھا کہ معافی قبول کریں یا مسترد کر دیں۔

گویا کہ شاید ہی کسی کو توقع تھی۔ ضیاء، بھٹو کی جاں بخش دیں گے۔ لیکن ان کے لئے یہ فیصلہ کرنا کوئی سیدھا سادھا مسئلہ نہیں تھا۔ جیل میں رہتے ہوئے بھٹو نے حکومت کو چین لینے کی اجازت نہیں دی اور مزاحمت کی علامت بنے رہے۔ دوسری طرف انہیں پھانسی چڑھانے کا خطرہ لاحق ہے کہ جلد یا بدیر ردعمل کا ایسا سلسلہ شروع ہوگا جو ایک دھماکے پر منتج ہو۔

مگر جنرل ضیاء انتہائی قدامت پرستوں کے اس شدید دباؤ میں تھے کہ سابق وزیراعظم کو پھانسی دی جائے مثال کے طور پر احمد رضا خان قصوری جو بھٹو کے خلاف حکومت کے مقدمے میں مدعی تھے، نے 30 مارچ کو ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ اگر بھٹو کو جیل میں یا جلاوطنی مین زندہ رہنے دیا گیا تو وہ یقیناً دوبارہ برسر اقتدار آجائیں گے۔ اور یہ جنرلوں اور ججوں کے لئے تباہ کن ہوگا۔ انہوں نے جرنیلوں کو یاد دلایا کہ انہوں نے فوجی بغاوت کی ہے اور یہ کہ آئین کی دفعات میں آئین کی تخریب کاری کو بدترین غداری قرار دیا گیا ہے اور اس کی سزا موت تجویز کی گئی ہے۔

قصوری پریس کانفرنس بھٹو کی طرف سے ایک پر غضب جواب لائی۔ دوسرے دن پیرزادہ کو جیل میں طلب کر کے ان سے یہ نشاندہی کرنے کو کہا کہ سارا وقت جتنا اس بات پر زور

www.bhutto.org

دیتی رہی ہے کہ یہ ایک معمولی فوجداری مقدمہ ہے جس میں کوئی سیاسی مقاصد نہیں ہیں۔اس لئے اب حکومت کے لئے ضروری ہے کہ حسب معمول مقاصد پر عمل پیرا ہواس کے علاوہ گو کہ آئین کسی شہری کے بیرون ملک سفیر پر قانونی پابندیاں لگانے کی اجازت دیتا ہے لیکن وہ اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کسی کو جلاوطن کیا جائے انہوں نے مطالبہ کیا کہ اگر قصوری کے دلائل حکومت کی شہ پر نہیں ہیں تو انتظامیہ کو اس سے علیحدگی اختیار کرنی چاہئے۔حکومت نے یہ مطالبہ پورا نہیں کیا۔

پھانسی سے ایک دن پہلے یقیناً یہ محسوس ہوتا تھا کہ حکومت بھٹو پر غداری کا الزام عائد کرنے پر آمادہ ہے۔ پولیس نے صوبہ سندھ میں تین مکانوں پر چھاپہ مارا اور ملک کے خارجی تعلقات دفاتر اور سیاست سے تعلق رکھنے والی ''انتہائی حساس دستاویزات برآمد کیں۔حکومت نے الزام لگایا کہ یہ دستاویزات اس وقت برآمد کی گئیں جبکہ ملک سے باہر اسمگل کی جانے والی تھیں۔

وہ لوگ جو بھٹو کو پھانسی دینے کے لئے زور لگا رہے تھے وہ صرف اپنے ذاتی تحفظ کے لئے نہیں بلکہ اس واضح یقین کے ساتھ ایسا کر رہے تھے کہ یہ پاکستان کے لئے ضروری ہے۔وہ سمجھتے ہیں اس وقت ملک کو مطلق حکمرانی اور اطاعت گزار آبادی کی ضرورت یہ ہے کہ ملک میں فوجی پیشہ وارانہ اہلیت اور مستعدی کے فوائد کو سیاسی اقتدار کے ساتھ جوڑنے کی فضا پیدا کی جائے۔

اصل دلیل کی مخالفت کرتے ہوئے کہ جمہوریت کی کسی بھی خرابی کا واحد علاج جمہوریت ہے وہ یہ دلیل دیتے ہیں ایسا جلتی پر تیل چھڑکنے کے مترادف ہوگا۔

(18اپریل1979)

بھٹو کی تلوار کا سایہ پاکستان پر منڈلا رہا ہے

(ایشیا ویک)

پاکستان میں شعلے نہیں بھڑکے جیسا کہ ذوالفقار علی بھٹو نے پیشگوئی کی تھی کہ اگر انہیں پھانسی دے دی گئی تو شعلے بھڑکیں گے۔ پچھلے ہفتے پھانسی دینے کے بعد ۴ دن تک سڑکوں پر ہونے والے تشدد نے کئی شہروں کو ہلا کر رکھ دیا۔ عورتوں کی آہ و بکا کے دردناک مناظر کے دوران تباہی کے واقعات بھی دیکھنے میں آئے لیکن حکومت تیار تھی۔ اس نے امن بحال رکھنے مین مدد دینے کے لئے فوج اور نیم فوجی تنظیموں کو مدد کے لئے طلب کر لیا۔ سینکڑوں کی تعداد میں بھٹو کے حامیوں کو گرفتار کر لیا اور ان میں سے بیشار لوگوں کو برسر عام کوڑے لگائے اور قید کی سزائیں دی گئیں۔ ہفتے کے اختتام سے پہلے ہی سکون جیسے حالات پیدا ہو گئے تھے۔

امن بحال کرنے کی کوشش میں حکومت کو دائیں بازو کے پاکستان قومی اتحاد اور ابلاغ کے ذرائع (ریڈیو، ٹی وی، اخبارات) سے مدد ملی۔ پی این اے کے حامیوں نے خوشی میں مسجدوں کے باہر رقص کیا اور اپنے دشمن کی موت پر جشن منانے کے لئے مٹھائیاں تقسیم کیں۔ لاہور میں انہوں نے بھٹو کی حمایت میں ہونے والے مظاہروں کے جواب میں ایک جلوس نکالا۔

جہاں تک ذرائع ابلاغ کا تعلق ہے تو انہوں نے نماز جنازہ اور سڑکوں پر ہونے والے تشدد کی خبروں کو گھٹا کر پیش کیا۔ ملک بھر میں شدید ترین ہنگاموں کی اگلی صبح جمعہ کے دن ملک کے سب سے بڑے انگریزی اخبار روزنامہ ڈان کی شہ سرخی تھی، ذہنی مریضوں کو خاطر خواہ تربیت کی

www.bhutto.org

ضرورت ہے، ضیاء۔ یہ سرخی قومی تحلیل نفسی کانفرنس کے نام صدارتی پیغام کی تھی۔ پھانسی دینے کے بعد ذرائع ابلاغ پر حکومت کی نگرانی اور کڑی ہوگئی۔ یہاں تک کہ غیر ملکی اخبارات وجرائد کے مقامی نمائندوں پر بھی گہری نظر رکھی گئی۔

مبصرین اس بات پر متفق ہیں کہ نسبتاً پرسکون حالات پیدا کر لینے کے بعد بھی حکام کے تشویش میں مبتلا رہنے کے معقول وجوہات ہیں۔ پھانسی دینے کے خلاف غیر ملکی ردعمل توقع سے زیادہ سخت رہا ہے۔ پاکستان کو ایک ایسی تنہائی کا خطرہ ہے جو بہت مہنگی پڑے گی۔ اقتصادی افق پر خطرے کی علامات ظاہر ہوئی ہیں سب سے بڑھ کر یہ کہ پھانسی سے پہلے عام انتخابات کی قطعی تاریخ کے اعلان کے باوجود مقامی سیاست میں بے یقینی کی کیفیت لوٹ آئی ہے۔

سفارتی ذرائع کا کہنا ہے کہ جب واشنگٹن نے اعلان کیا کہ امریکی اقتصادی امداد معطل کی جارہی ہے تو حکومت پر سکتہ طاری ہوگیا۔ ظاہری وجہ پاکستان کی نیوکلیئر ترقی کی پالیسی تھی لیکن شاید ہی کسی نے اس کو سنجیدگی سے دیکھا ہو۔ اسلام آباد میں اس بات کا نوٹس لیا گیا کہ یہاں تک کہ چین نے بھی خلاف معمول صاف گوئی کے ساتھ بھٹو کو چینی عوام کا دوست قرار دیا اور ان کی پھانسی پر شدید افسوس کا اظہار کیا۔

پڑوسی کشمیر اور عرب ریاستوں میں ردعمل زیادہ معنی خیز رہا۔ پاکستان 32 سال سے کشمیر پر ہندوستان سے جھگڑتا چلا آرہا ہے۔ اب پہلی مرتبہ نصف پاکستانی اور نصف ہندوستانی کشمیر دونوں میں پاکستان کے خلاف زبردست احتجاج ہوا۔ سفارتی حلقوں کا کہنا ہے کہ کشمیری اب مزید پاکستان پر چھائے ہوئے پنجابیوں پر بھروسہ نہیں کریں گے۔ پاکستان کے کشمیر پر دعوے کی آئندہ عوامی سطح پر مزاحمت ہوگی۔

گو کہ کشمیری رویہ بڑی حد تک ایک جذباتی تمانچہ ہے۔ مگر ہوسکتا ہے کہ عرب ردعمل قوم پر ایک مفلوج کن اثر ڈالے۔ شامی صدر حافظ اسد نے نہ صرف یہ کہ بھٹو کی بیوہ کے نام تعزیتی خط لکھا بلکہ صدر ضیاء سے کہا کہ انکے اگلے ماہ ہونے والے مجوزہ دورہ دمشق کو "غیر معینہ مدت" کے لئے ملتوی کردیں فلسطینی رہنما یاسر عرفات نے جو 1970 میں اردن کے ہاتھوں فلسطینیوں کے

www.bhutto.org

کچلے جانے میں ضیاء کے مخالفانہ کردار کی وجہ سے ان کے سخت دشمن ہیں۔ بھٹو کو اسلامی نصب العین کے لئے شہید قرار دیا۔

یاسر عرفات نے اعلانیہ جو موقف اختیار کیا ہے اسے دوسرے عرب رہنما بہ آسانی نظر انداز نہیں کر سکتے۔ یقینی طور پر سعودی عرب کا رویہ بنیادی اہمیت رکھے گا۔ اس ہفتے اسلام آباد میں سرگوشیاں ہو رہی تھیں کہ سعودی بھی اپنی اقتصادی امداد میں کٹوتی کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ اس تاثر کو مزید تقویت اس بات سے ملی کہ سیکرٹری مالیات آفتاب احمد خاں نے اپنے تمام طے شدہ پروگرام منسوخ کر دیئے اور اوائل ہفتہ میں سعودی عرب کے لئے پرواز کر گئے۔

ایشیا ویک کے آصف شمیم نے تار دیا کہ اگر سعودیوں نے بھی ہاتھ کھینچ لیا تو پاکستان اقتصادی تباہی سے دوچار ہوگا۔ ایسے وقت میں جبکہ افراط زر کی سطح ۲۵ فیصد کی حد کو چھو رہی ہے اور عطیہ دینے والے مغربی ممالک قرضوں کی ادائیگی کے لئے ایک اور نظام الاوقات منظور نہیں کر رہے ہیں۔

صورتحال پہلے ہی تشویشناک ہو چکی ہے۔ افغانستان سے سرحدی جھڑپیں ایک اور اضافی دباؤ ہے۔ اس کے علاوہ تازہ ترین اطلاعات یہ نشاندہی کرتی ہیں کہ لگاتار دوسرے سال بھی گندم کی فصل خراب رہی ہے۔ نقد لانے والی سب سے بڑی جنس کپاس بھی بے وقت بارشوں اور کیڑا لگنے کی وجہ سے بہت پیچھے پڑ گئی ہے۔

باخبر مبصرین کہتے ہیں کہ ان حالات میں عام انتخابات تقریباً یقینی طور پر خارج از بحث ہیں۔ انتخابات کے لئے سرکاری طور پر مقرر کردہ 17 نومبر کو ترک کر دینے کے ممکنہ نتائج سیاسی حلقوں کا تازہ ترین موضوع بحث ہیں۔ پہلے ہی نمایاں صف بندی دکھائی دے رہی ہے۔ دائیں بازو کی مذہبی جماعتیں ٹھوس طریقے پر حکومت کے ساتھ ہیں جبکہ دوسری طرف غیر مذہبی گروہ ہیں جن میں وہ گروہ بھی شامل ہیں جو بھٹو کے دور اقتدار میں ان کے خلاف تھے۔

ایک ذریعے کا کہنا ہے کہ اگر سیاسی بے یقینی جاری ہے تو بلوچستان اور صوبہ سرحد میں علیحدگی پسندی کا مسئلہ بھٹو کے روبا شکستہ سندھ کے اندر ہی اندر سلگنے والے ناراضگی کے مرکز میں

www.bhutto.org

تبدیل ہونے سے اور بھی شدید ہو سکتا ہے۔ کراچی کے ایک مبصر یاد دلاتے ہیں کہ "بھٹو کی پارٹی کا نشان تلوار تھا۔" اور اب اس تلوار کا سایہ پاکستان پر منڈلا رہا ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کیا ہونے والا ہے۔"

(20اپریل1979)

بھٹو کی پھانسی سے شدید صدمہ پہنچا: یاسر عرفات

(فار ایسٹرن اکنامک ریویو)

مشرق وسطیٰ میں سفارتی ذرائع کو یقین ہے کہ صدر ضیاء الحق کے پاکستان کے سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دینے کے فیصلے کی وجہ سے اس علاقے میں پاکستان کے چند بڑے سرپرست اپنے امداد کے پروگرام پر نظر ثانی کریں گے اور یہ ایسی صورت میں ہوگا جب کہ ملک کو شدید اقتصادی بحران کا سامنا ہے اور امریکی اقتصادی امداد رک گئی ہے۔ متحدہ عرب امارات، الجزائر، لبنان اور ایران سب نے اس فیصلے کی مذمت کی ہے اور سفارت کار پاکستانی تنظیموں کی طرف سے شدید دباؤ کی توقع کرتے ہیں کہ عرب حکومتیں پاکستانی حکومت کے خلاف کسی طرح کی تادیبی کارروائی کریں۔

لبنانی اخبار اللیو نے پھانسی کو ''اس عہد کا جرم'' قرار دیا اور بھٹو کے بارے میں کہا ہے کہ انہوں نے تمام مسلم اقوام کے مفادات کی حمایت کی اور ہر جگہ لوگوں میں معزز اور محترم ہوئے۔'' لیکن جنرل ضیاء الحق جنہوں نے کبھی بھی اور کہیں بھی جدوجہد آزادی کا ساتھ نہیں دیا ہے انہوں نے رحم کی اپیلیں کرنیوالی آوازوں کو نہیں سنا اور بھٹو کو قتل کر کے ایک لڑکھڑا دینے والا جرم کیا ہے۔ اخبار نے لکھا تنظیم آزادئ فلسطین کے سربراہ یاسر عرفات نے کہا کہ ''پھانسی سے انہیں شدید صدمہ پہنچا، اور وہ حیران رہ گئے۔'' انہوں نے مزید کہا کہ ''بھٹو کو پاکستانی انقلاب کا ایک شہید کہا''۔

www.bhutto.org

گو کہ بہت سے سفارت کار عرفات کے دلائل سے اتفاق نہیں کرتے۔ مغربی مبصرین کو یقین ہے کہ پھانسی ایسے وقت دی گئی جو کہ اعتدال پسند عرب ریاستوں کے لئے ایک مشکل وقت ہے۔ گذشتہ ہفتے 19 عرب ممالک کی بغداد سربراہ کانفرنس نے خود مشرق وسطیٰ کے اندر تقسیم کو اجاگر کیا تھا اور سعودی عرب خاص طور پر عرب ممالک کے درمیان اتحاد کو فروغ دینے کے بارے میں زیادہ فکر مند ہے۔

سعودی عرب ان چند ممالک میں شامل ہے جنہوں نے پھانسی پر کوئی تبصرہ نہیں کیا ہے اور بعض سفارت کاروں کو یقین ہے کہ سعودی عرب کو توقع ہے کہ یہ مسئلہ عرب دنیا کے اندر پھوٹ کا ایک اور مظاہرہ بنے بغیر گذر جائے گا۔

بحرین میں سعودی عرب کے سفیر شیخ عبدالرحمان العتادی کا موقف یہ ہے کہ خطے میں اب بھی سب سے بڑا خطرہ کمیونزم نہیں بلکہ اسرائیل ہے۔ یہ وضاحت کرتے ہوئے کہ شام، عراق اور مصر نے سوشلزم کو آزمایا اور مسترد کر دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ”جب ان ممالک کے عوام کا اس سے واسطہ پڑا تو انہوں نے اسے قبول نہیں کیا۔ مبصرین کا خیال ہے کہ سعودی عرب نے پاکستان پر کروڑوں ڈالر کی بارش کی ہے۔ اس کی بڑی وجہ اقتدار پر کمیونسٹ غلبے کو روکنا تھا۔ ایک مغربی مبصر نے کہا ”میں یہ نہیں سمجھتا کہ اس کی (پھانسی کی) وجہ سے سعودی عرب پاکستان کی امداد بند کر دے گا“ مگر انہوں نے یہ اضافہ کیا کہ ”خلیج کے اطراف کی بعض ریاستوں کے بارے میں یہ بات نہیں کہہ سکتا۔“

متحدہ عرب امارات میں دربارِ صدارت نے ایک بیان جاری کیا جس میں کہا گیا یہ خبر انتہائی رنج و غم کے ساتھ سنی گئی۔ نیز یہ کہ ”مسلم قوم اپنے ایک ممتاز ترین رہنما اور پاکستان کے مفاد کے ایک زبردست محافظ سے محروم ہوگئی ہے۔“ متحدہ عرب امارات نے جس نے ضیاء سے رحم کی اپیل کی تھی، حال ہی میں دیہاتوں اور مساجد کی تعمیر اور پاکستان کے اندر تعلیمی سہولتوں کا ایک وسیع منصوبہ شروع کیا ہے اور پاکستانی طلباء کے لئے سینکڑوں وظائف کے اجراء کا پروگرام ہے۔ ان میں سے اکثر کے اخراجات متحدہ عرب امارات کے صدر شیخ زائد ذاتی طور پر ادا کریں گے۔

www.bhutto.org

پاکستان نے متحدہ عرب امارات اور خلیج کی ریاستوں سے درخواست کی ہے کہ 18 ہزار غیر بنگالی مسلمانوں کو بنگلہ دیش سے واپس بلانے کے لئے 29 لاکھ امریکی ڈالر دیں۔ ایک مغربی مبصر نے کہا کہ "گو میں یہ نہیں کہوں گا کہ اب امدادی منصوبے معرض خطرہ میں ہیں۔ پھر بھی پاکستانی حکومت کو امداد دینے کے معاملے میں عرب اب اتنے آمادہ نہیں ہوں گے جتنے کہ وہ پہلے تھے۔"

الجزائر میں سرکاری روزنامے "الجمہوریہ" نے کہا کہ "مسٹر بھٹو کا انجام کسی مخلصانہ اور منصفانہ عدالتی کارروائی کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ ایک سیاسی سازش کا نتیجہ ہے۔ پچھلے دو برسوں میں بھٹو مقدمے کے پہلو اس بات کا عین ثبوت ہیں کہ یہ فیصلہ ایک آدمی کا فیصلہ تھا اور یہ کہ یہ فیصلہ مقدمے کی ابتداء سے پہلے کیا جا چکا تھا۔

کویت میں جہاں کہ اس وقت فلسطینی مہاجر مزدوروں کی تعداد کویتیوں سے زیادہ ہے۔ اخبارات نے متفقہ طور پر پھانسی کی مذمت کی ہے۔ اور روزنامہ "السیاسہ" نے تبصرہ کیا کہ "ضیاء نے بھٹو کی جاں بخشی سے اس لئے انکار کیا کیوں کہ انہیں یقین تھا کہ اگر بھٹو کی جاں بخش دی گئی تو وہ پاکستانی آیت اللہ خمینی بن جائیں گے جو پاکستان میں مذہبی انقلاب کی قیادت کریں گے۔" کویت سے آنے والے سیاحوں نے بھی اطلاع دی ہے کہ پاکستانیوں اور فلسطینیوں نے پھانسی کے خلاف پاکستانی سفارتخانے پر مظاہرے کئے ہیں۔

ایران میں وزیر خارجہ کریم سنجابی نے پھانسی کی مذمت کی اور متنبہ کیا کہ ہوسکتا ہے کہ پاکستان کے لئے اس کے نتائج تشویش ناک ہوں گے۔ گو کہ انہوں نے تفصیلات نہیں بتائیں۔ پھانسی پر خمینی نے بذات خود کوئی تبصرہ نہیں کیا ہے۔ لیکن تہران میں مقیم سفارت کاروں کا اندازہ ہے کہ فروری میں شاہ کی معزولی کے بعد سے اس ملک کی طرف سے پاکستان کو زیادہ سے زیادہ عرب ممالک پر انحصار کرنے کے لئے چھوڑ دیا گیا ہے۔ شام نے ضیاء کو اپنے ملک کا دورہ کرنے کی جو دعوت دی تھی وہ واپس لے لی ہے۔

بہر حال صرف چند سفارت کاروں کو یقین ہے کہ پھانسی کا نتیجہ پاکستان کے خلاف

www.bhutto.org

علامتی اقدام سے زیادہ نہیں ہوگا۔ ''عرب عملی قسم کے لوگ ہیں وہ جانتے ہیں کہ اب چاہے وہ کچھ کریں اس سے بھٹو کے معاملے میں کوئی مدد نہیں ملے گی۔ پاکستان کے نکتۂ نظر سے سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ وہ کوئی ایسا آدمی تلاش کریں جو اس امداد کی جگہ لے سکے جس کو وہ کھو چکے ہیں۔ اور مجھے شبہ ہے کہ اب سعودی یا متحدہ عرب امارات شاید ہی ایسا کریں۔'' پھر بھی دوسرے مبصرین کی رائے ہے کہ ہو سکتا ہے کہ سعودی کسی باقاعدہ اعلان کیے بغیر اپنی امداد میں اضافہ کر دیں تا کہ کمی کو پورا کیا جا سکے۔

(20 اپریل 1979)

بھٹو ایک شہید ہے: حافظ الاسد

(فار ایسٹرن اکنامک ریویو)

سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دے کر حکمران جنتا نے 31 سالہ ریاست کو ایسی راہ پر ڈال دیا جو پچھلے ہفتے ایک نامعلوم منزل کی راہ دکھائی دیتی تھی۔ جنتا کے سربراہ صدر ضیاء الحق کے بقول یہ موت پاکستان کو توڑے گی نہیں متحد کرے گی۔ دوسرے کہتے ہیں کہ اس پھانسی نے قومی سیاست کے سرچشمے کو زہر آلود کر دیا ہے جو کچھ بھی پیش آئے ایسا دکھائی دیتا ہے کہ پاکستان اب کبھی بھی پہلے والا پاکستان نہیں رہے گا۔

یہ ظاہر بات ہے کہ بھٹو کی پھانسی سے حکومت کی بقاء کے امکانات پر شدید ضرب لگی ہے۔ ضیاء حکومت یہ سمجھتی تھی کہ صرف وہی بھٹو کو پھانسی سے بچا سکتی تھی لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ یہ بات بھول گئی تھی کہ بھٹو اس کی نجات بھی تھے۔

گو کہ سرکار اس سے اختلاف کرے گی مگر وقت بتلائے گا قوم کے اندر موجود افتراق جس کو بھٹو حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے دو سال قبل چلائی گئی پی این اے کی احتجاجی تحریک نے نمایاں کیا تھا، اس کا علاج بھٹو کو پھانسی دینا نہیں تھا۔ پھانسی نے صرف مزید تلخیوں کو جنم دیا ہے۔ اب جو دیکھنا باقی یہ ہے کہ آیا یہ اپنے آپ کو جلا کر ختم کر لے گی۔ یا بڑھ کر ایک خوفناک صورت حال بن جاتی ہے۔ المیہ یہ ہے کہ ایک عنصر جو صورت حال کو سنبھال سکتا تھا یعنی فراخدلی کا جذبہ وہ کہیں نظر نہیں آتا۔

www.bhutto.org

ان کی قریب ترین سیاسی رفیق کار جماعت اسلامی نے مقامی رواج کے مطابق ایک خوشی کے موقع کی طرح مٹھائیاں تقسیم کیں اور گو کہ جمعیت العلماء پاکستان کے سربراہ مولانا نورانی نے کہا کہ کسی کی موت پر خوشی منانا نامناسب بات ہے مگر پھانسی کو حق بجانب قرار دیا۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی (این ڈی پی) کے رہنماؤں ولی خان نے سابق وزیراعظم کی محبوب بیوی، نصرت بھٹو کو ایک پیغام بھیجا لیکن اس پیغام کو بھٹو کی پیپلز پارٹی (پی پی پی) کے اراکین نے زخم میں خنجر گھمانے کے مترادف قرار دیا۔ پاکستان قومی اتحاد کے سربراہ مولانا مفتی محمود نے ابتداء میں اپنی جماعت کو پھانسی کی ذمہ داری سے بری قرار دیا لیکن جلد ہی ایک اور بیان کے ذریعے اس اقدام کی مکمل حمایت کی۔

دوسرے مبصرین زیادہ رحم دل تھے۔ این ڈی پی کے صدر شیر باز مزاری نے کہا کہ بھٹو کے ایک پرانے دوست کے حیثیت سے انہیں ان کی موت سے صدمہ پہنچا اور موت نے مرحوم سیاستدان سے ان کے سارے اختلافات کو ختم کر دیا۔ بلوچستان کے رہنما جنہوں نے 20 ماہ تک بھٹو پر مقدمہ چلنے کے دوران اور بالآخر ایک سیاسی مخالف کو قتل کرنے کی سازش کے الزام میں سزائے موت پر بھٹو کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ وہ بھٹو کی موت پر بھی خاموش رہے۔

پی این کے نائب صدر نصر اللہ خان ان کی پارٹی کے رہنماؤں میں وہ تنہا آدمی تھے جنہوں نے بھٹو کی موت پر تعزیت کی اور ۴ دن بعد قوم کے متحد رکھنے کے لئے پی پی پی سے تعاون کی۔ بہرحال انہوں نے یہ اضافہ بھی کیا کہ ''اس وقت پی پی پی اپنی قیادت سے محروم ہے'' یہ اس حقیقت کی طرف اشارہ تھا کہ پی پی پی کے اکثر رہنما یا تو جیلوں میں ہیں یا مارشل لاء احکامات کے تحت انہیں سیاست میں حصہ لینے سے روک دیا گیا ہے۔ اپنے پی این اے کے اکثر رفقاء کے برخلاف خان نے بھٹو کی موت کے فسادات کی ذمہ داری پی پی پی۔ کی بجائے بائیں بازو کے انتہا پسندوں پر ڈالی۔

لیکن ملک کے اندر ردعمل سے زیادہ اہم وہ لازمی اثر ہوگا جو بیرون ملک پاکستان کے دوستوں اور حمایتیوں سے ضیاء حکومت کی محرومی سے پڑے گا۔ کئی عالمی رہنماؤں نے کہا کہ وہ سمجھتے

www.bhutto.org

ہیں کہ پھانسی اور کئی ممالک کی طرف سے مخالفانہ ردعمل حکومت کے آئندہ خارجی تعلقات میں مشکلات پیدا کر سکتے ہیں۔

چینیوں نے بھٹو کی تعریف ان کی موت کے بعد کی اور پاکستان کی بیکنگ سے دوستی کی تعمیر میں ان کے کردار کا ذکر کیا۔ دوسرا سخت ردعمل شام کے صدر حافظ الاسد کی طرف سے ہوا۔ جنہوں نے بھٹو کی بیوی کے نام اپنے تعزیتی پیغام میں انہیں ایک شہید قرار دیا۔ یہ کہتے ہوئے کہ وہ مشرق وسطیٰ کی صورت حال میں بہت زیادہ مصروف ہیں۔ انہوں نے ضیاء سے کہا کہ وہ اس ماہ میں ان کے مجوزہ دورۂ دمشق کو غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی کر دیں۔

ایک ملک جو بھٹو کے حامیوں کی قربت کی صورت میں سب سے زیادہ فائدہ حاصل کر سکتا ہے وہ سوویت یونین ہے۔ گو چینیوں نے بھٹو کی پھانسی کو رکوانے کے لئے زیادہ دباؤ ڈالا لیکن نہ معلوم کیوں یہاں یہ عام تاثر پایا جاتا ہے کہ ماسکو وہ ملک تھا جس کو بھٹو سے سب سے زیادہ ہمدردی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ روسی خاص طور پر بھٹو اور ان کی پارٹی سے یک جہتی کے اظہار میں سرگرم نہیں تھے، اس لئے یہ نہیں ایک بغیر کوشش کے ملنے والا بونس تھا، بشرطیکہ اسے ان معنوں میں لیا جائے۔

سرکاری ردعمل کے علاوہ دنیا کے کئی دارالحکومتوں میں احتجاجی مظاہرے ہوئے۔ ان ملکوں میں بھی جہاں پاکستانی بڑی تعداد میں آباد نہیں ہیں بدترین تشدد متنازعہ ریاست کشمیر کے ہندوستانی علاقے میں ہوا۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ بھٹو کے مخالفین ان پر الزام لگاتے تھے کہ انہوں نے شملہ سمجھوتے 1972 جس نے سابق مشرقی پاکستان میں جنگ کے بعد ہندوستان اور پاکستان میں صلح کروائی، کے ذریعے کشمیر کو ہندوستان کے ہاتھ بیچ دیا تھا۔ وادیٔ کشمیر میں بھٹو کے ماتم اور ان کے مخالفین کی مذمت کے سلسلے میں ۳ روز تک ہونے والے فسادات میں کئی افراد ہلاک ہوئے۔

خود پاکستان کے اندر احتجاجی مظاہروں کو روکنے کے لئے ڈریکولائی اقدامات کے باوجود پاکستان میں ہونے والا وسیع ردعمل بھی ایسا ہی پر تشدد تھا۔ صرف ایک اعلان کیا گیا تھا کہ بھٹو

www.bhutto.org

کو پھانسی دیئے جانے کے اگلے دن ۵ اپریل کو نماز کے لئے اجتماعات منعقد کئے جائیں۔ یہ اعلان پھانسی کے چند ہی گھنٹے بعد کیا گیا تھا لیکن یہ اجتماعات کئی قصبوں اور شہروں میں تشدد پر ختم ہوئے۔ یہ جنتا کے اس دعوے کے باوجود تھا کہ ایک چوہا بھی چوں نہیں کرے گا۔ بھٹو کے حامیوں نے اپنا مطمعٔ نظر دکھلا دیا۔

اپنے اقتدار کے انتہائے عروج کے زمانے میں بھٹو نے ایک بار قومی اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ ان کی موت پر ہمالیہ سے لے کر بحر عرب تک عوام ماتم کریں گے۔ وہ کثیر تعداد جس نے کڑوے آنسو بہائے اس نے اس پیشنگوئی کو پورا کر دیا۔

6-5 اپریل کو دو روز کے تشدد میں بینک، ریلوے لائن، سرکاری دفاتر، پٹرول پمپ اور سرکاری بسوں کو نقصان پہنچا۔ جماعت اسلامی کے سربراہ میاں طفیل محمد کے بقول مغرب میں لاہور سے 20 میل کے فاصلے پر واقع گوجرانوالہ کے کل نقصان کی مالیت 25 لاکھ ڈالر (دو کروڑ 5 لاکھ روپے) ہے۔ وہاں پولیس کی فائرنگ سے زخمی ہونے والے ۱۳ افراد میں سے ایک فرد بعد میں ہسپتال میں فوت ہو گیا۔ اس کے بعد جنتا نے سخت کارروائی کی۔ پی این اے نے اپنے لٹھ بردار حامیوں کو حکم دیا کہ وہ پولیس کی حمایت میں پریڈ کریں۔ بعض شہروں میں حکومت نے نیم فوجی تنظیموں اور فوج کو طلب کر لیا۔

کچل دینے کے طریقوں پر کامیابی سے عمل کیا گیا۔ ہزاروں افراد گرفتار کر لئے گئے۔ فوجی عدالتوں نے عجلت میں قید اور کوڑوں کی سزائیں دیں۔ 6 اپریل کو پولیس نے راولپنڈی میں (بھٹو کو راولپنڈی سنٹرل جیل میں پھانسی دی گئی تھی) نماز کے اجتماعات کو گھیرے میں لے لیا اور بلا امتیاز انداز میں بڑی تعداد میں لوگوں کو حراست میں لے لیا۔ اجتماع کے لئے آنے والی خواتین کو اٹھا کر منتظر پولیس ٹرکوں میں پھینکا گیا۔

اس بات کے پیش نظر کہ پی پی پی کے سرگرم کارکنوں کی اکثریت کو کچھ عرصہ گرفتار اور نظر بند کر دیا گیا تھا۔ جس پیمانے پر تشدد ہوا اس کی توقع نہیں تھی۔ خواتین کی گرفتاری بھی اتنی غیر متوقع تھی، جو پاکستان میں ایک غیر معمولی بات تھی۔ گو کہ بھٹو کی پھانسی کے تیسرے دن امن بحال ہو گیا

www.bhutto.org

www.bhutto.org

ہوں گی کہ پی پی پی کو انتخابی دوڑ سے الگ رکھا جائے۔ مگر پی پی پی یہ علامتیں ظاہر کر رہی ہے کہ وہ متحد رہے گی۔ اور پارٹی کے اندر اہمیت رکھنے والے ہر فرد نے پہلے ہی بھٹو خاندان کی قیادت پر اپنے پختہ یقین کا اظہار کر دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پی پی پی کے مخالفین مجبور ہوں گے کہ اس خاندان کو سیاست سے باہر رکھیں۔

لیکن ان دلائل کی بنیاد اس تصور پر ہے کہ اس بار ضیاء کا نومبر میں انتخابات کرانے کا وعدہ پورا کریں گے اور یہ کہ یہ انتخابات براہ راست بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ہوں گے اور یہ کہ ان میں پی پی پی سمیت تمام جماعتوں کو حصہ لینے کی اجازت ہو گی۔ برملا کہا جائے یا نہ کہا جائے۔ انتخابی مہم میں اہم ترین مسئلہ لازمی طور پر بھٹو کی پھانسی ہوگا۔ اس امر کے پیش نظر یہ تمام مفروضے مشکوک نظر آتے ہیں۔

بھٹو کی بیوہ اور ان کی بیٹی بے نظیر جو اس وقت جیل میں ہیں اپنے وکلاء کے ذریعے یہ خبر بھیجی ہے کہ ان کے پاس عوام کے نام بھٹو کا آخری پیغام ہے اور یہ کہ اس کی وصیت یہ ہے کہ یہ پیغام ایک جلسۂ عام میں، جب بھی ایسے جلسے کا انعقاد ممکن ہو عوام تک پہنچایا جائے۔ کچھ زیادہ لوگ اس بات پر یقین نہیں رکھتے کہ انہیں کافی عرصے اس طرح کا کوئی موقع فراہم کیا جائے۔

پی پی پی کے سیاسی منظر سے ہٹ جانے کی صورت میں علاقائیت کا مسئلہ بھی کھڑا ہو جائے گا (یہ سوال ہمیشہ پاکستانی سیاست کے پسِ منظر رہتا ہے) علاقائی مطالبہ یہ ہے کہ اسلام آباد کے پاس کرنسی، خارجی تعلقات، مواصلات اور دفاع کے شعبے رہیں اور ریاست کے بقیہ تمام فرائض ملک کے وفاق کی تشکیل کرنے والی 4 اکائیوں کے حوالے کر دیئے جائیں۔

چند علاقیت پسندوں نے پہلے ہی کھلے بندوں بیان کر دیا ہے کہ وہ مستقبل میں صوبائی خودمختاری کی خلاف ورزی کے خلاف آئینی ضمانتیں چاہتے ہیں ان میں سے بعض کا خیال ہے کہ آئین میں ایسی دفعہ کہ وفاق کی تشکیل کرنے والی اکائی کو یہ حق حاصل ہو کہ خلاف ورزی کی صورت میں وہ وفاق سے علیحدہ ہو جائے ایسی ضمانت ہو سکتی ہے۔ دوسرے یہ دلیل دیتے ہیں کہ سپریم کورٹ اور مسلح افواج کی کمان سطح جیسے اداروں میں چاروں اکائیوں کی مساوی نمائندگی کے

www.bhutto.org

بغیر کوئی ضمانت موثر نہیں ہو سکتی۔

اگر پی پی پی کا شیرازہ منتشر ہو جاتا ہے یا اسے انتخابی میدان سے علیحدہ رکھا جاتا ہے یا وہ خود علیحدہ رہنے کا فیصلہ کرتی ہے تو پھر ایسی کوئی جماعت نہیں ہے جو اتنی وسیع البنیاد ہو کہ علاقائی حد بندیوں کو پار کر سکے۔ اس کے بعد جو میدان میں رہ جائیں وہ ممکن ہے کہ ایسی پارلیمنٹ کی تشکیل کریں جو مختلف النوع سیاسی گروہوں کا جمگھٹا ہوگا جو برسر اقتدار اتحادوں کو توڑنے کا کام دے گا اور اس عمل کے ذریعے مزید عدم استحکام پیدا کرے گا۔

نتیجتاً بعض لوگوں کا استدلال ہے کہ اس بات سے قطع نظر کہ آج اتحادوں کے ذریعے کون بحیثیت وزیر اعظم ابھرتا ہے۔ ضیاء کو کسی نہ کسی طرح موثر اختیار اپنے ہاتھ میں رکھنا پڑے گا۔ زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ مستقبل کی اعلیٰ ترین سیاسی شخصیت کے طور پر این ڈی پی کے ولی خان اور تحریک استقلال کے اصغر خان منتخب ہوں۔ جو پچھلے چند ماہ سے سیاسی سرگرمیوں پر پابندی کے باوجود سخت مہم چلا رہے ہیں۔

اگر پی پی پی دوڑ میں شامل نہیں ہے تو یہ بات یقینی ہے کہ موثر اقتدار جنتا کے ہاتھ میں رہے گا۔ مگر فوجی بغاوت کے ذریعے جولائی 1977 میں اقتدار پر قبضہ کرنے کے بعد سے جنتا کی مشکل یہ رہی ہے کہ وہ سیاسی اقتدار کے لئے اپنے جوش و جذبے اور ایسے اقتدار کے نامانوس تقاضوں سے اس کی گریز کے درمیان ہم آہنگی پیدا نہیں کر سکی ہے۔ صورت حال جس انداز میں ابھر رہی ہے اس کے پیش نظر یہ الجھاؤ اور بڑھ جائے گا اور جنتا کی تنہائی میں لازمی طور پر اضافہ ہوگا۔

(20 اپریل 1979)

www.bhutto.org

بھٹو کے آخری لمحات

(ایشیا ویک)

حکام کی اس کوشش کے باوجود کہ ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی پر راز داری کا پردہ پڑا رہے، پاکستان کے بڑے شہروں میں چند حلقے ان کے آخری لمحوں کی تفصیلات کے واقف ہو گئے۔ ایشیا ویک کے ذریعے نے انہیں جوڑ کر حسب ذیل تصویر کشی کی ہے۔

بھٹو کو پھانسی سے 50 منٹ پہلے اطلاع دی گئی کہ جلاد منتظر ہے۔ ان سے کہا گیا کہ وہ غسل کر لیں۔ لیکن انہوں نے کہا کہ وہ دن میں غسل کر چکے ہیں۔ وہ پر سکون نظر آتے تھے۔ اپنی دس دن کی داڑھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہوں نے پہرہ دار سے کہا کہ ''میں داڑھی بنوانا چاہتا ہوں کیوں کہ یہ دنیا حسین ہے اور میں صاف ستھرا نظر آنا چاہتا ہوں۔'' جیل سپرنٹنڈنٹ نے ہچکچاتے ہوئے بھٹو کو اجازت دے دی کہ وہ ریزر استعمال کریں۔

جب ایک پولیس والا ان کے ہاتھ پشت پر باندھ رہا تھا تو وہ قرآن کی تلاوت کرتے رہے۔ بلیک وارنٹ (پروانۂ موت) جس پر لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کے دستخط تھے پڑھ کر سنایا گیا اور بھٹو سے کہا گیا کہ وہ اس خاص پر تیار کردہ سولی کی طرف چلیں جو ان کی موت کی کوٹھڑی سے 400 میٹر کے فاصلے پر تھی۔ نصف شب کے بعد ۲ بجے سے کچھ ہی پہلے سولی کی طرف یہ گمبھیر روانگی شروع ہوئی۔ ایک مرحلے پر سزائے موت پانے والے شخص نے جیل سپرنٹنڈنٹ سے پوچھا کہ مقدمہ قتل کے ۴ دوسرے مجرم کہاں ہیں، کوئی جواب نہیں ملا۔

www.bhutto.org

چہار دیواری کے اندر آدھا راستہ طے کرنے کے بعد ایک اعلیٰ فوجی افسر نے بھٹو اور ان کے پہرہ داروں کو روک دیا اور کہا کہ انہیں یہ اجازت نہیں ہے کہ سولی تک چل کر جائیں۔ ایک اسٹریچر لایا گیا اور سولی کے نیچے تک بھٹو کو اٹھا کر لے جایا گیا۔

وہاں انہیں کھڑے ہونے اور 3 میٹر اونچے چبوترے کی سیڑھیاں چڑھنے کی اجازت دی گئی۔ جب کہ صرف موت ان کے سامنے تھی۔ انہوں نے دو جملے کہے، پہلے تو انہوں نے ایک پہرے دار سے کہا کہ موت کی کوٹھڑی میں پچھلے دس ماہ میں ان کی وجہ سے جو تکلیف پہنچی اس کے لئے وہ معذرت خواہ ہیں۔ اس کے بعد جب جلاد نے موت کا پھندہ کسا تو انہوں نے کہا ''مالک میری مدد کر، کیوں کہ میں بے گناہ ہوں۔''

گو کہ سرکاری حلقوں نے یہ اطلاع دی کہ جلاد تارا مسیح تھا لیکن ابھی تک کوئی چشم دید گواہ تلاش نہیں کیا جاسکا جو یہ تصدیق کرے کہ وہ تارا مسیح کو پہچانتا تھا۔ پھانسی بالکل اندھیرے میں دی گئی اور اس کی تفصیلات قریب سے دیکھنے والے صرف چند آدمی تھے۔

www.bhutto.org

بھٹو جماعت اسلامی کے لیڈروں کی خواہشات کی تکمیل میں سب سے بڑی رکاوٹ تھے

(ایشیا ویک)

ہفت روزہ فار ایسٹرن اکنامک ریویو نے 20 اپریل 1979 اشاعت میں مسٹر بھٹو کی پھانسی کے بارے میں بنگلہ دیش کے ایس کمال الدین کا ایک تبصرہ شائع کیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اس صدی کے چھٹے عشرے کے اوائل میں مسٹر بھٹو نے سابق مشرقی پاکستان کے مسائل کو سمجھ لیا تھا اور انہوں نے ملک کے مغربی بازو کی جانب سے کئے جانے والے استحصال کو کم کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس وجہ سے انہوں نے ڈھاکہ کے بائیں بازو کے عناصر کی ہمدردیاں حاصل کر لی تھیں۔ مرحوم مسیح الرحمان (جو بنگلہ دیش کے متوقع وزیراعظم تھے لیکن وزیراعظم بنائے جانے سے قبل ہی اچانک مارچ 1979 کے اوائل میں فوت ہو گئے) سے مسٹر بھٹو کی بہت دوستی تھی۔ اور اس دوستی کے نتیجے میں مسٹر بھٹو اپنے وقت کے مقبول اور عوامی رہنما اور پیکنگ نواز نیشنل عوامی پارٹی کے صدر (مرحوم) مولانا بھاشانی کے نزدیک آ گئے۔ مولانا بھاشانی نے پاک چین تعلقات کو خوشگوار اور دوستانہ بنیادوں پر استوار کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا تھا۔

مسٹر ایس کمال الدین نے لکھا ہے کہ ستمبر 1965 کی جنگ کے بعد جنوری 1966 میں معاہدہ تاشقند ہوا۔ اور اس معاہدے کے بعد مسٹر بھٹو اور فیلڈ مارشل ایوب خان میں

اختلافات بڑھ گئے۔ 1966 کے اواخر میں جب مسٹر بھٹو نے ایوب کابینہ سے علیحدگی اختیار کی تو ڈھاکہ کے بائیں بازو کے با اشاعت روزہ "ہالیڈے" نے سرخی جمائی "طلوع آفتاب کے لئے خدا حافظ" مضمون میں کہا گیا ہے کہ بنگالی سیاستدان دانشور اور بنگال کی پڑھی لکھی بیوروکریسی مسٹر بھٹو کو ان کی آزاد خیالی اور اعلیٰ تعلیمی پس منظر کی وجہ سے بہت پسند کرتی تھی لیکن مسٹر بھٹو اپنی جماعت (پاکستان پیپلز پارٹی) مشرقی پاکستان میں منظم نہ کر سکے۔

مضمون میں مزید کہا گیا ہے کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد جس وقت مسٹر بھٹو برسراقتدار آئے تو ملک بحران میں مبتلا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا تھا۔ ان کٹھن حالات میں 1972 میں مسٹر بھٹو نے بھارت کے ممتاز لیڈروں بشمول اندرا گاندھی سے امن مذاکرات کی پیش کش کی اور بھارتی صحافت کے بڑے روزناموں کو "آن دی ریکارڈ اور آف دی ریکارڈ" انٹرویو دیئے۔ اور اس طرح انہوں نے ایسے دوست بنا لئے جو پاک بھارت تعلقات میں معاون ثابت ہوئے اور یہی وجہ ہے کہ دہلی اور اسلام آباد میں سمجھوتہ ہو گیا جس کے تحت پاکستان کو اپنا علاقہ اور 93 ہزار جنگی قیدی واپس مل گئے۔ حالانکہ بنگلہ دیش نے اعلیٰ پاکستانی جنرلوں پر جنگی جرائم کے الزامات میں مقدمات چلانے کا مطالبہ کیا تھا لیکن مسٹر بھٹو نے اس مطالبے کو تسلیم نہ کیا۔

اگست 1975 میں شیخ مجیب الرحمٰن کے قتل اور ان کی حکومت کی معزولی کے بعد ڈھاکہ اور اسلام آباد کے مابین تعلقات تیزی سے فروغ پائے۔ لیکن مسٹر بھٹو نے دونوں ملکوں کے درمیان موجودہ مسائل کو حل کرنے کی سنجیدگی سے کوشش نہیں کی، بنگلہ دیش سے بہاریوں کی واپسی اور اثاثوں کی تقسیم جیسے مسائل ابھی تک حل طلب ہیں۔ اس کے باوجود عام بنگالیوں کا خیال تھا کہ پاکستان کسی اور کی قیادت میں ترقی نہیں کر سکتا جتنی بھٹو کی قیادت میں کر سکتا ہے۔

مضمون میں کہا گیا ہے کہ اگرچہ مسٹر بھٹو کی پھانسی سے بنگلہ دیش کی حکومت اور حزب اختلاف کے لیڈروں کو صدمہ ہوا۔ لیکن نامزد وزیراعظم شاہ عزیز الرحمان نے اسے "پاکستان کا اندرونی معاملہ" قرار دیا۔ جب کہ اپوزیشن کے رہنماؤں نے پھانسی کی سخت مذمت کی اور اس کے نتیجے کا ذمہ دار ضیاء کو ٹھہرایا۔ جب لاہور ہائی کورٹ نے سزائے موت کا فیصلہ سنایا تھا تو مسیح

www.bhutto.org

الرحمان نے زبردست احتجاجی جلوس نکالا تھا اور اس کی قیادت کی تھی۔ اگر مسیح الرحمان زندہ ہوتے تو بنگلہ دیش کی حکومت کا ردعمل بہت سخت ہوتا۔

ہفت روزہ ''ہالیڈے'' نے صفحہ اول پر مسٹر بھٹو کی پھانسی کے بارے میں ایک مضمون شائع کیا جس کا عنوان تھا ''دائیں بازو کی فتح'' اس مضمون میں کہا گیا کہ مسٹر بھٹو کے المناک انجام کے پس پردہ کارفرما حقیقی طاقت ملٹری لیڈر اور ان کے ساتھ ساتھ دائیں بازو کے رجعت پسند لیڈر خصوصاً جماعت اسلامی ہے۔ جماعت اسلامی نے بھٹو کے خاتمے کے لئے جو زبردست دباؤ ڈالا شاید اس کا وہ جواز بھی رکھتی ہے۔ کیوں کہ سیاسی افق پر مسٹر بھٹو کی موجودگی میں جماعت اسلامی برسراقتدار نہیں آسکتی تھی۔ بلکہ اگر سابق وزیراعظم کو سزا دے کر طویل مدت کے لئے جیل میں بند کر دیا جاتا تب بھی جماعت اسلامی حکومت میں نہیں آسکتی تھی۔ مسٹر بھٹو جماعت کے ان لیڈروں کی خواہشات کی تکمیل میں سب سے بڑی رکاوٹ تھے جو اب حکومت میں اعلیٰ پوزیشن پر ہیں۔

(30اپریل1979)

www.bhutto.org

پیپلز پارٹی مجوزہ انتخابات میں بھاری اکثریت سے کامیاب ہو جائے گی

(فار ایسٹرن اکنامک ریویو)

بار بار اور زور دے کر یہ کہنے کے باوجود کہ اس اقدام کا سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کی سولی چڑھا کر ہلاک کرنے سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے، حکمران جنتا اور اس کی سیاسی رفیق پاکستان قومی اتحاد نے 15 اپریل کو اپنی باقاعدہ رفاقت کے خاتمے کا اعلان کر دیا۔ جنرل ضیاء کے 19 وزراء میں سے پی این اے کے 14 وزراء 21 اپریل کو برخواست ہو جائیں گے۔ اس کے باوجود بھی پی این اے نے اعلان کیا ہے کہ کابینہ سے اس کے اخراج سے فوجی حکومت کے لئے اس کی حمایت ختم نہیں ہوگی۔

پی این اے سربراہ مفتی محمود نے 13 اپریل کو راولپنڈی میں کہا کہ ان کے گروہ کا کابینہ سے اخراج اس وجہ سے نہیں ہوا کہ حکومت میں شراکت کی وجہ سے مقبولیت میں کمی واقع ہوئی ہے اور یہ کہ پی این اے اب پہلے کے مقابلے میں زیادہ مقبول ہے۔ انہوں نے کابینہ سے اخراج کی وجہ شراکت کے دو مقاصد، پاکستان میں اسلامی نظام کا نفاذ اور قومی انتخابات کے لئے تاریخ کی تکمیل قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ ''جنرل ضیاء ہمارے کام کی تعریف کرتے نہیں تھکتے۔''

ان کی وضاحت کچھ کھوکھلی لگتی ہے کیونکہ ان کے قریبی رفیق جماعت اسلامی کے امیر میاں طفیل محمد نے بھٹو کو پھانسی دیئے جانے سے ایک دن پہلے اخباری نمائندوں سے کہا تھا

www.bhutto.org

کہ پی این اے کی کابینہ سے علیحدگی کا وقت بہت دور ہے۔اس کے علاوہ پی این اے کے وزراء آخری لمحے تک اپنے کابینہ سے ناگزیر اخراج سے انکار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ فیصلے کے اعلان کے بعد بھی بعض وزراء یہ کہہ رہے تھے کہ ضیاء یہ محسوس کرتے ہین کہ پی این اے گروپ کو شامل رہنا چاہئے۔

15 اپریل کو خود محمود نے کراچی میں پی این اے کی مجبوری پر روشنی ڈالی جبکہ انہوں نے ایک زبردست زبانی قلابازی کھاتے ہوئے اعلان کیا کہ حکومت کے ساتھ اشتراک کی وجہ سے ملک کے کئی حصوں میں پی این اے کے خلاف جذبات برانگیختہ تھے۔انہوں نے یہ بھی کہا کہ بھٹو کے انجام کے بارے میں نہ تو پی این اے سے نہ ہی اس کے وزراء سے صلاح مشورہ کیا گیا۔ جب ان سے سوال کیا گیا کہ انہوں نے بھٹو کی جاں بخشی کی حمایت کا اعلان کیوں نہیں کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ پی این اے سپریم کورٹ کے معاملات میں مداخلت نہیں کرسکتی تھی۔ جب سوال کیا گیا کہ انہوں نے ضیاء سے رحم کی درخواست کیوں نہ کی تو پھٹ پڑے ''آپ مجھے کیوں تنگ کررہے ہیں؟ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ بھٹو کی پھانسی دینے میں ہمارا کوئی دخل نہیں تھا۔''

بہرحال وہ کہہ چکے تھے بھٹو اسی انجام سے دوچار ہوتے جس کے وہ پورے پورے مستحق تھے۔اپنے کراچی کے انٹرویو میں انہوں نے رضا کارانہ طور پر بیان دیا کہ چونکہ پاکستان میں سیاست کی بنیاد اصولوں سے زیادہ افراد پر منحصر ہے اس لئے پاکستان پیپلز پارٹی بھی بھٹو کے ساتھ مرگئی۔اس بیان نے اس ناگزیر سوال کو دعوت دی کہ ''اگر ایسا ہے تو پھر آپ بھٹو کی بیوہ اور بیٹی کی رہائی کا مطالبہ کیوں نہیں کرتے؟'' انہوں نے جواب دیا۔ ''بعض حلقوں کے خیال کے برعکس پی این اے ان دو عورتوں سے خوفزدہ نہیں ہے یہ حکومت پر منحصر ہے کہ وہ انہیں نظر بند رکھے یا رہا کردے۔ہم اس معاملے میں کچھ نہیں کہیں گے۔''

ان اندیشوں سے قطع نظر کہ اگر نصرت اور بے نظیر بھٹو کو رہا کردیا گیا تو وہ انتظامیہ کے خلاف مزاحمت کی تحریک کو دوبارہ منظم کرسکتی ہیں۔ان کی آزادی کے خلاف ایک اضافی

www.bhutto.org

عنصر افواہوں کا وہ سیلاب ہے جو اس بارے میں ہے کہ بھٹو پر در حقیقت کیا گزری۔ ان افواہوں میں ایسی افواہیں بھی شامل ہیں جو کسی انتہائی سادہ لوح شخص کے نزدیک بھی معتبر نہیں ہو سکتیں۔ مثال کے طور پر ایک افواہ لوگوں کو یہ یقین دلانا چاہتی ہے کہ دراصل بھٹو مرے نہیں بلکہ وہ چین میں رہ رہے ہیں۔ جذباتی عوام استحکام کی اس فضا میں حکومت ان دو خواتین اور پیپلز پارٹی کے ہزاروں رہنماؤں اور کارکنوں کو مسلسل حراست میں رکھنے کے بارے میں نازک مزاج بننے کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

مسلسل نظر بندی کو ضروری بنانے والا ایک اور عنصر پی این اے کے خلاف عوامی مخالفت ہے جسے جمعیت العلمائے پاکستان، تحریک استقلال اور نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی پہلے ہی ابھار چکی ہے۔ جے یو پی کے مولانا نورانی کابینہ سے پی این اے کے وزراء کے اخراج پر "یوم نجات" منانے کا اعلان کر چکے ہیں۔ انتظامیہ پی این اے کے ناقدین کی صفوں میں مزید اضافے کی اجازت نہیں دے سکتی کیونکہ 6 جماعتوں کے اتحاد پر کسی قسم کی تنقید میں خود حکومت پر تنقید مضمر ہوتی ہے۔

محمود کے دعوے کے برعکس عوام میں پی پی پی کی حمایت اب بھی برقرار ہے لیکن یہ بات مشتبہ ہے کہ پارٹی اسے زیادہ عرصے تک برقرار رکھ سکتی ہے یا نہیں۔ اس کی تنظیم تقریباً ناپید ہے۔ اس وقت جو لوگ پیپلز پارٹی کی طرف سے بول رہے ہیں وہ اپنی پارٹی کے امکانات سے زیادہ اپنے ذاتی مفادات کے تحفظ سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ تجربہ کار رہنما اور کارکنوں جو پارٹی کی ریڑھ کی ہڈی ہیں جیلوں میں ہیں اور اس بات کا امکان نہیں ہے کہ انہیں انتخابات کے ختم ہونے سے پہلے رہا کیا جائے۔ اس کے علاوہ بھٹو کے وارثوں کو اس صلاحیت کے بارے میں بھی شدید اندیشے ہیں کہ وہ پی پی پی کو اس سے زیادہ ہم آہنگ شکل دے سکیں گے جتنی کہ وہ خود دے سکتے تھے۔ ان کی کرشمہ سازی کے بغیر ان کے لئے مختلف النوع شخصیتوں کو متحد رکھنے اور ساتھ ہی ساتھ پی پی پی کی اعلیٰ سطح پر مختلف نکتہ ہائے نظر کو مجتمع رکھنے میں دوہری مشکلات کا سامنا ہوگا۔

غور و فکر کرنے والے ہمدردوں کو یقین ہے کہ اگر غیر متوقع طور پر پی پی پی کے رہنما اور

www.bhutto.org

کارکن رہا کر دئے جاتے ہیں اور انہیں 17 نومبر کے مجوزہ انتخابات میں حصہ لینے کی اجازت دی جاتی ہے تو یقینی طور پر پارٹی اکثریت سے برسر اقتدار آجائے گی لیکن لازماً اس کی توہین کیجائے گی۔ اپنی صفوں کو موقع پرستوں سے مکمل طور پر صاف کئے بغیر وہ یقیناً ایسے مسائل کے جنگل میں پھنس جائے گی جنہیں حل کرنا کسی بہترین سیاستدان کے بھی بس میں نہیں۔ یہ لوگ یہ دلیل بھی دیتے ہیں کہ اس کی وجہ سے پارٹی اپنے اس وقت تک کے حامیوں کی اگر نفرت نہیں تو حقارت کا تو ضرور نشانہ بنے گی۔

اس وقت جو دلائل پی پی پی کے خلاف جاری ہیں ان کے علاوہ ایک اور چیز اس کا مکمل جمود اور اس کے کسی رہنما سے یکسر محروم پیروؤں میں پھیلی ہوئی نا امیدی ہے۔ ستم ظریفی یہ کہ ان کا تعلق اس تنظیم سے ہے جو کچھ ہی عرصہ پہلے تک ملک کی سب سے وسیع البنیاد تنظیم تصور کی جاتی تھی۔ ان کے اندر یہ بھی صلاحیت ہے کہ وہ بھٹو کی موت کو ایک ایسے عنصر میں تبدیل کر دیں جو ہم آہنگی سے شدید طور پر محروم ملک کو متحد کر دے۔ مگر اس صلاحیت کو مفلوج کر کے رکھا گیا ہے اور امکان یہ ہے کہ اس کے مخالف حکمران اس کو اسی حالت میں رکھیں گے تا کہ بعد کے واقعات اس کا گلہ گھونٹ دیں۔

انتخابات میں ضیاء کے لئے مشکل ان کے حلیف پی این اے کے مفقود امکانات ہوں گے جن کے پاس پیش کرنے کے لئے مذہبی کٹرپن کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اصل پی پی پی کو متوقع طور پر انتخابات سے علیحدہ رکھنے کی صورت میں جو دوسرے جانے پہچانے حریف رہ جاتے ہیں وہ تحریک استقلال این ڈی اے اور جے یو پی ہیں۔ توقع ہے کہ پہلی دو جماعتیں پی این اے سے بھی کم لچکدار ثابت ہوں گی اور یہ امید نہیں کہ جے یو پی کوئی ایسا اہم عنصر ثابت ہو۔ نتیجہ یہ کہ موثر طاقت کسی نہ کسی صورت میں انتظامیہ کے ہاتھ میں ہوگی جو اس وقت امن وامان برقرار رکھے لیکن تیزی سے بڑھتے ہوئے مسائل کی حل نہ کرنے کی استعداد ثابت کر چکی ہے۔

(27 اپریل 1979)

www.bhutto.org

بھٹو کو پھانسی نہیں دی گئی بلکہ......؟

(ہفت روزہ عوام نئی دہلی)

پاکستان سے جو غیر ملکی مہمان ہندوستان آئے ہیں انہوں نے بعض بڑی سنسنی خیز خبریں سنائی ہیں۔ان میں سے ایک مسافر نے بتایا ہے کہ پاکستان کے بازاروں میں یہ عام خبر ہے کہ پھانسی زندہ بھٹو کو نہیں دی گئی ہے بلکہ مردہ بھٹو کو دی گئی ہے ان کو 4 اپریل کی صبح سے پہلے رات کو ڈھائی بجے ان کی کوٹھری میں اس طرح مار مار کر قتل کیا گیا تھا کہ نہ ان کے جسم پر کوئی زخم آنے پائے اور نہ کوئی ہڈی ٹوٹنے پائے۔اس مار پیٹ سے قبل ان کو بے ہوشی کی دوا پلا دی گئی تھی تا کہ وہ چیخنے نہ پائیں اور ان کی چیخیں راولپنڈی جیل کے دوسرے قیدی نہ سن سکیں۔ جب مار پیٹ کرنے والے قیدیوں کو یقین ہو گیا کہ وہ مر چکے ہیں تو انہوں نے اسٹریچر پر لاش کو لٹائے اور اس کے بعد اسی لاش کو پھانسی گھر میں پھانسی دیدی۔

ایک دوسرے ذریعے سے معلوم ہوا ہے کہ رات کو دو بجے بھٹو کو اچانک سوتے میں سے جگایا گیا اور ان کو گولی ماردی گئی۔ یہ دونوں خبریں قرین قیاس ہیں کیونکہ بھٹو کی پہلی بیوی کو ایک قریبی رشتہ دار نے قبر میں اتارے جانے کے بعد بھٹو کی لاش اور ان کے چہرے کو دیکھا تھا، ان کا چہرہ بالکل پرسکون تھا، چہرے پر کرب کی کوئی علامت نہیں تھی۔ پھانسی پانے والوں کی طرح ان کی آنکھیں بھی باہر نہیں نکلی ہوئی تھیں اور نہ گردن لمبی ہوئی تھی۔ بھٹو کے ہمدردوں کا خیال ہے کہ بھٹو کی قبر کے چاروں طرف اسی لئے فوجی پہرہ لگا دیا گیا ہے کہ لوگ بھٹو کی قبر کھود کر لاش نہ نکال لے

www.bhutto.org

جائیں اور اس طرح بھٹو کی لاش قتل کی پوری داستان سنا دے۔

بھٹو کے اس المناک قتل کے سلسلہ میں ایک خبر سری نگر کے مشہور روزنامہ اخبار سری نگر ٹائمز نے صفحہ اول پر شائع کی ہے۔ اخبار کی پوری خبر یہ ہے۔

پاکستان کے سابق وزیر اعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو جن کو پھانسی دے دی گئی ہے، کے بارے میں پاکستان کے سیاسی حلقوں میں یہ خیال پختہ ہو رہا ہے کہ انہیں پھانسی سے پہلے ہی ہلاک کر دیا گیا تھا۔ ان حلقوں کے مطابق 2 اپریل کی رات کو صدر ضیاء کی صدارت میں جو فوجی جرنلوں اور کابینہ کے ارکان کی ہنگامی میٹنگ منعقد ہوئی۔ اس میں شامل تمام ارکان اس بات پر متفق تھے کہ بھٹو کو پھانسی دینے سے پاکستان کے حالات خراب ہو جائیں گے لیکن یہ خدشہ بھی محسوس کیا جا رہا ہے کہ بھٹو کو زندہ رہنے دیا گیا تو خود ان کا اقتدار خطرے میں پڑ جائے گا۔ تیسری رائے یہ تھی کہ اگر بھٹو جان بخشی کے لئے اپیل کریں تو اس سے سیاسی طور پر ان کی موت واقع ہو جائے گی جس کا فائدہ فوجی حکومت کو ملے گا۔ چنانچہ سرکردہ فوجی افسر نصف شب کے بعد مسٹر بھٹو کے پاس بھیجے گئے۔ مسٹر بھٹو سے کہا گیا کہ صبح سورج نکلنے سے پہلے ہی ان کو پھانسی دی جائے گی۔ ہاں اگر وہ جان بخشی کے لئے رحم کی اپیل کریں تو صدر ضیاء سے اسے منظور کرایا جا سکتا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ مسٹر بھٹو یہ سن کر لال پیلے ہو گئے اور حقارت سے ان کے منہ پر تھوک دیا۔ فوجی افسروں نے اس کو اپنے لئے توہین سمجھا۔ بتایا جاتا ہے کہ انہوں نے مسٹر بھٹو کو اتنی مار پیٹ کی کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ جیل کے ڈاکٹر نے رائے دی کہ بھٹو اس قابل نہیں ہیں کہ انہیں پھانسی کے پھندے پر چڑھایا جائے لیکن سوال یہ پیدا ہوا کہ صبح سویرے مسٹر بھٹو کے جو رشتے دار ملنے آئیں گے۔ وہ سارا راز فاش کر دیں کیونکہ وہ خود مسٹر بھٹو کو اپنی آنکھوں سے مردہ یا نیم مردہ حالت میں دیکھ لیں گے۔ بتایا جاتا ہے کہ جنرل ضیاء دوسرے فوجی جرنلوں سے صلاح مشورہ کے بعد ان کو اس کوٹھری میں رات 2 بجے مارا گیا جس میں وہ گذشتہ 9 ماہ سے سخت عذاب کی زندگی گذار رہے تھے۔ ان کی لاش اسی وقت جہاز سے لاڑکانہ پہنچائی گئی اور فوجی پہرے میں ایک بے نشان قبر میں دفنا دیا گیا۔ مسٹر بھٹو کے جیل میں مارنے کے 9 گھنٹے بعد ریڈیو پاکستان سے اعلان کیا گیا کہ مسٹر

www.bhutto.org

بھٹو کو رات کے دو بجے پھانسی دے دی گئی۔ حالانکہ اس وقت کسی قیدی کو پھانسی دینا جیل قواعد کے خلاف ہے اور پھانسی دینے کی سابقہ روایت کے منافی ہے جیل کی روایت کے مطابق ایک قیدی کو پھانسی دینے سے 24 گھنٹے قبل اسے مطلع کر دیا جاتا ہے کہ فلاں وقت پر اسے پھانسی کے تختہ پر چڑھا دیا جائے گا۔

مسٹر بھٹو کی پھانسی کا حال دیکھنے کے لئے جو اخباری نمائندے راولپنڈی جیل گئے تھے ان کو گرفتار کر لیا گیا اور اس وقت چھوڑا گیا جب مسٹر بھٹو کو پھانسی دینے کی خبر ساری دنیا میں پھیل چکی تھی۔ اس سے یہ شبہ اور بھی یقین میں بدل گیا ہے کہ مسٹر بھٹو کو جیل کی کوٹھری میں مار دیا گیا تھا۔ صرف تین روز قبل اسی کوٹھری میں بھٹو پر لوگوں کے ایک گروہ نے حملہ کیا تھا تا کہ مسٹر بھٹو پست حوصلہ ہو کر فوجی حکمرانوں سے معافی مانگ لیں، لاڑکانہ میں جس جگہ مسٹر بھٹو کو دفنایا گیا ہے وہاں فوج کا آج بھی زبردست پہرہ ہے۔ حکومت یہ خدشہ محسوس کر رہی ہے کہ مسٹر بھٹو کی لاش اگر قبر سے نکالی گئی تو سارا راز طشت از بام ہو جائے گا کیونکہ جس شخص کو پھانسی دی گئی ہوتی ہے اس کی گردن دھڑ سے قریب قریب الگ ہو چکی ہوتی ہے اور اگر ایسا نہ پایا جاتا تو یہ شک یقین میں بدل جاتا کہ مسٹر بھٹو کو پھانسی دینے کا ڈھونگ رچایا گیا تھا۔

مسٹر بھٹو کے بارے میں سری نگر ٹائم کی اس خبر کی روشنی میں بہر حال یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ بھٹو کو پھانسی نہیں ہوئی۔ زندہ بھٹو کو پھانسی نہیں دی گئی۔ بھٹو کا قتل گلا دبا کر کیا گیا۔ منہ اور ناک پر ہاتھ رکھ کر کیا گیا تا کہ ان کا دم گھٹ جائے اور وہ مر جائیں اور یا پھر ان کو گولی مار کر قتل کیا گیا۔

غالباً یہی وجہ ہے کہ آج بھٹو کی آخری چیخ کہ ''میں بے گناہ ہوں'' پورے ملک میں گونج رہی ہے۔

پاکستان سے موصول شدہ بعض مصدقہ اطلاع میں بھی یہ بتایا گیا ہے کہ پاکستان کے قومی اتحاد کے لیڈروں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ ان کے محاذ کے تمام وزیر جنرل ضیاء الحق کی وزارتی کابینہ سے استعفیٰ دے دیں گے کیونکہ وہ مرحوم بھٹو کی پھانسی کی ذمہ داری قبول نہیں کر سکتے۔ گویا اس طرح بھٹو کے بدترین دشمنوں نے بھی اب جنرل ضیاء الحق کا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔

www.bhutto.org

مسلم لیگ پگارا گروپ کے سربراہ پیر صاحب پگارا نے جماعت اسلامی کو ایک شرپسند جماعت قرار دیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ جماعت اسلامی جمہوریت پر یقین نہیں رکھتی ہے۔ جناب پیر پگارا نے یہ الزام لگایا کہ جماعت اسلامی ملک میں انتشار پھیلانے کی ذمہ دار ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایوب خان کی ڈکٹیٹرشپ کی سب سے پہلے جماعت اسلامی نے حمایت کی اور موجودہ مارشل لاء کا خیر مقدم بھی جماعت اسلامی نے سب سے پہلے کیا۔ مسلم لیگ کے سربراہ نے اس بات کی شکایت کی کہ جنرل ضیاء الحق جماعت اسلامی کے شکنجوں میں ہیں۔

جمعیت العلماء پاکستان کے صدر مولانا شاہ احمد نورانی نے اپنی ایک حالیہ تقریر میں اس بات کا انکشاف کیا ہے کہ 25 اور 26 اپریل 1947 میں پٹنہ (بہادر) میں قیام پاکستان سے محض چند ماہ قبل مولانا مودودی نے جماعت اسلامی کی کانفرنس میں مہاتما گاندھی کو بلایا تھا اور خود ان کا استقبال کیا تھا۔ مولانا شاہ احمد نورانی نے کہا ہے کہ جماعت اسلامی کے اس اجتماع میں بندے ماترم کا ترانہ بھی مولانا مودودی کے ایماء پر اور ان کی موجودگی میں گایا گیا تھا۔

ضیاء الحق خود کو نظام مصطفیٰ کا علمبردار کہتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ وہ اور ان کے وزراء سادی زندگی بسر کرنے کے عادی ہیں لیکن انہوں نے اپنی فوج کے لئے بہترین وردی جنوبی کوریا سے سلوا کر منگائی ہے انہوں نے فوجی ضرورتوں کے لئے ریفریجریٹر اور موٹر یورپ سے منگائی ہیں۔ انہون نے اپنے بوئنگ ہوائی جہاز کی اندرونی زیب و زینت پر ساٹھ لاکھ روپے خرچ کئے ہیں جب کہ آج کے پاکستانی عوام کی سالانہ شرح آمدنی کم ہونے کے اعتبار سے دنیا میں دوسرے نمبر پر ہے۔

(27 اپریل 1979)

www.bhutto.org

جب بھٹو کو دہلی پریس کلب میں مدعو کیا گیا

(ہفت روزہ عوام نئی دہلی)

بھٹو سب کے دوست تھے۔ دوستوں کے دوست اور اخبار نویسوں کے بہت بڑے دوست، انہیں اخبار والوں کے پاس بیٹھنے اور ان سے گفتگو کرنے اور ان کے سوالوں کا جواب دینے میں مزہ آتا تھا۔ ہوشیار قابل اور اہل سیاستدان اخبار نویسوں سے ہمیشہ قریب رہتے تھے۔ انہوں نے اپنے پریس انفارمیشن افسروں کو ان کی نااہلیت کی بناء پر الگ کیا تھا اور محکمہ اطلاعات و نشریات کے سیکرٹریوں کو بھی سبکدوش کر دیا تھا لیکن اس کے باوجود وہ اپنے آخری لمحات تک بین الاقوامی پریس کے محبوب لیڈر بنے رہے۔

اخبار نویسوں اور جرنلسٹوں سے ملنے کا ان کا اپنا انداز تھا۔ ان کی یادداشت بلا کی تیز تھی۔ وہ اخبار نویسوں کی بڑی تعداد کو ان کے نام سے جانتے تھے۔

ہندوستان کی ایک خاتون جرنلسٹ مسز اینا ملک لکھتی ہیں۔ ''زلفی سے جیسا کہ مسٹر بھٹو کو آکسفورڈ میں ان کے دوست پکارا کرتے تھے۔ پہلی بار میرا آمنا سامنا اس وقت ہوا جب وہ 1960 کے اوائل میں اپنے ملک کے وزیر اطلاعات و نشریات کی حیثیت سے ہندوستان کے دورے پر آئے تھے۔

ایک دن شام انہیں بیگم نصرت بھٹو کے ساتھ پریس کلب میں مدعو کیا گیا۔ اس سال کلب کمیٹی میں میں واحد عورت ذات تھی۔ اس لئے میزبانی کی ذمہ داری خود بخود مجھ پر آن پڑی۔ میں نے بھٹو کے ذوق کی چیزیں ان کی میز پر لا کر رکھ دیں۔ اخبار والوں کے ساتھ ان کی بے

www.bhutto.org

تکلفی پر میں حیران رہ گئی۔ انہوں نے گھل مل کر باتیں کیں اور کسی ڈپلومیٹک فنکشن میں جانے سے قبل بے تکلفانہ طور سے اخباری نمائندوں کے سوالات کے جوابات دیئے۔ وہ حقیقت میں ایک تجربہ کار سیاست دان نظر آرہے تھے۔ سنجیدہ مگر خوش مزاج۔

ایک سال بعد وہ پھر ہندوستان آئے اب وہ اپنے ملک کے وزیر خارجہ تھے۔ اس زمانے میں ہندوپاک کے درمیان تعلقات کچھ بہتر ہو گئے تھے۔ شاید اسی لئے پاکستان ہائی کمیشن واقع تلک نگر میں تقریباً ایک ہزار مہمانوں کو مدعو کیا گیا۔ بھٹو صاحب کے پاس ہر مہمان کے ساتھ ہاتھ ملانے کے لئے چند سیکنڈ سے زیادہ وقت نہ تھا۔

قطار میں جب میری باری آئی تو میں نے بھٹو صاحب کو مسکراتے ہوئے دیکھا کہنے لگے۔ ''مسز ملک دوبارہ ملاقات پر میں بڑی مسرت محسوس کر رہا ہوں پریس کلب میں میں آپ کی مہمان نوازی کو کبھی نہیں بھولوں گا۔''

میں حیران ہوگئی اور سوچنے لگی کہ مسٹر بھٹو کو کس نے بتایا لیکن بعد کے پاکستان پریس کونسلر نے مجھ سے کہا کہ مسٹر بھٹو کو کوئی بات یاد کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کی یادداشت بڑی تیز ہے اور خاص طور سے جرنلسٹ کو تو وہ بالکل نہیں بھولتے۔

مسٹر بھٹو 1964 میں بھی آئے جب جواہر لال نہرو اس دار فانی سے کوچ کر گئے تھے۔ سابق وزیراعظم کی آخری رسوم میں مسٹر بھٹو نے اپنے ملک کی نمائندگی کی اس وقت کے صدر پاکستان جنرل ایوب خاں نے مسٹر بھٹو کو پنڈت نہرو کے برابر عزت دی تھی۔ پنڈت نہرو وزیراعظم ہی نہیں وزیر خارجہ بھی تھے۔ اسی دن شام کو مسٹر بھٹو نے پریس کانفرنس طلب کی مین نے دیکھا کہ ان کا چہرہ بڑا غمگین تھا۔ وہ کالے کوٹ میں ملبوس تھے اور کالی ٹائی باندھے ہوئے تھے۔ وہ حقیقت میں مجسم سوگوار تھے۔ ان کے دل میں پنڈت نہرو کا بڑا احترام تھا۔ میری طرف مخاطب ہو کر بولے ''مسز ملک آج بڑے غم کا دن ہے۔ جواہر لال نہرو سے ہمارے اختلافات تھے لیکن میں جب طالب علم تھا تو ہمارا ہیرو کون تھا......؟

پنڈت جواہر لال نہرو وہ عظیم انسان تھے، عظیم شخصیت کے مالک تھے۔ ایک بڑے

www.bhutto.org

آئیڈیلسٹ اور تخلیقی انسان تھے، برصغیر ایک برگزیدہ شخصیت سے محروم ہو گیا۔ وہ جو کچھ کہہ رہے تھے اور جس انداز میں کہہ رہے تھے۔ ظاہر ہوتا تھا کہ یہ ان کے دل کی آواز ہے۔ اس امر کے باوجود کہ چند ہی دن بعد انہوں نے ہندوستان کے خلاف ایک ہزار سال تک جہاد کرنے کی بات کہی تھی۔

مسٹر بھٹو کی یادداشت اس وقت بھی دیکھنے میں آئی جب انہوں نے سنگاپور کے ایک ہوٹل میں ایک ہندوستانی نامہ نگار کا نام لے کر پکارا کہ" کہیے کہ آج رات کھانے کا آپ نے کیا انتظام کیا ہے۔"

یہ نامہ نگار دولت مشترکہ کانفرنس کی کارروائی قلم بند کرنے کے لئے وہاں پہنچا تھا جس میں مسٹر بھٹو بھی وزیر تعلیم کی حیثیت سے اپنے ملک کی نمائندگی کر رہے تھے اور اسی ہوٹل میں ٹھہرے تھے جس میں کہ مذکورہ نامہ نگار کا قیام تھا۔ مسٹر بھٹو کی صرف ایک مرتبہ اس نامہ نگار سے ملاقات اس وقت ہوئی تھی جب وہ ایک پریس پارٹی کے ساتھ نام نہاد آزاد کشمیر گیا تھا اور یہ پارٹی پنڈت نہرو کے انتقال کی بناء پر درمیان میں ہی واپس آ گئی تھی۔ نامہ نگار نے مسٹر بھٹو کی طرف حیرت سے دیکھا اور جواب دیا" میں نے ابھی تک کوئی انتظام نہیں کیا ہے۔"

"تب تو پھر مجھے بڑی خوشی ہوگی اگر آپ ڈنر میں میرے ساتھ شریک ہوں۔"

اور جب وہ ڈنر کے لئے بیٹھے تو مسٹر بھٹو نے ہندوستانی نامہ نگار کی طرف مخاطب ہو کر کہا" مجھے معلوم ہے آپ وہسکی پسند نہیں کرتے اس لئے میں نے وائن کا آرڈر دیا ہے" بھٹو کے بارے میں ایسی بہت سی کہانیاں ہیں۔ ہر نامہ نگار جس نے بھٹو سے ملاقات کی اپنی کہانی رکھتا ہے اور اس بات سے اتفاق کرتا ہے کہ بھٹو حقیقت میں ایک دوست آدمی تھے اور بین الاقوامی پریس ٹی وی میں ان کا بڑا احترام تھا۔ آج اس دنیا میں موجود نہیں ہیں۔ بین الاقوامی پریس ایک عظیم شخصیت سے محروم ہو گیا ہے۔

(27 اپریل 1979)

www.bhutto.org

پاکستان کا بحران

(واشنگٹن پوسٹ)

قانون کی خلاف ورزی کرنے والے اپنے شہریوں کے بارے میں خود فیصلہ کرنے کے پاکستان کے حق پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ لیکن ایک اعتبار سے اس معاملے میں فیصلہ پاکستان کے بارے میں بھی ایک فیصلہ ہوگا۔ لندن میں مرکز رکھنے والی ایمنسٹی انٹرنیشنل پہلے ہی صدر ضیاء سے بھٹو کی جاں بخشی کے لئے اپیل کر چکی ہے۔ دوسرے کئی لوگ اس اخبار سمیت جو سزائے موت کے مخالف ہیں۔ وہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ اگر رحم کیا جائے تو انصاف کے تقاضوں کی بہتر طور پر تکمیل ہوگی۔ ایک پھانسی چڑھے بھٹو سے سیاسی انتقام کے برسوں کی بہت زیادہ صدائیں آتی ہیں۔ اس لئے بہتر ہے کہ اسے پیچھے چھوڑ دیا جائے۔ ایک زندہ بھٹو پاکستانیوں کے لئے سیاسی اقتدار کے غلط استعمال کے خطرات اور قیادت کی تبدیلی کو روبہ عمل لانے کے لئے پر امن طریقوں کی تلاش کی فوری ضرورت کو شدت کے ساتھ یاد دلاتا رہے گا۔

سوویت یونین کی طویل ایشیائی سرحد پر واقع ممالک ایران اور ترکی (افغانستان خصوصی حیثیت کا حامل ہے) کے بعد پاکستان تازہ ترین ملک ہے جس کو ایسی داخلی گڑبڑ کا سامنا ہوگا، جو جغرافیائی سیاسی زلزلے پیدا کرے گی۔ ان کی امتیازی خصوصیات سے قطع نظر یہ تینوں ((ممالک) مغربی مزاج رکھنے والے مقامات تھے جن کی جدیدیت کے لئے جدوجہد نے عوامی توقعات کو ابھارا تھا۔ سماجی اور ثقافتی اکھاڑ پچھاڑ کا سبب بنی تھی اور ایسے اسلامی رجحانات کے احیاء کے لئے نقطۂ آغاز فراہم کیا تھا۔ جو ملک کے مستقبل پر سایہ ڈالیں گے۔ پاکستان کو اپنے

مشرقی بازو (اب بنگلہ دیش) سے محرومی کے سانحے کو بھگتنا پڑا تھا اور اس کے بعد کے سیاسی اثرات کے ساتھ ساتھ اب اس بحران سے دوچار ہے، جس سے اس کے وجود کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔

صدر جنرل ضیاء الحق نے 1977 میں فوجی بغاوت کے ذریعے منتخب صدر (درحقیقت وزیراعظم) ذوالفقار علی بھٹو کو معزول کیا اور ایک سیاسی حریف کے قتل کا حکم دینے کی بناء پر ان پر مقدمہ چلایا۔ سپریم کورٹ نے مقدمے کی سماعت کرنے والی عدالت کے مجرم قرار دینے کے فیصلے کی توثیق کر دی ہے اور جنرل ضیاء پر لازم ہوگیا ہے کہ وہ فیصلہ کریں کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ جنرل ضیاء میں مسٹر بھٹو کے دونوں جوازوں کی کمی ہے۔ ایک تو ان کا منتخب ہونا۔ دوسرے ان کی مقبولیت گوکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ عوامی لہر پر سوار ہوکر موخرالذکر (مقبولیت) کی پابجائی کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان کے سامنے ایک مسئلہ ہے اگر وہ مسٹر بھٹو کو پھانسی دیتے ہیں تو سیاستدانوں کا حلقہ ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کرسکتا ہے۔ اگر وہ معافی دیتے ہیں تو مسٹر بھٹو جواتنے ہی منقسم مزاج ہیں جس قدر کہ وہ ذہین ہیں۔ ایسی مہم کو آگ دکھا سکتے ہیں جو یہی اثر ڈالے۔

پرانے دوست کی حیثیت سے امریکہ پاکستان کی سالمیت میں گہری دلچسپی رکھتا ہے۔ خاص طور پر ایسی صورت حال میں جب کہ بعض دوسرے امریکہ کے حامی قلعے ٹوٹتے معلوم ہوتے ہیں۔ کئی دعوے داروں کے ہوتے ہوئے جمی کارٹر نے اتنی اقتصادی اور فوجی امداد فراہم کی ہے جتنی کہ وہ کر سکتے تھے۔ گوکہ یہ اتنی کافی نہیں ہے کہ پاکستان یہ محسوس کرے کہ وہ اس کی ترقی اور تحفظ میں اسی قدر مخلص ہیں جس قدر کہ ماضی میں ری پبلکن صدر رہے ہیں۔ بھٹو بحران میں مسٹر کارٹر کو ایسا رویہ تلاش کرنا تھا جو اس ملک کی روایتی دوستی، استحکام کے لئے اس کی فکرمندی اور اس کی انسان دوستی کے تقاضوں کی تکمیل کرسکے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آخر کار انہوں نے جنرل ضیاء کو جو مشورہ دیا ہے اس کا محرک آخری عنصر (انسان دوستی) بنا ہے۔ انہوں نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ معافی کا فیصلہ ہر جگہ کے صحیح فکر رکھنے والے لوگوں کے ان کے لئے (ضیاء کے لئے) احترام کا باعث ہوگا۔

ہم نے اس تجویز کو نہ صرف سرپرستانہ بلکہ بڑی حد تک منفی اثرات کا حامل پایا۔ اندیشہ

www.bhutto.org

یہ ہے کہ اسے ایسے وقت میں پاکستان کے داخلی معاملات میں مشفقانہ مداخلت سمجھا جاتا ہے جب کہ جنرل ضیاء امریکہ سے اس سے بالکل مختلف کسی اور چیز کے متمنی ہیں۔ظاہر ہے کہ جنرل ضیاء کو جس بات کی زیادہ فکر ہے وہ انتظامیہ کا وہ مجموعی رویہ ہے جو وہ اس علاقے میں اختیار کریں گے۔ گڑبڑ کو مدنظر رکھتے ہوئے انہوں نے ملتجیانہ انداز میں مطالبہ کیا کہ مسٹر کارٹر ایک بڑی طاقت کے صدر کی حیثیت سے عمل کریں۔سیاق وسباق میں واضح طور پر ان کا مطلب یہ تھا کہ امریکہ کو اپنے دوستوں کی اور زیادہ مستحکم انداز میں معاونت کرنی چاہیئے۔انتظامیہ مقامی اور علاقائی سطح پر مختلف طریقوں سے ایسا کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔لیکن پاکستان کو امداد دی جا رہی ہے، آیا وہ اس پر منڈلانے والے طوفان میں نمایاں کمی کر سکے گی۔یا نہیں۔بدقسمتی سے اب بھی ایک سوال کی صورت میں ہے۔

www.bhutto.org

بھارت

(سید احمد علی سعید)

بھٹو کو دی گئی موت کی سزا اسلامی احکامات کے خلاف ہے۔

ہر مسلمان فرد کو اس وقت یہ دیکھنا ہے کہ وہ قوم جو اسلامی احکام کے نفاذ کا مطالبہ کر رہی ہے اور وہ حکومت جو اسلامی احکام کے نفاذ کا وعدہ کر رہی ہے اس کے دور حکومت میں ایک عظیم حادثہ ہونے جا رہا ہے۔ جو اسلام اور شریعت کے قطعاً خلاف ہے لیکن وہ حضرات جنہوں نے الیکشن کی غلط کاریوں کے نام سے اسلام کا نام لے کر ایک ہنگامہ کھڑا کیا تھا وہ بھی آج اس غیر اسلامی عظیم حادثہ پر اپنے لبوں پر مہر خموشی لگائے ہوئے ہیں۔

دعویٰ یہ ہے کہ احمد رضا قصوری اور ان کے والد ایک کار میں جا رہے تھے۔ کار پر حملہ ہوا۔ گولیاں چلیں، مقصد تھا احمد رضا قصوری کو مار دینا لیکن وہ بچ گئے اور ان کے والد گولیوں کا نشانہ بن گئے۔

یہ نہیں کہا گیا کہ بھٹو نے گولی چلائی بلکہ گولیاں چلانے والا بھٹو کا آلۂ کار تھا چنانچہ اخبار ''دعوت'' ہی کے مضمون سے ظاہر ہوتا ہے کہ خفیہ پولیس کے ذریعے حملہ کرایا گیا۔ اسلامی اور مصطفوی قانون کی رو سے یہ قتل خطا ہے۔ اس لئے کہ احمد رضا قصوری کے والد کو قتل کرنا مقصود نہیں تھا اور قتل خطا میں قتل کرنے والے پر بھی قصاص نہیں۔ جیل و بند کی صعوبتیں نہیں ہیں۔ بلکہ کفارہ ہے۔ پھر شرعی حکم تو یہ ہے کہ اگر چند افراد ایک شخص پر ایک ساتھ حملہ کر کے اسے قتل کر دیں تو جس نے زخم کاری لگایا، جس سے موت واقع ہوئی، صرف اس سے قصاص لیا جائے گا، دوسروں سے

www.bhutto.org

نہیں اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ بھٹو نے قتل کا حکم کیا تھا اور اس کا شرعی ثبوت بھی فراہم ہو گیا تو پھر بھی اسلامی اور شرعی قانون کی رو سے بھٹو پر قصاص نہیں آتا اور اس کو پھانسی نہیں دی جا سکتی۔

لیکن وہ محکمہ جس کے سامنے بھٹو کو مجرم بنا کر پیش کیا گیا ایک ہی نہیں بلکہ کئی افراد کو پھانسی کا حکم کر رہا ہے۔ یعنی جن جن کو سازش میں ملوث کیا گیا ان سب کو گردن زدنی قرار دیدیا گیا۔

یہ فیصلہ اسلام اور مصطفوی قانون کے خلاف ہے اور اگر یوں کہا جائے کہ فوجداری یا فوجی عدالت کے قانون کے تحت ایسا ہی ہوتا ہے۔ تو اس عظیم واقعہ اور حادثے میں اسلامی احکام کے نفاذ کا نام لینے والوں اور مطالبہ کرنے والوں پر کیا یہ اسلامی فریضہ عائد نہیں ہوتا کہ کم از کم وہ یہی اعلان کر دیتے کہ یہ فیصلہ احکام اسلامی کے قطعاً خلاف ہے۔ بجائے اس کے ایسی خلاف شرع سزا اور حکم کا سراہنا اسلام اور اس کے احکام اور اسلامی حکومت کو بدنام کرنا نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ جن کو مسائل اور احکام شریعت سے واقفیت ہے ان کے نزدیک یہ فیصلہ اور وہ بھی اسلامی قوانین کے نفاذ کا نام لینے اور وعدہ کرنیوالوں کی طرف سے اسلامی احکام کے خلاف اور توہین ہے اور اگر فقہا اور دانشوروں کا طبقہ اس کو ظلم عظیم سے تعبیر کرے تو ان پر اعتراض نہیں کیا جا سکے گا۔ اور ظلم کے بارے میں قرآن حکیم میں جو وعیدیں اور سزائیں ہیں ان کو کون پڑھا لکھا نہیں جانتا۔

یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ اس مضمون سے میرا مقصد کسی ملک کے معاملات میں مداخلت کرنا نہیں ہے بلکہ جو لوگ اسلام اور مصطفوی نظام کے نفاذ کا مطالبہ کر رہے ہیں اور جس حکومت نے مصطفوی نظام کے نفاذ کا بار بار وعدہ کیا اور کر رہی ہے اس کو اور عالم اسلام اور پوری دنیا کو یہ بتلانا مقصود ہے کہ بھٹو کو دی گئی سزا غیر اسلامی اور مصطفوی نظام کے سراسر خلاف ہے۔ جس مقدمہ میں بھٹو کو سزا دی گئی ہے اس میں بھٹو قید و بند کی سزا کا مستحق نہیں ہے کیوں کہ مقدمہ قتل کا ہے جس کی نوعیت قتل خطا کی ہے جس میں نہ قصاص ہے نہ جیل کی کوٹھڑی۔

www.bhutto.org

بھٹو، بیک وقت محبت اور نفرت کی ایک علامت

(جاوید لئیق)

بھٹو بچپن ہی سے جذباتی تھا۔ کیتھڈرل سکول بمبئی میں اس کے استادوں کو وہ ایک شدید جذباتی شاگرد کے طور پر آج بھی یاد ہے۔ 78 سالہ مسٹر بی نکسن جیمز کو جو بینائی کھو چکے ہیں مگر جن کی یادداشت آج بھی شیشے کی طرح صاف ہے، بھٹو نامی لڑکا بخوبی یاد ہے۔ بھٹو اکثر ان سے ملنے اور باتیں کرنے اس کے پاس جایا کرتے تھا، دراصل یہ ایک تنہائی کے شکار بچے کی ضرورت تھی جو اسے مسٹر جیمز کے پاس لے جاتی تھی، مسٹر جیمز نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا:

''میرا خیال ہے کہ اسے اپنے باپ سے وہ توجہ نہیں مل پاتی تھی جو کسی بچے کو ملنی چاہئے۔ چنانچہ پدرانہ شفقت کی بھوک اسے میرے پاس لے آتی تھی۔''

اس کے والد اپنی مصروفیات کی وجہ سے گھر سے باہر رہتے تھے اور ذوالفقار علی بھٹو انہیں چھٹی کے روز ہی دیکھ پاتا تھا مسٹر جیمز کا کہنا ہے:

''لڑکے کو اپنے وسیع و عریض مکان کے ایک حصہ میں تن تنہا رہنا پڑتا تھا۔ اس نے اسے خود بین اور سنجیدہ بنا دیا تھا، تاہم اس کی ذہانت مسلمہ تھی۔''

ایک دوسرے استاد مسٹر جے اولیور کا کہنا ہے:

www.bhutto.org

ذوالفقار ایک جذباتی لڑکا تھا جو اسکول جانے والے دوسرے لڑکوں کے مقابلہ میں سیاسی طور پر زیادہ بیدار مغز تھا۔"

اس کے قریبی دوستوں میں ایک تو پیلو مودی تھا جو آج جنتا پارٹی کے نامور رکن پارلیمنٹ ہیں۔ بچپن اور جوانی کے ابتدائی دنوں میں پیلو کے عم زاد جہانگیر اور سیلو موگا سیٹھ بھی ذوالفقار کے گہرے دوست تھے۔ سیلو کی نظروں میں زلفی نوجوانوں میں سب سے زیادہ شریف تھا۔ اس وقت کی رتی گندور اور آج کی مسز سیٹھنا زلفی کو ایک ڈرپوک سے لڑکے کے طور پر جانتی ہیں۔ سیلو جب 1974 میں بھٹو سے ان کے گھر پر لاڑکانہ میں ملیں تو انہوں نے مسٹر بھٹو کو اپنے بمبئی کے دوستوں کا بے حد مشتاق پایا۔ وہ اپنے اس دور کے دوستوں کے بارے میں بار بار پوچھتے رہے کہ وہ کہاں اور کیسے ہیں۔ سیلو کا کہنا ہے:

"میرے لئے زلفی صرف زلفی تھا اور ہمیشہ زلفی ہی رہیگا۔"

اس کے لئے جسے زلفی ہمیشہ "سس" کہہ کر پکارتا تھا، زلفی کی سیاست، اہمیت نہیں رکھتی۔ غصہ اور آتش مزاجی ایام طالب علمی کا حصہ ہوتی ہے، لیکن سیلر نے زلفی کو اس دور میں بھی انتہائی مہذب اور خوش لباس ہی پایا۔ زلفی کی اس ظاہری صورت کے پیچھے ایک ایسی بے چینی و بے قراری چھپی ہوئی تھی جس کا اظہار تقریری مقابلوں اور کھیلوں میں ہوتا تھا۔

اسکول میگزین کے شمارہ دسمبر 1942 میں بھٹو کا ذکر "جونیئر ڈیبیٹنگ سوسائٹی کی نمایاں شخصیات میں سے ایک کے طور کیا گیا ہے۔ اس کے کردار کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا "وہ اگرچہ واضح طور پر بڑی خوبی اور صفائی سے تقریر کرتا ہے، مگر بعض اوقات اس کی بلاوجہ کی طوالت پسندی اچھی بھلی تقریر کو تباہ کر دیتی ہے۔

کرکٹ میں اس کا چھا جانے والا، مگر مضطربانہ انداز نمایاں تھا۔ سکول میگزین کے شمارہ دسمبر 1945 میں اس کے بارے میں یہ الفاظ پائے جاتے ہیں۔

"سکول الیون کا بہترین بیٹسمین جس میں بے ساختہ پن اور درجہ اول کا بیٹسمین بننے کی حقیقی صلاحیت موجود ہے۔ اسے اپنے اندر کچھ صبر کا مادہ پیدا کرنا چاہئے۔"

www.bhutto.org

بھٹو کو جاننے والے سکول کے ساتھیوں کا کہنا ہے کہ زلفی میں نچلے درمیانہ طبقہ کے لئے مخصوص قسم کی بے حسی اور تحقیر کے جذبات پائے جاتے تھے۔ زلفی 1940 میں کراچی کے اسکول سینٹ پیٹرک میں داخل ہوا۔ اس اسکول میں اس کے ایک ساتھی کے قول کے مطابق اس میں جاگیردارانہ گھمنڈ پن زیادہ نمایاں تھا۔ اس کا ساتھی جو زلفی کی طرح ایک متمول جاگیردار خاندان کا رکن نہیں تھا۔ اپنے غصہ کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے:

''زلفی ہمیشہ کار میں سکول آتا تھا جبکہ ہم سائیکل پر آتے تھے۔ وہ اپنے ٹفن بکس میں سے دوپہر کا کھانا کھاتا تھا جبکہ ہم چھابڑی والوں سے لے کر کھاتے تھے۔ اس میں شروع ہی سے امارت کی خُوبُو پائی جاتی تھی۔''

زلفی کے امیرانہ رہن سہن سے چڑ کر ایک دفعہ ہیرو شروف نامی اس کے ہم جماعت نے دوسرے لڑکوں کے ساتھ مل کر زبردستی زلفی کے کھانے کا ڈبہ چھین لیا۔ جب وہ مال غنیمت پر ہاتھ صاف کر رہے تھے تو زلفی دیوار کے ساتھ کھڑا انہیں خاموشی سے دیکھتا رہا۔

1950 میں ہیرو شروف ٹرسٹ آف انڈیا کا نمائندہ بن کر کراچی پہنچا تو مسٹر بھٹو خندہ پیشانی سے ملے اور اسے مرغابی کے شکار کے لئے لاڑکانہ لے گئے۔ وہاں بھی انہوں نے اپنی امارت کا دل کھول کر مظاہرہ کیا۔ مرغابی کے شکار میں درجنوں لوگ شامل تھے جن میں سے کچھ مرغابیوں کو اڑانے اور باقی ان پر فائر کرنے پر متعین تھے۔ جونہی کوئی پرندہ نظر آتا مسٹر بھٹو اس پر فائر کرتے۔

بھٹو کے استاد نکس جیمز کے خیال میں مسٹر بھٹو کی بے گناہی ثابت شدہ نہیں،۔ تاہم رحم کی اپیل نہ کر کے مسٹر بھٹو نے جس جرات مندی کا ثبوت دیا اس سے انکار ممکن نہیں۔ ایک اور استاد سی۔ جی اولیور کا کہنا ہے کہ مسٹر بھٹو میں امیرانہ وقار اور طمطراق ان دنوں بھی پایا جاتا تھا جب وہ اسکول میں پڑھتے تھے۔ مشہور فلمی اداکارہ نرگس کہتی ہیں:

''نوجوان ذوالفقار میں جو چیز سب سے نمایاں تھی کہ ان میں امیرانہ ٹھاٹھ پایا جاتا تھا، کسی بھی ارسٹو کریٹ کی طرح اسے اعلیٰ معطر لباس پہننے کا شوق تھا۔ اگرچہ اسے بطور انگری

یننگ میں (تلخ مزاج نوجوان) پیش کیا جاتا تھا۔ مگر دراصل وہ نہایت نرم خو تھا۔ فلمی دنیا کے بارے میں اس کا ردعمل ایک عام طالب علم کا سا تھا۔ وہ ''مغل اعظم'' نامی پہلی فلم جس میں میں 1944 میں ہیروئن کا رول کر رہی تھی کی شوٹنگ دیکھنے آیا کرتا تھا۔ یہ فلم مکمل نہ ہو سکنے کی وجہ سے کبھی ریلیز نہ ہو سکی۔''

نرگس نے اس خیال کو مسترد کر دیا کہ نوجوان زلفی اس سے محبت کرتا تھا۔ نرگس کا کہنا ہے کہ یہ اس کا سوتیلا بھائی سکندر تھا جو مذاق میں نرگس سے کہا کرتا تھا کہ ''اگر تم نے میرے ساتھ شادی نہ کی تو میں زہر کھا لوں گا۔''

نرگس نے مزید بتایا کہ ان دنوں ہم جوہو (بمبئی) پر اکثر پکنک منانے جایا کرتے تھے۔ ان پارٹیوں میں ذوالفقار اکثر خاموش رہتا تھا اور اس میں کسی قسم کا غرور یا گھمنڈی پن نہ پایا جاتا تھا۔ ہمارے گروپ میں اگر کوئی آتش مزاج نوجوان تھا تو وہ سکندر بھٹو تھا جو پینے پلانے اور لڑکیوں سے چھیڑ چھاڑ کرنے کا عادی تھا۔''

کیتھڈرل اسکول کے دنوں ہی میں ذوالفقار کو خواتین کے حلقوں میں پسند کیا جانے لگا تھا۔ تعطیلات کے دوران میں وہ ایک دفعہ مسوری گیا تو وہاں لڑکیوں میں اس کے بارے میں بہت ہلہ گلہ رہا۔ اسکول میں اسے ایک اچھے ڈانسر کی شہرت بھی حاصل تھی۔

امیرانہ طمطراق، ڈانسنگ، خوشبویات اور ساحل سمندر پر منائی جانے والی پکنک پارٹیوں کے باوجود ذوالفقار کی حقیقی خواہشات بہت مختلف اور سنجیدہ تھیں۔ وہ فرانسیسی فاتح نپولین بونا پارٹ کا بہت مداح تھا اور اس کے بارے میں ہر تحریر بڑے شوق سے پڑھتا۔ اس نے جو ترکہ چھوڑا ہے اس میں کلفٹن (کراچی) کے گھر کی وہ شاندار لائبریری بھی ہو گی جس میں نپولین کے بارے میں لکھی گئی ہر قابل ذکر کتاب موجود ہے۔

رتی گنذور کا کہنا ہے کہ ذوالفقار کے اصل عزائم کا انہیں اس وقت پتہ چلا جب وہ 1950 میں زلفی سے آکسفورڈ میں ملیں۔ ''اسے بخوبی علم تھا کہ اس کی منزل کیا ہے اور اسے کیا بننا ہے۔ وہ ایک کامیاب سفارت کار اور سیاستدان بننا چاہتا تھا۔''

www.bhutto.org

سیلو سے سیاسیات سے گفتگو کرتے ہوئے ذوالفقار ہمیشہ غریب لوگوں کی بات کرتا۔ وہ محسوس کرتا تھا کہ ان لوگوں کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور کرنا چاہئے۔ لاڑکانہ میں اپنے شاندار بنگلے میں بھی وہ یہی ذکر کرتا۔ ویسے غریبوں سے زبانی ہمدردی کرنا متمول طبقوں میں فیشن بھی سمجھا جاتا ہے اوران کے بارے میں بھٹو کی گفتگو کو بھی تجرید پسندی اور دورازکار ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔ بھٹو کی نفرت نچلے درمیانہ طبقے کے لئے مخصوص تھی۔ چنانچہ جب وہ پاکستان کی نوکر شاہی اور افسروں کے خلاف بولتا تھا تو نچلے درمیانہ طبقے سے اس کی دلی نفرت چھپی نہیں رہتی تھی۔ مسٹر بھٹو نے جنرل ضیاءالحق کو چھ سینئر جنرلوں کو نظر انداز کر کے فوج کا سربراہ بنایا تھا۔

مسٹر بھٹو ایک فرد کی حیثیت سے ختم ہو چکے ہیں۔ مگر انہوں نے پاکستان میں محبت اور نفرت کے جن جذبات کو انگیخت کیا تھا اس کے اثرات ملک پر سایہ فگن رہیں گے۔ بھٹو نے دسمبر 1946 میں ''جہان فردا'' کے موضوع پر ایک لاجواب مضمون لکھتے ہوئے تحریر کیا تھا:

''میں جانتا ہوں کہ یہ کوئی پیشگوئی نہیں کہ آج پیش آنے والے واقعات جہان فردا کی تشکیل کریں گے۔''

بھٹو کے اس دعوے کی تصدیق یا تردید مستقبل ہی کر سکے گا۔

www.bhutto.org

بھٹو کو پھانسی دے کر دنیا بھر کی رائے عامہ کی توہین کی گئی

(اسپیکٹیٹر، لندن)

جس وقت ذوالفقار علی بھٹو تختہ دار پر چڑھے تو کوئی نہیں جان سکتا تھا کہ اس بلاشبہ عظیم ذہن پر آخری وقت میں چھائے رہنے والے خیالات کیا تھے جو اتنے طویل عرصے سے امور مملکت اقتصادیات، صنعت، غربت اور بین الاقوامی سیاست سے بھرا رہتا تھا نہ ہی کوئی شخص اس بارے میں پریقین ہو سکتا ہے کہ وہ اس مرحلے سے کیسے سرخرو گزرتے لیکن اس صبر و برداشت کے مطابق جس کا مظاہرہ انہوں نے ڈیڑھ سال کی قید تنہائی کے دوران کیا۔ بلاشبہ انہوں نے یہ مرحلہ جرأت، یقین اور صاف ضمیر کے ساتھ طے کیا۔

ان کی زندگی کے آخری چند دنوں پر برسات ہو رہی تھی یہ دیسی پھوار والی برسات نہیں تھی۔ جس کے یو پی عادی ہیں بلکہ یہ گرم آب و ہوا رکھنے والے ممالک کی موسلا دھار بارش تھی۔ پاکستان کے عوام گمبھیر، خاموش اور اداس تھے وہ مارشل لاء کی موجودگی میں خود کو بے بس محسوس کر رہے تھے۔ جس کے تحت وہ ہر شخص کو موقع پر گرفتار کر لیتے تھے جو احتجاجی جلوس منظم کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ بے یقینی کی صورت حال بجائے خود اذیت ناک تھی کہ کسی بھی دن وہ جاگیں اور دیکھیں کہ سابق وزیر اعظم وفات پا چکے ہیں۔ صرف عالم تصور ہی میں یہ ممکن تھا کہ اس تنہا وجود کو دیکھا جائے جو کبھی قوی اور توانا تھا۔ سیمنٹ کی ایک سرد کوٹھڑی میں منتظر زرد چہرے پر

www.bhutto.org

بڑھی ہوئی داڑھی، کیونکہ اب ریزر کے استعمال کی اجازت نہیں تھی۔ ان کے انتظار کرنے کے لئے صرف 2 باتیں تھیں اول یہ کہ اپنے خاندان کو خدا حافظ کہیں، بیگم نصرت بھٹو اور ان کی بیٹی بے نظیر کو جن دونوں نے ان کی جان بچانے کے لئے بے رحمانہ جنگ جاری رکھی تھی۔ انہیں اجازت دی گئی تھی کہ وہ آخری بار 3 گھنٹے ان کے ساتھ گزاریں۔ جس وقت وہ جیل سے باہر نکلیں تو ان کے چہروں کے تاثرات سے اظہار ہوتا تھا کہ جو کچھ پیش آنیوالا ہے وہ اس سے آگاہ ہیں۔ 4 اپریل کو نصف شب کے بعد 2 بجے اس فوجی بغاوت کے 21 ماہ بعد جس نے انہیں 5 جولائی 1977 کو اقتدار سے محروم کیا تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو کو راولپنڈی ڈسٹرکٹ جیل میں پھانسی دے کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا جہاں انہوں نے آخری ساڑھے دس ماہ گزارے تھے۔

ان لوگوں کے نزدیک جو بھٹو کو تاریخ میں ایک مقام دینا چاہتے ہیں وہ اس کے مستحق ہیں کیونکہ انہوں نے 7 کروڑ عوام کے اس ملک کا وقار اور حوصلہ بحال کیا تھا جو 1971 میں اس وقت بے وقار اور بے حوصلہ ہو گیا تھا جب آزاد بنگلہ دیش بننے کے لئے مشرقی پاکستان علیحدہ ہو گیا تھا۔ غیر فوجی حکومتوں کے عدم استحکام اور فوجی آمریتوں کے بعد بھٹو کی عوامی حکومت پاکستان کی تاریخ کی پہلی حکومت تھی جو قبولیت عام کی حامل تھی۔

بھٹو نے اچھی بنیادوں سے آغاز کیا تھا انہیں ایک دولت مند خاندان اور اچھی تعلیم کے تمام فوائد اور مواقع حاصل تھے اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی اپنی صلاحیتیں اور انتہائی بلندی تک پہنچنے کی خواہش شامل تھی 1971 کی جنگ کے بعد جب وہ صدر اور اس کے بعد وزیراعظم بنے تو ان کی عمر صرف 43 سال تھی۔ بلاشبہ بھٹو نے اپنے دورِ اقتدار میں دشمن بنائے، ان لوگوں کو جوان کی کامیابی سے حسد کرتے تھے۔ ان کی سوشلزم کی ان پالیسیوں سے نفرت کرتے تھے جن کے بارے میں بھٹو محسوس کرتے تھے کہ ملک کے لئے ضروری ہیں اور وہ لوگ جو یہ یقین کرتے تھے بھٹو کا مغربی طرز زندگی غیر اسلامی ہے بھٹو نے خود اس کش مکش کا اعتراف کیا جو ایک رئیس تھے اس کے باوجود بڑے شد و مد سے پاکستان کے غریبوں کی مدد کرنے پر یقین رکھتے تھے۔ ان کے حامی انہیں یہ اعزاز دیتے ہیں کہ انہوں نے عوام کے سیاسی شعور کو جگایا اور انہیں وقار اور عزت نفس دی

www.bhutto.org

انہوں نے تکلیفیں اٹھا کر ملک کے غریب علاقوں میں مہم چلائی اور عوام نے ان کے بہتر زندگی کے وعدوں سے حوصلہ پکڑا۔

اکثر بیرونی مبصرین کو یہ محسوس ہوا کہ آخر کار بھٹو کے دور میں پاکستان ہندوستان کے مقابلے میں احساس کمتری سے چھٹکارا پا رہے تھے۔ یہ محسوس کیا جاتا تھا کہ ایک ایسے ملک کے لئے جو جاگیرداری کے بندھنوں سے نکل رہا تھا اور صرف مشترکہ عقیدے کی بناء پر اکٹھا تھا کسی حد تک مطلق العنانی ضروری تھی۔ بھٹو نے علیحدگی کے مسئلے سے اس انداز میں نمٹا جسے ان کے مخالفین نے جابرانہ قرار دے کر اس پر تنقید کی لیکن بھٹو وفاق میں اتحاد چاہتے تھے اور 1977 تک یہ مسائل ختم ہو گئے تھے بھٹو اور پیپلز پارٹی کے نئے سرے سے عوام کے اعتماد کا ووٹ حاصل کرنے کے بعد یوں لگتا تھا جیسے کہ پاکستان میں امن اور خوشحالی کا ایک دور شروع ہونے والا ہے۔

لیکن مارچ 1977 میں انتخابات میں مبینہ دھاندلی جو حزب اختلاف کی جماعتوں کی طرف سے غضبناک احتجاج پر منتج ہوا اس سے نشاندہی ہوئی کہ نہ تو ان کے دور اقتدار سے ہر آدمی خوش تھا نہ ہی ان لوگوں سے جو ان کے اطراف جمع تھے یہ ایک ایسے زوال کا نکتہ آغاز تھا۔ جو ایک منتقمانہ اختتام کو پہنچا۔ اگلا مرحلہ 1977 میں مارشل لاء کا نفاذ تھا۔ اس کے فوری بعد سے بھٹو کو ملک کے حکمران کی بجائے اس حد تک گھٹا دیا گیا کہ انہیں ایسا ''عام مجرم'' پکارا جانے لگا جو پہلے تو 1974 میں اپنے ایک مخالف کے قتل کی سازش کے مقدمے میں پھر سپریم کورٹ آف پاکستان میں اپنی طویل اپیل پر دوسرے لوگوں کے انصاف کا انتظار کر رہا ہو۔

ابتداء ہی سے یہ بات واضح تھی کہ حکام کس قسم کا فیصلہ چاہتے تھے اور انہوں نے الزام کی تائید میں ڈھیروں لٹریچر فراہم کیا جن میں ان کے رویے کے ہر پہلو کے بارے میں غیر ثابت شدہ الزامات لگائے گئے۔ اور جسے ان کے حامی ایسا بدترین انتقام قرار دیتے ہیں جس کی اس سے پہلے کوئی مثال نہیں ہے۔ یہ قریب قریب ایسا ہی تھا جیسے کہ فوجی حکومت بھٹو کے خلاف قتل کے الزام کی مشکوک نوعیت جانتی تھی اور اس کی کو پورا کرنے کے لئے دوسرے بے بنیاد الزامات لگا رہی تھی تا کہ عوام کو یقین دلانے کی کوشش کرے کہ بہر طور وہ ہلاک کئے جانے کے مستحق ہیں۔

www.bhutto.org

لوگوں کے یقین کے مطابق ایک شدید بداخلاقی یہ کی گئی کہ اس روز جس کی رات کو بھٹو کو پھانسی دی جانی تھی ان کی کراچی اور لاڑکانہ کی رہائش گاہوں پر چھاپے مارے گئے جس سے یہ ظاہر ہوا کہ بھٹو خاندان پر حکام کے حملے ابھی ختم نہیں ہوئے ہیں۔

اکثر لوگوں کو یقین ہے کہ رحم کئے بغیر بھٹو کو پھانسی چڑھانا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ جو لوگ اس وقت برسر اقتدار ہیں وہ تلے ہوئے تھے کہ ہر صورت میں بھٹو سے جان چھڑائی جائے۔ اس کے غصے میں بھرے ہوئے اور شکستہ دل حامیوں نے رحم کی لئے مضبوط اسباب کی موجودگی کی طرف نشاندہی کی ہے کہ سابق وزیراعظم زیادہ سے زیادہ اعانت جرم کے مرتکب ہوئے تھے کہ الزام جس کی بنیاد ناقابل یقین شہادت پر تھی اس کا انحصار ایک ایسے شخص کے الفاظ پر تھا جس نے سابق وزیراعظم کے خلاف گواہی دے کر معافی حاصل کی تھی۔ کہ اپیل پر فیصلہ اخلاقی تھا۔ 3-4 کا فرق تھا جس میں اقلیت نے بری کرنے کا فیصلہ کیا تھا کہ استعمال ہونیوالا اسلحہ کے بارے میں غیر ثابت شدہ اور متضاد مفروضے تھے جو قتل میں سیکیورٹی فورس کے کردار کو مشتبہ بناتے ہیں اور آخری بات یہ کہ ہائی کورٹ کے فیصلے میں سزائے موت اس بناء پر دی گئی کہ وہ اچھے مسلمان نہیں تھے۔ اس اظہار خیال کو سپریم کورٹ نے اپنے فیصلے سے خارج کرنا مناسب سمجھا۔ نیز یہ کہ ضیاء کے اعلان کردہ نئے اسلامی قوانین میں رحم کی ایک انتہائی اہم شرط ہے لیکن ان تمام عوام کے باوجود اور ساری دنیا سے رحم کی کئی قسم کی اپیلوں کے باوجود کوئی رحم نہیں کیا گیا۔ ایشیائی سیاست کی دگرگوں فضا میں فوجی حکومت نے یقیناً یہ محسوس کیا کہ جب تک بھٹو کو پھانسی نہ چڑھا دیا جائے، بدلی ہوئی سیاسی صورت حال انہیں گھن گرج کے ساتھ دوبارہ برسر اقتدار لے آئے گی۔ ضیاء الحق نے الزام قتل کے سیاسی مضمرات سے ہمیشہ انکار کیا۔ لیکن سزا میں تخفیف کے اپنے اختیار کو استعمال نہ کر کے انہوں نے دکھلا دیا ہے کہ وہ اس کا ادراک رکھتے تھے۔

آخری تجزیے میں بہت سے لوگ یقین رکھتے ہیں کہ 1979 میں پاکستان کے لیڈروں نے انتہائی غلط اندازے لگائے ہیں۔ ایک سابق سربراہ مملکت کے سلسلے میں اپنی ناشکری کا اظہار کر کے جس کی کوئی مثال نہیں ملتی، ان لوگوں نے ایک خاندان اور عوام کو المیے سے دوچار کر

www.bhutto.org

دیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ محسوس کیا جاتا ہے کہ فوجی حکام بھٹو کے حامیوں کو لامحدود عرصے تک جیلوں میں نہیں رکھ سکتے اور جلد یا بدیر عوام ابھریں گے اور بھٹو جو ایک روایت بن چکا ہے وہ انہیں وجدانی تحریک دے گا کہ............ بھٹو نے خود کہا تھا کہ اگر انہیں پھانسی دے دی گئی تو پاکستان، وہ ملک جو پہلے ہی صوبائی جذبات سے دوچار ہے، بکھر جائے گا، یقیناً بھٹو کو صفحۂ ہستی سے ہٹانے کے لئے فوجی حکام نے ملک کے مفاد کے سلسلے میں ہر طرح کے خطرات مول لئے ہیں، جیسا کہ بھٹو خود کہتے ہیں، صحیح وقت آنے پر ہی عوام کو پتہ چلے گا کہ ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دینا پاکستان کے لئے کتنی بڑی تباہی تھی اکثر لوگوں کو یقین ہے کہ انہوں نے ایک عظیم رہنما کو تباہ کر دیا ہے اور خود اپنے لئے ایک طویل کش مکش مول لی ہے۔

www.bhutto.org

بھٹو خاندان اور پیپلز پارٹی کے خلاف سخت کارروائیاں کی گئیں۔

(دی ٹرائیبون، شکاگو)

پاکستان کے سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو اس ایک شخص سے جو انہیں بچا سکتے تھے، یعنی صدر پاکستان آخری مرحلے پر اپیل مسترد کرتے ہوئے ایک سال تک موت کا انتظار کرنے بعد بدھ کے دن علی الصبح راولپنڈی جیل میں پھانسی چڑھ گئے۔

حکومتِ پاکستان نے بدھ کے دن تصدیق کر دی کہ بھٹو کو پھانسی دے دی گئی اور آٹھ گھنٹے کے اندر اندر صوبہ سندھ میں ان کے آبائی شہر کے قریب انہیں دفنا دیا گیا۔

ریڈیو پاکستان سے نشر ہونے والے وزارت داخلہ کے ایک اعلامیہ میں کہا گیا کہ 51 سالہ سیاستدان جو 1971 اور 1977 تک ملک پر چھائے رہے اور 21 ماہ قبل فوجی بغاوت کے ذریعے انہیں معزول کرنے والے ۴ ستاروں والے جنرل ضیاء الحق کے رحم کی تمام اپیلوں کو مسترد کر دینے کے بعد انہیں نصف شب کے بعد 2 بجے پھانسی دے دی گئی۔

انہیں پچھلے سال 1974 میں قتل ہونے والے ایک سیاسی دشمن کے قتل کا حکم دینے پر سزائے موت سنائی گئی تھی۔

سرکاری اعلامیہ میں کہا گیا ہے کہ پاکستانی فضائی فوج کا ایک طیارہ ان کی میت کو جنوبی پاکستان میں بھٹو کی جائے پیدائش نوڈیرو لے گیا اور یہ کہ انہیں دفن کر دیا گیا ہے۔ اس سے

www.bhutto.org

www.bhutto.org

پہلے کی غیر سرکاری اطلاعات کے باوجود ان کی میت کو ایک خفیہ غیر نشان زدہ قبر میں دفن کر دیا گیا ہے، وزارت داخلہ نے کہا کہ میت قبرستان میں ان کے دو چچاؤں کے حوالے کر دی گئی۔

سرکاری اعلان سے گھنٹوں قبل اردو زبان کے اخبارات جنگ اور نوائے وقت نے کراچی اور راولپنڈی سے شائع ہونے والے خصوصی ایڈیشنوں کے ذریعے اس کی اطلاع دی تھی۔

صدر کارٹر دنیا کے ان سیاسی اور مذہبی رہنماؤں میں ایک تھے جنہوں نے بھٹو کے لئے رحم کی اپیلیں کی تھیں۔

مغربی تجزیہ نگاروں کو اندیشہ تھا کہ پھانسی پاکستان کو ایک شدید سیاسی بحران میں دھکیل دے گی۔ اور شمال مغربی سرحد کے علیحدگی پسندی کے جذبات میں اضافہ کرے گی۔ بھٹو کے اپنے صوبے میں ہائی کورٹ نے اس مقدمے کا اس نکتۂ نظر سے جائزہ لیا کہ آیا اسلامی قانون کی روشنی میں سزائے موت درست ہے یا نہیں، مگر اس نے اس سے قبل اس جائزے کے دوران پھانسی کو روکنے سے انکار کر دیا تھا۔ حبسِ بیجا کے اجرایت پروانہ کی درخواست عدالت نے مسترد کر دی تھی۔

اپیلوں کے خاتمے نے بھٹو کو تقدیر کی ضیاء کے ہاتھ میں دے دیا جنہیں یہ اختیار حاصل تھا کہ رحم کی درخواست منظور کریں۔ معافی دے دیں یا سزائے موت میں تخفیف کر کے عمر قید میں بدل دیں۔ افواہوں اور سرکاری خاموشی کے ایک بارش زدہ دن بھٹو کی بیٹی، بے نظیر بھٹو اور ان کی والدہ بیگم نصرت بھٹو نے جیل میں بھٹو سے ملاقات کی۔ وہ پتھرائے ہوئے چہروں کے ساتھ ایک منتظر سرکاری کار میں سوار ہو گئیں۔

ان کے تاثرات ان کئی علامتوں میں سے ایک تھے کہ بھٹو کو جلد پھانسی دے دی جائے گی۔ خاندان کے دوسرے افراد کی ملاقاتیں منسوخ کر دی گئیں۔ اس کے علاوہ دونوں خواتین کو پہلے جو آدھے گھنٹے ملاقات کا وقت دیا جاتا تھا اس کی بجائے ٣ گھنٹے کا وقت دیا گیا۔

بھٹو کے صفائی کے وکیل اور دوست عبدالحفیظ پیرزادہ نے پہلی بار منگل کے دن اخباری نمائندوں سے بات کرنے سے انکار کر دیا۔ اور صحافی افراد خاندان یا وکیلوں کسی بھی شخص کو جیل کے قریب جانے کی اجازت نہیں دی گئی۔ سابق وزیر اعظم کے سب سے بڑے بیٹے آکسفورڈ کالج

کے گریجویٹ اسٹوڈنٹ میر مرتضٰی بھٹو نے لندن میں کہا کہ انہیں یہ سن کر صدمہ پہنچا کہ ان کے والد کو پھانسی دے دی گئی ہے۔

اگر یہ خبر درست ہے تو جو کوئی بھی اس قتل کا ذمہ دار ہے اسے بھاری قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ ردعمل کے شروع ہونے میں (پاکستان میں) کچھ وقت لگے گا لیکن حکومت اس پر قابو نہیں پا سکے گی، اس کا میں وعدہ کر سکتا ہوں انہوں نے کہا۔

دوسرے بیٹے شاہنواز نے لندن میں کہا کہ ضیاء ''قاتل'' ہیں۔

''انہوں نے مایوس اور خوفزدہ ہو کر ایسا کیا ہے، میرے والد کی مقبولیت سے خوفزدہ ہو کر، اس بات سے خوفزدہ ہو کر کہ وہ میرے والد کی نیک نامی کو تباہ نہیں کر سکے۔'' انہوں نے کہا ''وہ میرے والد کو سیاسی طور پر ہلاک نہیں کر سکتے تھے اس لئے انہوں نے انہیں جسمانی طور پر ہلاک کر دیا۔'' ضیاء کی فوجی حکومت نے ان کی موت کے خلاف احتجاج کے طور پر وسیع پیمانے پر ہونے والے فسادات کی پہلے سے بندش کرنے کے لئے بھٹو خاندان اور پاکستان پیپلز پارٹی کے خلاف سخت کارروائیاں کیں۔

واشنگٹن میں اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے ایک ترجمان نے کہا کہ ''کئی مواقع پر ہم نے اپنی اس توقع سے آگاہ کیا تھا کہ ان کی جان بخشی کی جائے گی۔''

واشنگٹن میں پھانسی کی خبر سننے کے بعد رہوڈس آئی لینڈ کے ایک سینئر ڈیموکریٹ اور سینٹ کی تعلقات خارجہ کمیٹی کے رکن کلے بورن ہیل نے ضیاء کو ''عیدی امین کی طرح کا'' قرار دے کر مذمت کی۔

ہیل نے پھانسی کے بارے میں کہا ''ایک وحشیانہ اقدام ایک ایسا اقدام جو میری رائے میں مہذب اقوام، ظاہر ہے کہ پاکستان ان میں شامل نہیں ہے کے احساسات کو جھنجوڑ دے گا۔''

بھٹو نے یونیورسٹی آف کیلیفورنیا اور انگلینڈ میں آکسفورڈ میں تعلیم حاصل کی تھی۔

(مئی 1979)

www.bhutto.org

بھٹو کی پھانسی کے بعد فوجی حکومت قوم کی ''تنظیم نو'' کرنے پر تلی ہوئی ہے

(ایشیا ویک)

پاکستان میں پچھلے ہفتے چند ایسے لوگ کھل کر سامنے آئے جو تخت کے پیچھے طاقت کی تشکیل کرتے تھے۔ یہ موقع تھا جبکہ پاکستان قومی اتحاد کے حکمتِ عملی کے طور پر حکومت سے علیحدہ ہونے کے بعد 15 نفری کابینہ نے حلف اٹھایا۔ اس کا اثر یہ ہے کہ اس بات کا مزید ثبوت فراہم ہوا ہے کہ سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دینے کے بعد کی کشیدہ صورتحال میں فوج اپنے صوابدید کے مطابق قوم کی ''تنظیم نو'' کرنے پر تلی ہوئی ہے۔

گو کہ بعض فوجی اپنے عہدوں پر برقرار رہے۔ نئی قطار بلاشبہ فوجیوں کی اکثریت پر مشتمل ہے۔ نئے آنے والوں میں سب سے نمایاں لیفٹیننٹ جنرل ایف اے چشتی ہیں جو پہلے صدر ضیاء الحق کے چیف آف سٹاف تھے اور جو باتیں مشہور ہیں ان کے مطابق وہ فوجی حکومت کی طرف سے کئے جانے والے تمام اہم فیصلوں میں ضیاء کے قریب مشیر رہے ہیں۔ قبائلی امور جیسے نازک محکمے میں وہ اہم ترین فرد رہے ہیں۔ پچھلے ہفتے کی الٹ پھیر میں چشتی محنت اور افرادی قوت کے وزیر بن گئے ہیں لیکن اندرونی حلقوں کا کہنا ہے کہ ان کے یہ القاب ضیاء کے اندرونی حلقے میں چشتی کی حیثیت کو پوری طرح ظاہر نہیں کرتے وہ انتظامیہ کے اصل فیصلے کرنے والوں میں شامل رہیں گے۔

www.bhutto.org

کابینہ میں دوسرے اہم چہروں میں ایئر مارشل انعام الحق (پانی و بجلی) ریٹائرڈ مرل فضل جنجوعہ (خوراک وزراعت) ریٹائرڈ میجر جنرل جمال سید میاں (ریلوے) اور میجر جنرل شاہد حمید (اطلاعات) شامل ہیں۔ وہ لوگ جو پچھلی ٹیم میں سے باقی رہ گئے یہ ہیں۔ آغا شاہی (امور خارجہ) علی احمد تالپور (دفاع) اور محمود ہارون (داخلہ)۔

اس طرح اس اصطلاح کے عمومی معنی میں نئی قطار میں کوئی سیاستدان نہیں اور ضیاء نے پچھلے ہفتے وضاحت کر دی ہے کہ غیر فوجیوں کی جگہ فوجیوں کی آمد ان کی منشاء کے عین مطابق ہے۔ انہوں نے یہ اعلان بھی کیا ہے کہ پاکستان کو استحکام دینے والی واحد طاقت فوج ہے اور اعلان کیا کہ اس یقین کی توثیق کے لئے بہت جلد دستور میں ترمیم کی جائے گی۔ درحقیقت فوج کو یہ اختیار دیا جائے گا کہ اگر کبھی سیاستداں ملک کو استحکام سے کم کسی مرحلے پر لے آئیں تو فوج ''مداخلت'' کرے۔

کابینہ کی ساخت اور آئین کے بارے میں ضیاء کے مستقبل کے منصوبے سے پرانی طرز کے سیاستدانوں کو کوئی مسرت نہیں ہوئی پھر بھی مبصرین کی نظر میں پچھلے ہفتے کے واقعات اور باتیں اس بات کی خوش آئند علامتیں ہیں کہ تجویز کے مطابق 17 نومبر کو انتخابات منعقد ہوں گے۔

ان انتخابات کا اس پاکستان پیپلز پارٹی کی تقدیر پر کیا اثرات مرتب کریں گے جسے بھٹو نے قائم کیا تھا اور تقریباً 12 سال تک جس کی قیادت کی تھی، پاکستان میں ایک بڑا موضوع بحث بنا ہوا ہے۔ اس دوران صدر ضیاء کسی طرح کے پوسٹ مارٹموں کے موڈ میں نہیں ہیں۔ جب بھٹو کو پھانسی دینے پر غیر ممالک کے مخالفانہ ردعمل کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے بڑے اخلاق کے ساتھ جواب دیا۔ ''یہ معاملہ ختم ہو چکا ہے'' آیئے ہم اسے بھول جائیں''۔ اس وعدے کے مطابق انہوں نے بتلا دیا کہ بھٹو کی بیوہ اور بیٹی کو جلد ہی گھر میں نظر بندی سے آزاد کر دیا جائے گا۔

(4 مئی 1979)

www.bhutto.org

''ہندوستان کو کچل دو'' کی تحریک بھٹو نے نہیں جماعت اسلامی نے چلائی تھی

(ڈاکٹر ظفر نیازی، فار ایسٹرن اکنامک ریویو)

ایس آر غوری نے اپنے مضمون ''ترقی پسند کی نقاب کے پیچھے'' (ریویو 13 اپریل) میں الزام لگایا ہے کہ مرحوم وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے جنرل یحییٰ خان کی حکومت سے کہا تھا کہ ان کے دورۂ پیکنگ کے دوران انہیں ہندوستان سے ممکنہ جنگ کی صورت میں بھرپور چینی حمایت کا یقین دلایا گیا تھا۔ یہ الزام درست نہیں ہے۔

بھٹو کی موت پر چینی حکومت کا حالیہ بیان کہ وہ چینی عوام کے دوست تھے۔ صرف دو منطقی نتائج کی طرف لے جاتا ہے کہ غوری کا الزام بے بنیاد ہے یا پھر چین کسی ناقابل فہم سبب کی بناء پر پاکستان کو توڑنے کے وحشیانہ دوغلے پن میں بھٹو کے ساتھ سازش میں شریک تھا۔ تیسری ممکنہ دلیل کہ پیکنگ ابھی تک بھٹو کی فریب دہی سے بے خبر ہے، اتنی احمقانہ ہے کہ اس پر غور ہی نہیں کیا جا سکتا۔

بھٹو کے دانتوں کے معالج کی حیثیت سے اپنے ذاتی علم کی بناء پر میں جو کچھ کہہ سکتا ہوں یہ ہے کہ ان کی پیکنگ سے واپسی کے فوری بعد دانتوں کے ایک مقررہ معائنے کے لئے وہ میرے پاس لاہور آئے۔ عام انتخابات میں شکست کھانے والی بعض جماعتوں نے جن کی قیادت

www.bhutto.org

جماعت اسلامی کر رہی تھی "ہندوستان کو کچل دو" تحریک شروع کر رکھی تھی۔ اس روز "ہندوستان کو کچل دو" کے سلسلے میں ایک جلوس کا اعلان کیا گیا تھا۔ میری کلینک کے باہر جماعت اسلامی کے چند کارکنوں نے بھٹو کو گھیر لیا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ بھٹو جلوس سے خطاب کریں۔ انہوں نے انکار کر دیا۔

جب بھٹو میرے ساتھ کلینک کے اندر بیٹھے ہوئے تھے میں نے گولیاں چلنے کی آواز سنی وہ وہاں سکون اور کسی طرح کی پریشانی کے بغیر بیٹھے رہے۔ اس واقعے کی خبر مقامی اور غیر ملکی اخبارات میں شائع ہوئی۔ نوائے وقت لاہور نے ایک کارٹون شائع کیا جس میں دکھایا گیا تھا کہ بھٹو ایک دانتوں کے معالج کے سامنے کھڑے ہیں جو زنبور سے مسلح ہے اور چلا رہے ہیں "مجھ پر قاتلانہ حملہ ہو رہا ہے۔"

جب میں نے ان سے پوچھا کہ اتنی سختی کے ساتھ جلوس سے خطاب کرنے سے کیوں انکار کر رہے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ چینیوں نے ممکنہ حد تک پرزور الفاظ میں مشورہ دیا تھا کہ ہندوستان کے ساتھ جنگ میں نہ الجھیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ کسی جنگ کے لئے اشتعال انگیزی میں شریک ہونا نہیں چاہتے۔

غوری یہ تاثر دیتے ہیں کہ مرحوم وزیر اعظم یحییٰ حکومت کے منصوبوں میں حصہ دار اور ان کے پرجوش حامی تھے۔ یہ بھی غلط ہے۔

ان کی نیویارک روانگی سے کچھ عرصہ پہلے میں نے بھٹو سے ان افواہوں کے بارے میں سوال کیا کہ انہیں یحییٰ کے وزیر اعظم نورالامین کے نائب کی حیثیت سے اقوام متحدہ کے اجلاس میں بھیجا جا رہا ہے۔ بھٹو نے جواب دیا کہ حکومت کو اگر یہ یقین ہو کہ وہ جنگ جیت رہی ہے تو وہ ان کی پارٹی کو دور ہی رکھے گی۔ اگر اس کے اندازے اس کے برعکس ہوں تو وہ ایسا کندھا تلاش کرے گی۔ جس کا سہارا لے سکے اور یہ کندھا پاکستان پیپلز پارٹی ہی ہو سکتی ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ "ڈاکٹر ایسی صورت میں ہمارے پاس راستہ کیا ہے کیا انتہائی بربادی کے وقت ہم پاکستان کے مفاد کو نظر انداز کر سکتے ہیں؟"

(4 مئی 1979)

www.bhutto.org

کیا پی پی پی کارکنوں کو انتخابات سے قبل رہا کر دیا جائے گا؟

(فار ایسٹرن اکنامک ریویو)

صدر ضیاء الحق کی گھتی ہوئی نئی کابینہ جو 13 وزیروں 2 نائب وزیروں اور 2 مشیروں پر مشتمل ہے کہ سرکاری طور پر غیر جماعتی کہا گیا ہے۔ کابینہ میں، جس میں اکثریت فوجیوں کی ہے، اور جو فوج کی حالیہ حکمرانی کے 2 سال کے اندر چوتھی کابینہ ہے، کسی کا تعلق کسی بھی سیاسی جماعت سے نہیں ہے اور ضیاء کہتے ہیں کہ انہوں نے ''عوام کی رقم'' بچانے کے لئے تعداد کم رکھی ہے۔

اس مسلسل، خاموش لیکن شدید جدوجہد میں جو چوٹی کی ۲ طاقتوں کے درمیان جاری ہے یعنی جنتا اور مرحوم ذوالفقار علی بھٹو کی پاکستان پیپلز پارٹی کے حامی جو ابھی تک ہار ماننے سے شدومد سے انکار کر رہے ہیں، نئے وزراء، کے لئے غیر جانبدار رہنا مشکل ہوگا۔ بہرحال نئی کابینہ جنتا کے لئے ایک ٹھوس فائدہ لائی ہے۔ یہ اس تنقید کا خاتمہ کر دے گی۔ جو پی این اے سے وابستگی کی بنیاد پر ہو رہی تھی اور جس کے وزراء گذشتہ ماہ کابینہ سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ مگر نا قابل فہم اسباب کی بناء پر اس پر حزب اختلاف کے حملوں کو روکنے کے لئے سنسر کی پابندی جاری ہے۔ اب کوئی یہ توقع نہیں کر سکتا کہ اس تنقید سے حکومت کو کوئی خراش آئے گی۔

ضیاء نے نئے وزراء سے کہا ہے کہ وہ مئی کے آخر تک فیصلہ کر لیں کہ آیا وہ انتخابات میں حصہ لینے کے لئے استعفیٰ دیں گے یا وہ اپنے عہدوں پر برقرار رہیں گے۔ اور ان انتخابات

www.bhutto.org

میں حصہ نہیں لیں گے۔ جن کے 17 نومبر کو منعقد کرانے کا اب وعدہ کیا گیا ہے،۴ جنرل جو ملازمت میں ہیں اور ابدوسری بار کابینہ میں شامل ہوئے ہیں وہ آئین اور انتخابی قواعد کی رو سے از حد انتخابات میں حصہ لینے کے اہل نہیں ہیں۔ یہی بات ملک کے اعلیٰ ترین غیر فوجی ملازم کے لئے بھی ہے جنہیں ضیاء نے وزیر مالیات مقرر کیا ہے۔ اس طرح پسند کرنے یا نہ کرنے کا مسئلہ صرف 2 ریٹائرڈ جنرلوں اور 6 دوسرے غیر فوجیوں کو درپیش ہے، جن میں 3 بے جماعتیے سیاستدان بھی شامل ہیں۔

اپنے وزراء پر یہ پابندی لگانے کے ضیاء کے دوہرے اسباب ہیں۔ اول یہ کہ انہوں نے ایک بار پھر اعلان کیا ہے، وہ کوئی سیاسی تمنا نہیں رکھتے اور یہ کہ وہ کسی سیاسی عہدے کے لئے کھڑے نہیں ہوں گے۔ دوئم یہ کہ ضیائی کابینہ کا رول یہ قرار دیتے ہیں کہ یہ عبوری حکومت ہے جس کا مقصد صرف عوام کے منتخب نمائندوں کے حوالے کرنے کے لئے انتخابات کی تیاری کرنا ہے۔

اس دلیل سے قطع نظر ان کے ۶ مشیروں میں سپریم کورٹ کے سابق سربراہ جج حمود الرحمٰن بھی شامل ہیں جنہوں نے بھٹو کے ماتحت 1971 میں پاکستان کے ٹوٹنے کے اسباب کی طویل تحقیقات کی تھیں۔ رحمٰن کو ایک مخصوص مقصد کے لئے حکومت میں شامل کیا گیا ہے۔ انہیں دو اہم ترین ترامیم کا مسودہ تیار کرنے کا مشورہ دینا ہے جو ضیاء آئین میں کرنا چاہتے ہیں۔

ضیاء انتظامی اختیارات کو وزیراعظم اور صدر کے درمیان تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد وہ آئین کے ذریعے فوج کو ایک سیاسی رول سونپنا چاہتے ہیں۔ ضیاء کا خیال یہ ہے کہ صدر کو یہ اختیار دیں کہ وہ کسی بھی منتخب حکومت کو برطرف کر دے، پارلیمنٹ کو توڑ دے، اور نئے انتخابات منعقد کرانے سے پہلے اپنی حکومت کی مدد کے لئے فوج کو طلب کر لے۔ اگر ایسا فارمولہ کر دیا جاتا ہے تو یقینی بات ہے کہ وہ آئین کی اس دفعہ کو گھیر لے گا جو ایک آئینی حکومت کا تختہ الٹنے کو سنگین بغاوت کے مترادف قرار دیتا ہے اور اس کے لئے سزائے موت کا تعین کرتا ہے۔ ابھی تک یہ پتہ نہیں چل سکا ہے کہ غداری کے بارے میں یہ دفعہ، جو اور عوامل کے ساتھ بھٹو کے خاتمے کا سبب ثابت ہوئی، برقرار رہے گی۔ اس میں ترمیم کی جائے گی یا اسے منسوخ کر دیا جائے گا۔

گوکہ یہ بات واضح ہے کہ یہ 2 ترامیم اس بات کو زیادہ سہولت بخش بنائیں گی کہ صدر فوج سے لیا جائے، ضیاء نے ابھی تک یہ تو نہیں کہا ہے کہ ایسا ضرور ہونا چاہئے مگر وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کی تجاویز کو سیاسی رہنماؤں کی تائید حاصل ہے لیکن وہ ۲ سیاستدان جنہوں نے پس پردہ ان سے مکمل اتفاق کیا اپنی عوامی تقریروں میں اس خیال کی مذمت کررہے ہیں۔ وہ کم از کم اپنے اس دعوے میں حق بجانب معلوم ہوتے ہیں کہ ابھی تک کسی سیاستدان نے اسے چیلنج نہیں کیا ہے۔ یقیناً ان کے مشوروں میں پی پی پی کو شامل نہیں کیا گیا ہے۔ جو ابھی تک جہاں تک ان کی حکومت کا تعلق ہے۔ اچھوت بنی ہوئی ہے۔

رحمٰن کو اس لئے بھی شامل کیا گیا ہے کہ وہ انتخابات کو منظم کرنے کے لئے ایک قانونی ضابطہ تیار کرنے میں مدد دیں۔ آئین کے انتخابی قواعد اور سب سے بڑھ کر یہ ڈریکولائی مارشل لاء قوانین کے نافذ العمل ہونے کی وجہ سے بعض سیاستدان ایسے قانونی ڈھانچے کی ضرورت پر اعتراض کرتے ہیں۔ پیمانے کے دوسرے سرے پر وہ لوگ ہیں جو اسے اس لئے ضروری سمجھتے ہیں کہ موجودہ نازک سیاسی صورت حال کا انتخابات کے قریب بہتر ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے، اس کو الٹنے کے لئے بھٹو کی موت کو استعمال کرنے کی روک تھام ہو سکے۔ یہ خوف ضیاء کے اس مشورے کے بعد بھی موجود ہے کہ یہ معاملہ ختم ہو چکا اور اب ہر ایک کو اسے بھول جانا چاہئے۔"

مختصر سے مختصر انتخابی مہم کی اجازت دینے کے علاوہ ضیاء انتخابی ضوابط کو ایسا سخت ضابطہ بنانا چاہتے ہیں۔ جس کی پابندی سیاستدانوں کے لئے لازمی ہو۔ نظم وضبط پیدا کرنے والا یہ ضابطہ کیا شکل اختیار کرے گا تا حال نامعلوم ہے لیکن ضیاء کی ظاہری نیت نے کئی قیاس آرائیوں کو ہوا دی ہے۔ مثال کے طور پر یہ کہہ کر کہ "آپ کسی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نظر بند نہیں رکھ سکتے۔" دو ہفتے قبل انہوں نے بھٹو کی بیوہ اور بیٹی کو بہت جلد رہا کرنے کا وعدہ کیا۔ کچھ زیادہ لوگوں کو یہ توقع نہیں ہے کہ وہ نصرت بھٹو اور بے نظیر کو رہا کر دیں گے اور انہیں دوسرے سیاستدانوں کی طرح سرگرمیوں کی اجازت دیں گے۔

پی پی پی کے عام اراکین اور جیل سے باہر رہنے میں کامیاب ہونے والوں میں چند

www.bhutto.org

لوگ جو خود کو پیپلز پارٹی کا لیڈر کہتے ہیں ان سب نے ان دونوں خواتین سے غیر مشروط وفاداری کا عہد کیا ہے۔ اور ضیاء کے لئے مزید پیچیدگی یہ ہے کہ جس جماعت کے بارے میں انتظامیہ کا خیال یہ تھا کہ وہ بھٹو کی موت کے ساتھ ختم ہو جائے گی۔ وہ جماعت عوام کی اس حمایت کو برقرار رکھنے میں کامیاب ہوتی ہے جو اسے بھٹو کی زندگی میں حاصل تھی۔

نتیجہ یہ ہے کہ کوئی بھی یہ پیشگوئی نہیں کر سکتا کہ پی پی پی کے جیلوں میں ڈالے جانے والے کارکنوں اور رہنماؤں کی بڑی تعداد کو، جن میں بعض کو سیاسی جرائم کی بناء پر لمبی سزائیں دی گئی ہیں، انتخابات سے پہلے رہا کیا جائے گا یا نہیں۔ آیا ان کی پارٹی کو جس کی قیادت دونوں خواتین کے ہاتھ میں ہے۔ انتخابات لڑنے کی اجازت دی جائے گی یا نہیں یا آیا وہ اخبارات جواب بڑی بڑی سادہ جگہوں کے ساتھ شائع ہو رہے ہیں۔ انہیں معمول کے مطابق شائع ہونے دیا جائے گا یا نہیں۔

(11 مئی 1979)

www.bhutto.org

بھٹو ایک شخص مر گیا، بھٹو شہید پیدا ہو گیا

(دس فورٹ نائٹ، نئی دہلی)

4 اپریل کو طلوعِ صبح سے پہلے کی تاریکی میں راولپنڈی ڈسٹرکٹ جیل کے باہر 27 فوجی ٹرک کھڑے تھے۔ اندر ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دی جا رہی تھی۔ بڑے جلاد تارا مسیح نے سابق وزیر اعظم کے پیروں کے نیچے سے پھانسی کا تختہ سرکا دیا اور 10 روپے کما لئے۔

جنرل ضیاء کے لئے اپنے سخت دشمن سے پیچھا چھڑانے کے لئے ۱۰ روپے کی ادائیگی ایک حقیر رقم تھی۔ رسی کے کھلبلی مچا دینے والے ایک جھٹکے سے انتہائی تہلکہ خیز شخصیت کا دم گھٹ گیا۔ اور وہ ہڈیوں اور گوشت کے مڑے تڑے اور بے جان تھیلے میں تبدیل ہو گئی۔ بھٹو، ایک آدمی، مر گیا، بھٹو، شہید پیدا ہوا۔

ایک زندہ انسان کی شہرت کی بنیاد اس کے الفاظ اقوال اور افعال پر ہوتی ہے۔ اس کی موت کے بعد اس کے تصور کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ اس کے دوست اور دشمن اس کے بارے میں کیا یاد رکھنا پسند کرتے ہیں۔ اپنے ہنگامہ خیز سیاسی کیریئر کے دوران بھٹو تضادات سے بھرپور ایک معمہ تھے جس کی وجہ سے ان کا امیج بے پناہ ابہام کا حامل تھا، انہیں مختلف انداز میں بیان کیا جاتا تھا جیسے متلون مزاج، غرور، پرکشش، فراخدل، رحم اور نرم دل، وہ اپنے عدم استقلال سے جانے جاتے تھے، ساتھ ہی ساتھ انہیں ایک ایسا نواب سمجھا جاتا تھا جو ایک کسان اور فیکٹری کے مزدور کی سطح سے بات کر سکتے تھے۔

ان پر جتنے لیبل لگائے گئے ہیں ان میں سب سے زیادہ الجھن میں ڈالنے والا خود بھٹو کا

www.bhutto.org

اپنی ذات کے بارے میں تصور ہے۔ لاہور جیل میں مصیبتیں کاٹتے ہوئے انہوں نے اپنا یہ قصیدہ لکھا۔ ''ایک شاعر اور ایک انقلابی.........میں ان تمام برسوں میں یہی کچھ رہا ہوں اور میرے جسم سے آخری سانس کے نکلنے تک میں ایسا ہی رہوں گا۔

یہ حقیقت کہ وہ خود کو ایک شاعر اور ایک انقلابی تصور کرتے تھے (یا کم از کم ان کی یہ خواہش تھی کہ لوگ انہیں ایسا سمجھیں) ان کے وجود کی اصل نوعیت کے بارے میں ایک سراغ فراہم کرتی ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ذوالفقار علی بھٹو ایک رومان پسند، عینیت پسند (خواب دیکھنے والے) تھے۔ ان کی جسمانی کشش اور یہاں تک کہ ان کا جذبۂ جاہ پسندی یہ تمام باتیں ان کی رومانی عینیت پسندی کی علامتیں ہیں۔

لیکن کیا اس کھلنڈرے سیاست دان میں وہ صفات تھیں جن سے روایتیں، داستانیں وجود میں آتی ہیں؟ ان کی موت کے حالات یقیناً لوگوں کو موقع فراہم کرتے ہیں کہ وہ ان کے اطراف تقدس کا ہالہ پیدا کر دیں۔ دنیا بھر کی اپیلوں کے باوجود بھٹو کو معاف کرنے سے ضیاء کے سخت انکار نے موت کی سزا پانے والے قیدی کو بیچارگی کی فضا فراہم کی۔ انہیں واقعی پھانسی دینے میں بے رحمانہ عجلت اور ان کی موت اور تدفین پر چھائی ہوئی فوجی رازداری کی فضا نے ایک ایسی جذباتی فضا پیدا کی جو ایک داستان کی تخلیق کے لئے سازگار ہے۔

بھٹو کو پھانسی کی طرف لے جائے جانے کے وقت نہ تو کوئی شجاعانہ بات ہوئی نہ حواس باختگی کی۔ اس کے برعکس یہ تصویر کشی کی گئی ہے کہ بھٹو ایسے آدمی تھے جنہیں موت کی طرف جانے پر مجبور کیا گیا۔ انہیں اسٹریچر پر باندھ کر لے جایا گیا اور انہیں سہارا دے کر سولی تک پہنچایا گیا۔ اخباری اطلاعات کے مطابق ان کے آخری الفاظ یہ تھے۔ ''میں بے گناہ ہوں'' لیکن اب یہ سوال کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ یہ بھٹو کی بے گناہی یا ان پر لگائے جانے والے الزام کا مجرم ہوتا ہے جو ان کی داستان کی اثر پذیری کا تعین کرے گا بلکہ یہ چیز ایک نئے نظام کی علامت کی حیثیت سے ان کی قدر و قیمت ہے۔ پاکستان میں سیاسی اکھاڑ پچھاڑ۔ احیاء اسلام کی تحریکیں، شہری آزادیوں کے لئے مطالبات وہ عوامل ہیں جو بھٹو کی داستان کے پیمانوں کا تعین کریں گے۔

www.bhutto.org

اسی لئے ایسی صورت حال میں بھٹو کے خلاف عمل کرنے کے لئے زمین زرخیز ہے لیکن ان کے بارے میں بالآخر پیدا ہوگی۔ اس کی وسعتوں کا تعین کئی دوسرے عناصر کریں گے۔ ایک بات تو یہ ہے کہ ابھی یہ دیکھنا باقی ہے کہ آیا تحلیل کے خلاف ردعمل کے طور پر پیدا ہونے والا پر تشدد مظاہروں کا رجحان کتنے عرصے تک برقرار رہتا ہے یا نہیں کہ وہ ضیاء کی فوجی حکومت کے استحکام کے لئے خطرہ بن جائے یا پھر وہ خود رو احتجاجی ہنگامہ ایک ایسا خراج عقیدت ثابت ہوتا ہے جو وفاداری کے جذبات کے تحت پیش کیا جاتا ہے نہ کہ اس یقین کی بناء پر بھٹو کو ہلاک کر کے بنیادی انسانی اصولوں کی خلاف ورزی کی گئی ہے یا پھر یہ کہ بھٹو کے صفحۂ ہستی سے غائب ہو جانے سے پاکستان ایک صاحب منزل شخصیت سے محروم ہو گیا ہے۔

ایک طرح سے بھٹو کا مقدمہ انہیں پھانسی دینے کے بعد شروع ہوا ہے۔ یہ مقدمہ یہ نہیں کہ آیا کہ وہ مجرم تھے یا 1974 میں احمد رضا قصوری کے قتل کا حکم دینے میں بے گناہ تھے۔ یہ مقدمہ یہ طے کرنے کے لئے امتحان نہیں ہے کہ آیا انہیں پھانسی دے کر ہلاک کرنا واقعی ضروری تھا، یہ ان کے اہل وطن کی نظر میں ان کی دائمی قدر و قیمت کے تعین کا مقدمہ ہے۔ یہ اس بات کا پتہ چلانے کی کوشش ہے کہ ان کی شخصیت کی صدا اور جوش اور ان کے اسٹیج کے جھاگ اور بلبلوں کے پیچھے کیا ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو کے اس آخری مقدمے پر فیصلہ تاریخ میں ان کے مقام کا تعین کرے گا۔ یہ فیصلہ اس داستان کی وسعتوں کا تعین کرے گا جو ان کے بعد زندہ رہے گی۔''

(25 مئی 1979)

جنرل ضیاء کا دوسرا اقدام بھارت سے جنگ؟

(دس فورٹ نائٹ، نئی دہلی)

پاکستان کے شعلہ رو، وجیہہ اور نوابی شان رکھنے والے سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کو 4 اپریل کی ابتدائی ساعتوں میں پھانسی دے دی گئی۔

تقریباً ۲ سال قبل جب قابض جنرل ضیاء الحق نے انہیں گرفتار کرلیا تھا اسی وقت سے یہ بات ظاہر تھی کہ انہیں سولی کو بوسہ دینا پڑے گا۔ضیاء جیسی ڈولتی پوزیشن رکھنے والا کوئی بھی شخص اس بات کی اجازت نہیں دے سکتا تھا کہ طاقت کا ایک مرکز موجود رہے اسے بڑھنے کا موقع دینا تو دور کی بات ہے۔پاکستان میں جو صورتحال نمو پارہی تھی اور جنرل ضیاء پر بین الاقوامی دباؤ ڈالا جا رہا تھا ان حالات میں ان کے پاس اس کے سوا اور کوئی آراستہ نہیں تھا کہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے اپنے سابق کرم فرما کے وجود کو مٹا دیں۔

سیاست صرف ایک گندا کھیل ہی نہیں بلکہ یہ بے رحمی بھی ہے۔اس کھیل میں نتائج طریقہ کار کی درستگی کا جواز بنتے ہیں جس میں انسانی نرم دلی کا دودھ آسانی کے ساتھ زہر میں تبدیل ہو جاتا ہے۔اور ہر ایک مخلوق کے لئے ضمیر کی کسی کسک اور انسانی تعلقات کی نفاستوں کا کوئی لحاظ کئے بغیر اپنے خالق سے بڑا بننے کی کوشش کرتی ہے۔اگر ضیاء اس کے برعکس کچھ کرتے تو وہ انسان سے کوئی کمتر شے ہوتے۔

لیکن اگر جنرل یہ سوچتے ہیں کہ بھٹو کے خاتمے کے ساتھ ان کے تمام مسائل حل ہو گئے ہیں تو ذرہ برابر بھی ذہانت ان کے کھاتے میں نہیں ڈالی جا سکتی۔زندہ بھٹو سے زیادہ ان کا بھوت

www.bhutto.org

طاقتور ہوگا۔ وہ اور زیادہ غضبناکی کے ساتھ ان پر منڈلاتا رہے گا۔ کیوں کہ ان کے اہل وطن کی وسیع اکثریت کی نظر میں اور مختلف وجوہات کی بناپر اور اقوام عالم کے عوام کافی بڑی تعداد کی نظر میں انہیں ایک شہید کی عبا پہنادی گئی ہے۔

یہ بھٹو ہی تھے جنہوں نے 1971 میں ہندوستان کے ہاتھوں شرمناک شکست کھانے کے بعد کٹے پھٹے پاکستان کو جو حقیقتاً ریزہ ریزہ ہو چکا تھا مشکلات سے نکالا انہیں بجا طور پر نئی زندگی پانے والے پاکستان کا دوسرا قائداعظم کہا جاسکتا ہے۔

وہ ایک انتہائی ذہین اور شائستہ ایسے پاکستانی تھے جو دنیا کے کسی بھی رہنما کے مقابلے پر اپنے موقف پر قائم رہ سکتے تھے۔ وہ اپنے سیاسی مستقبل کی زیادہ پرواہ کئے بغیر چھوٹے اور قومی مقاصد سے بلند ہو سکتے تھے۔ یہ بات مشکوک ہے کہ کوئی اور پاکستانی سیاست دان 1972 میں شملہ کانفرنس میں شرکت کی جرات کر سکتا تھا۔

وہ جدید عصری نکتۂ نظر کے حامل تھے اور نظامِ مصطفیٰ کے نام پر جماعت اسلامی کے جھنڈے تلے مسلم احیاء اور تاریکی پرستی کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

اس جرم کے مقابلے میں جس کا انہوں نے مبینہ طور پر ارتکاب کیا تھا اور جس کی قیمت انہیں اپنی جان سے ادا کرنے پر مجبور کیا گیا۔ اپنی نوعمر قوم کے لئے ان کی خدمات بہت زیادہ وقیع ہیں۔ کٹر ہیرو پرستوں کے اس ملک میں ان کا رحم کی اپیل کرنے سے انکار انکے مزید عقیدت مند پیدا کرنے میں ناکام نہیں ہوگا۔

ان کو پھانسی دیئے جانے سے کچھ ہی پہلے گوجرانوالہ کوئٹہ اور کراچی میں بموں کے دھماکے ہوئے۔ یہ علامات تھیں کہ ان کی ناقابل معافی پھانسی کے بعد صورتحال کیا ناگوار رخ اختیار کرے گی۔ بلاخوف تردید یہ پیشگوئی کی جاسکتی ہے کہ پاکستان کے طول وعرض میں وسیع پیمانے پر فسادات ہوں گے۔

بلاشبہ جنرل ضیاء ایسی سختی پر اتر آئیں گے جس کی نظیر نہ ملے۔ لیکن یہ بات مشتبہ ہے کہ آیا وہ اس ہیجان پر جو بعد میں لازمی طور پر پیدا ہوگا۔ کچل دینا تو درکنار قابو بھی پا سکیں

www.bhutto.org

گے۔اپنے 2ہزار سالہ سیاسی حق کے تمام تر دعووں کے باوجود شاہ ایران اپنا تخت نہیں بچا پائے کیونکہ عوام نے انہیں مسترد کر دیا تھا۔ جنرل ضیاء جیسے نئے نواب کے لئے یہ تقریباً ناممکن ہوگا عوامی غصے کی لہر کو دبا سکیں۔انہیں بھی جلد یا بدیر اسی راستے پر جانا ہوگا جس پر اقتدار پر قبضہ کرنے والے دوسرے لوگ جا چکے ہیں۔

وہ واحد طریقہ جس کے ذریعے پاکستانی آمر اپنی کھال اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی آمرانہ گدی (کم از کم فی الحال) بچا سکتے ہیں یہ ہے کہ روایتی طور پر پاکستانی کوڑے کھانے والے بچے، ہندوستان کے خلاف فوجی مہم جوئی شروع کر دیں۔لیکن یہاں بھی ان کے چننے کے لئے امکانات محدود ہیں۔ افغانستان اور ایران، دونوں ہمسایہ ممالک میں صورت حال غیر مستحکم ہے۔ان ممالک میں بھی حکمران اپنے عوام کو ٹھنڈا کرنا چاہتے ہیں۔جنہوں نے حال ہی میں خون کا ذائقہ چکھا ہے۔ وہ خود بھی ایسے زاویے تلاش کر رہے ہوں گے کہ ان کی ''خون کی پیاس'' کا رخ دوسروں کی طرف موڑ دیا جائے۔ اس گھناؤنے کھیل میں وہ اپنے عوام کے مزاج کے مطابق اقدام کر سکتے ہیں۔افغانستان، شمال مغربی صوبہ سرحد کے بعض حصوں پر دعویٰ کرتا چلا آیا ہے۔ایران بلوچستان کے بعض حصوں کی بازیابی کا مطالبہ کرتا رہا ہے جو گیس سے مالا مال ہیں۔

لیکن ہوسکتا ہے جنرل ضیاء سیاسی بساط کو دوسرے انداز میں دیکھیں وہ یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں سیاسی استحکام کے نکتہ نظر سے ایران اور افغانستان فوری خطرہ نہیں ہیں اس لئے انہیں ۲ موہوم فوائد کے لئے ہندوستان کے لئے ایک بحران کھڑا کریں۔

پہلا فائدہ یہ کہ سادہ لوح عوام کو بھٹو کی پاکستان پیپلز پارٹی سے برگشتہ کیا جائے۔دوسرا یہ کہ نفرت کے ان اونچے سروں سے فائدہ اٹھایا جائے جنہیں ہندوستان کے خلاف آسانی سے ابھارا جا سکتا ہے۔

مگر اس میں شبہ ہے کہ جنرل ضیاء اس خطرناک کھیل میں کامیاب ہوں۔پہلی بات تو یہ ہے کہ پاکستان کی مسلح افواج آج بھی ان زخموں کو چاٹ رہی ہیں جو ۷ برس قبل ہندوستان نے لگائے تھے، دوسرے یہ کہ اس کی پسماندہ معیشت کو بڑھتی ہوئی قیمتوں، برق رفتار افراطِ زر

www.bhutto.org

اورزرعی اور صنعتی شعبوں پر چھائی ہوئی بے چینی کا روگ لگا ہوا ہے۔ تیسرے یہ کہ ہندوستان کی صنعتی بنیادیں وسیع ہو چکی ہیں اور اس کی فوجی تیاریاں پاکستان کے مقابلے میں بہت اعلیٰ پیمانے کی ہیں۔

لیکن یہ تصور کر لینا غلط ہوگا کہ جنرل ضیاء کچھ عرصے کے لئے اپنے ''کانٹوں کے تاج'' کو برقرار رکھنے کے لئے ان وقیع پہلوؤں کو نظر انداز نہیں کریں گے، نیز یہ کہ تمام غاصبوں اور آمروں کے انجام پر اس لئے مہر لگ جاتی ہے کہ وہ معروضی صورت حال سے یکسر منکر ہو جاتے ہیں۔ یہ بات مشکوک ہے کہ ضیاء کوئی استثنیٰ ثابت ہوں گے۔ اس لئے ہندوستان کی ہوش مندی یہ ہوگی کہ وہ اپنے تحفظ کو مستحکم کرے۔

(10-25 مئی 1979)

www.bhutto.org

بھٹو کی پھانسی:
پاکستان کو بھاری قیمت ادا کرنی پڑے گی

(ٹیلی کوگر، برسٹن)

امریکی ریاست ٹیکساس کی ہوسٹن یونیورسٹی سے شائع ہونے والے ''ڈیلی کوگر'' نے اپنی حالیہ اشاعت میں پاکستان اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کے صدر مسٹر عرفان احمد کا پاکستان کی تازہ صورت حال پر مبنی ایک مضمون شائع کیا ہے جس میں صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ پاکستان کے عوام ان دنوں مایوس کن حالات سے سخت دل برداشتہ ہیں اور وہ مایوس نظروں سے گزرنے والے حالات دیکھ رہے ہیں۔

پاکستان کے عوام کو بھٹو کی سزا میں وزن نظر نہیں آتا۔ البتہ مولانا مودودی نامی ایک شخص جناب بھٹو کی قسمت کا ذمہ دار ضرور ہے۔ مودودی انتہا پسند افراد پر مشتمل ایک چھوٹی سی جماعت کے رہنما ہیں۔ 1940 میں انہوں نے اپنے چند بھارتی ساتھیوں کے ساتھ قیام پاکستان کی شدید مخالفت کی۔ 1947 میں قیام پاکستان کے بعد اپنا فیصلہ تبدیل کیا اور پاکستان منتقل ہو گئے۔ اس کے چھ برس بعد انہیں مسلمانوں کو کھلم کھلا قتل اور خونریزی کے لئے اکسانے پر سزائے موت سنائی گئی۔ مگر اس وقت کے سعودی حکمران شاہ سعود کی مداخلت پر انہیں معاف کر دیا گیا۔ 1971 میں مودودی کی جماعت نے جنرل یحییٰ خان کو مسلح رضا کار مہیا کئے۔ ان رضا کاروں نے سابقہ مشرقی پاکستان میں معصوم بنگالیوں کا قتل عام کیا۔ جس کے نتیجے میں بنگلہ

www.bhutto.org

دیش کا قیام عمل میں آیا۔ حالانکہ مودودی کی جماعت کے ارکان کی تعداد تین ہزار سے زائد نہیں ہے۔ لیکن وہ اس وقت مبینہ طور پر فوجی حکمرانوں کے چیف سیاسی مشیر کے طور پر کام کر رہے ہیں اور ان کی پالیسی کی تشکیل کرتے ہیں۔ مودودی کی جماعت کے اکسانے پر ہی جناب بھٹو کو راہ سے ہٹانے کا فیصلہ کیا ہے۔ ملکی اقتصادی بدحالی کے باوجود حکومت لوگوں کے مسائل سے پہلو تہی کرتی نظر آتی ہے اور اس کے بجائے ملک میں عوام کا مورال بڑھانے پر زیادہ توجہ دی جا رہی ہے اور انہیں متقی اور پرہیزگار بنایا جا رہا ہے۔ اقلیتوں کو مساوی حقوق سے محروم رکھا جا رہا ہے۔ حکومت نے ان کو ان کے علاقوں میں ووٹ ڈالنے کے حق سے محروم کر دیا ہے۔ اور اب انہیں پارلیمنٹ کی بعض مخصوص نشستوں کے لئے ووٹ دینے کا پابند کر دیا گیا ہے۔ سیاست میں کسی بھی انتہا پسندانہ اقدام کا ردعمل ویسے بھی شدید ہوتا ہے۔ یقیناً پاکستان کے عوام جناب ذوالفقار علی بھٹو کو راہ سے ہٹانے والوں کو معاف نہیں کریں گے۔ جناب بھٹو کے معاملے کو نمٹانے کے لئے جس سنگدل کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس سے جناب بھٹو کے حمایتوں میں اشتعال پیدا ہوتا ہے۔ اس صورت حال کے نتیجہ میں ہمارے پیارے وطن کو بھاری قیمت ادا کرنی پڑے گی۔

www.bhutto.org

حصہ سوم: تراشے

www.bhutto.org

www.bhutto.org

1

شاہی امام بھی مخالف ہو گئے

بھٹو کی پھانسی کے بعد جماعت اسلامی کے خلاف مظاہرے صرف پاکستان اور وادیٔ کشمیر تک محدود نہیں رہے اس مسلم انتہا پسند تنظیم سے وابستہ افراد کو علی گڑھ میں زدوکوب کیا گیا۔ لکھنؤ اور بھوپال میں بھی کشیدگی پھیلی ہوئی ہے۔ دہلی کے مسلمانوں میں (بھٹو کی) پھانسی کے خلاف جذبات نے جامع مسجد کے شاہی امام کو اپنا گذشتہ مؤقف، جس میں ضیاءؐ کے کئے گئے اقدامات کی حمایت کی گئی تھی، بدلنے پر مجبور کر دیا۔

(بلٹز، بمبئی۔14اپریل1979)

2

ایک ایسے ملک میں جس نے اسکندر مرزا کے دور سے ہی یہ سیکھ لیا تھا کہ باصلاحیت سیاستدان کی مہلت کو کس طرح مختصر کیا جائے۔ وہ فوجی جاہ پسندی کا شکار ہوئے............ مارشل لا حکومت نے مسٹر بھٹو کے ساتھ وہ نرمی برتنے سے انکار کر دیا۔ جس کا مظاہرہ بھٹو نے شیخ مجیب الرحمٰن کے معاملہ میں کیا تھا اور اس طرح یہ مظاہرہ کیا کہ سیا[illegible]دان تو فر[illegible]ل ہو سکتے ہیں لیکن آمر نہیں ہو سکتے۔

(دی اسٹیٹسمین)

www.bhutto.org

3

بھٹو کے دو مخالفین

اسلام آباد میں اب یہ کہا جا رہا ہے کہ سعودی عرب کے شاہ خالد ''دنیا کا واحد شخص جو جنرل ضیاؑ کو اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور کر سکتا ہے'' نے درحقیقت ذوالفقار علی بھٹو کی جاں بخشی کی درخواست نہیں کی تھی بلکہ دیگر سربراہوں کی طرح سعودی عرب نے صرف ''رحم کی روایتی اپیل'' کی تھی۔ اس (رحم کی روایتی اپیل) سے ضیاؑ اور ان کے ساتھیوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اگر وہ بھٹو کو دار پر لٹکا دیں تو عرب اور دیگر اسلامی ممالک ناراض نہیں ہوں گے۔

ایک اور عنصر جس نے حکومت کے ارادے کو تقویت بخشی، ایک ''ریسرچ اسٹیڈی'' تھی۔ بتایا جاتا ہے کہ یہ اسٹیڈی پاکستان میں امریکی جاسوسی کے ماہرین نے مرتب کی تھی۔

(ایشیا ویک، 4 مئی 1979)

www.bhutto.org

4

پاکستان کے سابق وزیراعظم 51 سالہ ذوالفقار علی بھٹو کی طرف سے ان کے وکلاء صفائی کی آخری اپیل پاکستان کے سپریم کورٹ نے 24 مارچ 1979 کو راولپنڈی میں مسترد کر دی۔ اور 1974 میں اپنے سیاسی حریف کے قتل کا حکم دینے کے الزام میں بھٹو کو سزائے موت دینے کے اپنے 4-3 کے فیصلے کو بحال رکھا۔

بھٹو کی تقدیر اب صدر محمد ضیاءالحق کے ہاتھ میں ہے جنہوں نے 1977 میں ان کا تختہ الٹا تھا۔ پاکستان کے قانون کے تحت بھٹو کے پاس ضیاءؔ سے رحم کی درخواست کرنے کے لئے ایک ہفتہ ہے لیکن راولپنڈی جیل میں اپنی موت کی کوٹھڑی سے بھٹو نے پچھلے ہفتے ایسے طریقہ کار کو ''ذلت آمیز'' قرار دے کر مسترد کر دیا اور اپنے خاندان کو ان کی طرف سے معافی کی کوئی درخواست کرنے سے منع کر دیا۔ اگر وہ رحم کی درخواست کریں بھی تو اس کا بہت کم امکان ہے کہ ضیاءؔ اسے منظور کرلیں۔ امریکہ کے صدر جمی کارٹر سوویت رہنما لیونائیڈ برزنیف اور پوپ جان پال دوم کی اپیلوں کے باوجود ضیاءؔ نے کہا ہے کہ وہ پاکستانی عدالتوں کے فیصلے کے خلاف نہیں جائیں گے۔ تقریباً چھ سال تک پاکستان پر حکومت کرنے والے بھٹو کو 24 گھنٹوں کے نوٹس پر پھانسی دی جا سکتی ہے۔

(نیوز ویک، 2 اپریل 1979)

www.bhutto.org

5

ان کی موت نے ماضی اور حال کے درمیان گزشتہ کل کی توقعات اور آج کی تاریک حقیقت کے درمیان رشتے کو کاٹ دیا ہے۔ یہ تاریخ کی انتہائی ستم ظریفی ہے کہ اب وہ مسلمان جو 1947 میں ہندوستان ہی میں رہ گئے تھے وہی برصغیر ہند کو جدید سانچے میں ڈھالنے کے علمبردار رہ گئے ہیں۔

(دی اکونومک ٹائمز)

6

اب سیاست کار جو چاہے کھیل کھیلیں۔ آئندہ برسہا برس تک ملک پر جرم کا سایہ چھایا رہے گا۔ مسٹر بھٹو نے جنرل ضیاءالحق کو ان کی باری سے پہلے ترقی دے دی اور بڑی تاخیر سے انہیں پتہ چلا کہ ان کے منظورِ نظر نے ان کے رنگا رنگی سیاسی کیریئر کو ختم کرنے کے لئے امریکہ کے ڈاکٹر ہنری کیسنجر ہی سے سودا کر لیا تھا۔

(پٹریوٹ)

حصہ چہارم: ضمیمہ جات

www.bhutto.org

www.bhutto.org

میں انہیں دکھادوں گا کہ عوام کا لیڈر اپنی جان کیسے دیتا ہے: بھٹو شہید

(روزنامہ ٹائمز لندن کے نمائندے پیٹر نیوز وان کا محترمہ بے نظیر بھٹو سے انٹرویو)

پاکستان کے عوام کو اس عفریت سے نجات حاصل کرنا ہے

دس فٹ اونچے فولادی دروازے کے برابر پیتل کی ایک تختی نصب ہے جس پر لکھا ہوا ہے ''ذوالفقار علی بھٹو بیرسٹرایٹ لاء'' اس کے اوپر ہی ایک اور تختی ہے جو زیادہ پرانی اور دھندلی ہے جس پر ان کے والد سر شاہنواز بھٹو کا نام لکھا ہے۔

70 کلفٹن پر ماضی کے ساتھ رشتے مضبوط ہیں۔ گھر کے اندر جا کر ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے پاکستان کے سابق وزیراعظم کہیں گئے ہی نہیں۔ یقیناً بہت سے لوگ جن میں ان کی صاحبزادی بے نظیر بھی شامل ہیں۔ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ گئے نہیں ان کی روح بقول ان کے موجود ہے اور ان کی رہنمائی کر رہی ہے اور انہیں استحکام بخش رہی ہے۔

بے نظیر نے اعتراف کیا ''میں اپنے آس پاس ان کی موجودگی محسوس کرتی ہوں۔ جب مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ میرے قریب نہیں ہیں تو میں افسردہ ہو جاتی ہوں بسا اوقات میں انہیں اپنے بہت قریب محسوس کرتی ہوں۔ جب میں خفا ہوتی ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ مجھ سے دور چلے گئے ہیں۔''

www.bhutto.org

انتقال کے بعد سے بھٹو کی قوت میں اضافہ ہو گیا ہے کچھ اعتبار سے وہ اب بھی اتنے ہی طاقت ور ہیں جتنے زندگی میں اپنے عروج کے وقت تھے۔ ایک وسیع حلقہ میں انہیں چیئرمین شہید کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ وہ ولی ہو گئے ہیں اور انتقال کے بعد ان کی کرامتیں ظہور میں آ رہی ہیں۔

پاکستان میں اب دونئی زیارت گاہیں وجود میں آ گئی ہیں۔ ان میں سے ایک دورافتادہ چاردیواری میں چھوٹا سا قبرستان جہاں 4 اپریل کو صبح ہوتے ہی فوج نے بھٹو کو دفن کیا تھا۔ سینکڑوں افراد ہر ہفتے اس خیال کے بغیر وہاں جاتے ہیں کہ صوبہ سندھ میں نوڈیرو پہنچنے میں بڑی دقتیں ہیں اور اس گاؤں میں سہولتیں بہت کم ہیں۔ دوسری زیارت گاہ 70 کلفٹن ہے۔

جس کے دروازے فولادی ہیں چاروں طرف اونچی اونچی دیواریں ہیں جن کے اوپر خاردار تار لگے ہوئے ہیں۔

ہجوم باقاعدگی سے جمع ہوتے ہیں۔ پہلے باہر سڑک پر اور پھر اگر تعداد بہت زیادہ ہو جائے تو دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور انہیں پام کے درختوں اور جھاڑیوں کے درمیان سے گذر کر لان میں آنے دیا جاتا ہے جہاں وہ دن بھر منتظر رہتے ہیں۔

اندر بھٹو کی بیوہ بیگم نصرت ابھی تک عدت میں ہیں (یہ انٹرویو اس زمانے میں لیا گیا تھا جب بیگم نصرت بھٹو کی عدت ختم نہیں ہوئی تھی) اور قریب ترین عزیزوں کے سوا کسی سے ملاقات نہیں کرتیں۔ اندر بے نظیر بھی ہیں جو سخت محنت کر رہی ہیں۔ انہوں نے زندگی میں کبھی ایسی جان توڑ محنت نہیں کی تھی۔ ان پر شدید دباؤ بھی ہے۔ دباؤ بڑھتے جاتے ہیں ان کی نظر بندی کے اثرات نے انہیں کمزور کر دیا ہے ان کے والد کے خلاف مقدمے اور موت کی کال کوٹھڑی میں ان سے ملاقاتوں کا دباؤ اور پھر ان کی موت کا کربناک زمانہ۔ اب بے نظیر آزاد ہیں لیکن آرام کا وقت انہیں کم ملتا ہے۔ ہر ہفتے ان سے ہزاروں افراد ملنے آتے ہیں۔ کچھ سیاستدان یا مقامی لیڈر ہوتے ہیں، جو دور دراز کا سفر کر کے انہیں اپنی مشکلات بتانے اور ان سے مدد مانگنے جناب بھٹو کی شہادت پر تعزیت کرنے اور یہ معلوم کرنے آتے ہیں۔ کہ آیا وہ بائیں بازو کی انتہا پسند ہیں اور

www.bhutto.org

دائیں بازو کی رجعت پسند۔

صبح 10 بجے سے نصف شب تک یا اس کے بعد تک بے نظیر وفود سے ملاقاتیں کرتی ہیں۔ پیپلز پارٹی کے تنظیمی امور کی دیکھ بھال کرتی ہیں۔ باہم دست وگریبان دھڑوں سے نمٹتی ہیں اور ان کاموں کو دیکھتی ہیں جو ان کے والد پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ ہر شخص بے نظیر سے ایک منٹ کی ملاقات چاہتا ہے جو بڑھ کر بیس منٹ طویل ہو جاتی ہے۔ عام لوگ باہر ان کے منتظر رہتے ہیں وہ ان سے تعزیت کرنے اور انہیں تسلی دینے آئے ہیں لیکن عموماً ہوتا یہ ہے کہ بے نظیر کو انہیں تسلی دینی پڑتی ہے کیونکہ لان میں بیٹھے ہوئے لوگ غم واندوہ سے رونے اور چلانے لگتے ہیں۔ یہ بڑی حیرت خیز بات ہے کہ ان کے ہوش وحواس قائم ہیں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ اگر انہیں کسی نفسیاتی علاج گاہ میں بھیج دیا جائے تو اس پر جنرل ضیاءً ناخوش نہیں ہوں گے۔ ان کے ملاقاتیوں میں فوج کا ایک کیپٹن بھی تھا جس نے تفصیل کے ساتھ بتایا کہ ان کے والد کی موت کس طرح واقع ہوئی اور ان پر کیا تکلیف گذری۔

ان تمام باتوں کے باوجود بے نظیر منصوبہ بندی کرتی ہیں لوگوں سے بات چیت کرتی ہیں۔ ان کی باتیں سنتی ہیں۔ گھر کے باہر ہجوم سے خطاب کرتی ہیں۔ جب موقع ملتا ہے تو کچھ نیند لے لیتی ہیں۔ وہ منتظر رہتی ہیں کہ اگلی ضرب کیا اور کب پڑے گی اور اس دن کی تیاریاں کرتی ہیں۔ جب ممکن ہے پیپلز پارٹی دوبارہ اقتدار میں آ جائے۔

ان پر جو دباؤ پڑ رہا ہے وہ اس کی پرواہ نہیں کرتیں۔ ان کی مدد سے آپ یہ پوری کہانی سنیں۔

اس انٹرویو کے لئے ہم نے قید وبند قید تنہائی کے بارے میں اور یہ بات چیت شروع کی کہ ان لوگوں نے اسے کیسے برداشت کیا۔

بے نظیر: میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میرے والد صورت حال سے کیسے نمٹتے تھے وہ ایک موضوع چن لیا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر پیٹر نائیسو ینڈ وہ اس کی شخصیت کے بارے میں سوچتے تھے ان کی ملاقات کب ہوئی تھی کیا کیا باتیں ہوئیں اس طرح وہ اپنی زندگی

www.bhutto.org

کے ایک ایک دن کے بارے میں سوچتے تھے۔ مثلاً 1953 یا 1957 میں کسی خاص روز ان پر کیا گذری۔ وہ پورے دن کے بارے میں سوچتے تھے اور اس طرح اپنے ذہن کو سرگرم رکھتے تھے۔ تمام وقت ذہنی طور پر ورزش کرتے رہتے تھے لیکن اس مختصری کوٹھڑی میں جسمانی ورزش ممکن نہ تھی۔ وہ بے عزتی کے خلاف احتجاج کرتے تھے۔ وہ ہمیشہ مقابلے پر آمادہ رہتے تھے، ان کے ساتھ خواہ کچھ بھی کیا جاتا وہ مقابلہ کرتے تھے۔ مثال کے طور پر جیل مینوئیل کے مطابق۔ لیکن کیسا جیل مینوئیل؟ اس پر عمل ہی کون کرتا تھا۔ ایک گھنٹہ دھوپ میں بیٹھنے کی اجازت تھی۔ جب وہ دھوپ میں جاتے تھے تو ان سے فوراً ہی کہا جاتا تھا کہ دس منٹ باقی رہ گئے ہیں۔ چونکہ ہر وقت ان کی توہین کی جاتی تھی اور وہ اس سلوک کو اپنے لئے ہتک آمیز سمجھتے تھے، اس لئے انہوں نے دھوپ میں جانا ہی چھوڑ دیا۔ جب ہم ان سے ملاقات کیلئے جاتے تو ملاقات کا وقت ختم ہونے سے پانچ منٹ پہلے ہی وہ کہتے ''اب تم چلی جاؤ میں نہیں چاہتا کہ کوئی تم سے آکر کہے کہ وقت ختم ہو گیا ہے۔'' اس طرح انہوں نے اپنا وقار قائم رکھا۔

سوال: ان دنوں میں جب خاتمہ قریب تھا کیا ہوا؟

بےنظیر: نظر ثانی کی درخواست مسترد ہونے کے بعد جب ان کی چیزیں ان سے لے لی گئیں، انہوں نے کھانا پینا چھوڑ دیا۔ احتجاج کا کسی فرد کے پاس یہی آخری ذریعہ ہوتا ہے۔ اگر وہ کچھ اور نہیں کر سکتے تھے تو کم از کم وہ اس کارروائی کے خلاف احتجاج تو کر سکتے تھے۔ ایک سینچر کو میں اپنے ساتھ سینڈوچز لے گئی تو انہوں نے کہا ''میں آج کل کھا پی نہیں رہا۔'' میں نے کہا کہ جیل حکام نے مجھ سے گھر کا کھانا بھیجنے کے لئے کہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ''میں جیل کا کھانا خوشی سے کھا لیتا۔ لیکن میں احتجاج کر رہا ہوں۔'' انہوں نے 24 مارچ سے 3 اپریل تک جس روز انہیں قتل کیا گیا کھانا نہیں کھایا۔ انہوں نے ایک لقمہ تک اس عرصہ میں نہیں کھایا تھا۔ پھر وہ ٹھگوں کا گروہ اندر بھیجا گیا۔ انہوں نے تمام چیزیں چھین لیں اور انہیں سزا یافتہ قیدیوں کے

کپڑے پہننے کو دیئے۔ انہوں نے کہا ''میں دیکھتا ہوں تم میں سے کون مجھے یہ کپڑے پہناتا ہے۔'' وہ ایسے صاف اور چست انسان تھے اور ہمیں بھی ایسا ہی دیکھنا چاہتے تھے وہ کہا کرتے تھے۔ صاف رہو یہ صاف دنیا ہے۔ انہوں نے سزا یافتہ قیدیوں کے کپڑے پہننے سے انکار کر دیا انہوں نے کسی موقعہ پر مقابلہ سے دریغ نہیں کیا۔ وہ یہ دکھانا چاہتے تھے کہ ''تم مجھے جھکا نہیں سکتے۔''

سوال: جنرل ضیاء اس بات کے لئے بے چین تھے کہ ان سے رحم کی اپیل کی جائے۔ کیا آپ کے خیال میں اگر آپ کے والد ایسا کرتے تو ان کی جاں بخش دی جاتی؟

بے نظیر: حقیقت ہے کہ ان سے میری والدہ سے یا مجھ سے رحم کی اپیلوں پر دستخط لینے کی یہ کہہ کر بہت کوششیں کی گئی تھی کہ سزا معاف کر دی جائے گی۔ لیکن میرے والد کہتے تھے کہ میں دستخط نہیں کروں گا۔ وہ پھر بھی مجھے پھانسی دے دیں گے اور اگر نہ بھی دیں تو بھی میں بے عزتی کے ساتھ زندہ نہیں رہوں گا۔'' وہ زندہ رہنا چاہتے تھے لیکن بے عزتی کے ساتھ نہیں۔ انہیں دو سال سے معلوم تھا کہ وہ ایسا کریں گے۔ وہ کہتے تھے۔

''میں انہیں دکھا دوں گا کہ عوام کا لیڈر کس طرح جان دیتا ہے۔'' پاکستان میں تین مرتبہ مارشل لاء آیا اور ہر مرتبہ انہوں نے جمہوریت اور جمہوری اداروں کو مطعون کیا وہ جمہوریت کی عزت بڑھانا چاہتے تھے۔ وہ یہ دکھا کر کہ جو شخص صدر یا وزیراعظم منتخب کیا جاتا ہے اور عوام کے منتخب نمائندے کس طرح کام کرتے ہیں۔ جمہوری تصورات کو فروغ دینا چاہتے تھے، ورنہ ہر فوجی حکومت یہ کہنے کی کوشش کرتی ہے کہ یہ سیاستداں آپس میں جھگڑے میں سیاستداں رشوت خور ہیں، سیاستداں یہ ہیں، سیاستداں وہ ہیں۔ یہ لوگ عوام کو یہ بتانے کی کوشش کر رہے کہ جمہوریت اور جمہوری حکومت کو بھول جاؤ۔ ایک جمہوری رہنما کی حیثیت سے ان کی ذمہ داری پاکستان کے عوام اور دنیا کو یہ دکھانا تھا کہ عوام کا لیڈر موت کا سامنا کس طرح کرتا ہے اور آمریت اور غیر نمائندہ حکومت سے کوئی سمجھوتہ نہیں کرتا۔''

www.bhutto.org

سوال: مرنے سے پہلے آپ کے والد نے پاکستان کے عوام کے لئے ایک پیغام دیا تھا، اس کا کیا ہوا۔

بے نظیر: یہ اب میرے پاس نہیں ہے کوئی چیز محفوظ نہیں ہے۔ ہمارے گھروں پر مسلسل چھاپے مارے گئے ہیں۔ اسے ملک سے باہر بھیج دیا گیا ہے۔ یہ میرے بھائیوں کے پاس بھی نہیں ہے۔ لیکن یہ محفوظ ہاتھوں میں...... ہے اور جب وقت آئے گا تو ممکن ہے۔ ہم اسے شائع کریں یا کسی عام جلسے میں ان کا اعلان کریں۔ پیغام موجود ہے اور ان کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ مختصر سا پیغام ہے جو انہوں نے ہمیں زبانی بھی بتایا تھا۔

سوال: کیا آپ سمجھتی ہیں وہ آپ کے اور آپ کی والدہ کے خلاف مزید کارروائی کریں گے؟

بے نظیر: یقیناً، فوجی حکومت ہمیں جسمانی یا سیاسی طور پر ختم کرنا چاہتی ہے لیکن جو کچھ وہ کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے۔ تازہ ترین بجٹ میں دیکھئے کہ امن عامہ کی مد میں کتنی رقم رکھی گئی ہے۔ جب امن عامہ کے لئے کوئی رقم منظور کی جائے تو ظاہر ہے کہ سول انتظامیہ کا وجود کہیں نہیں ہوتا۔ وہ یہ تو لکھ نہیں سکتے کہ یہ پاکستان پیپلز پارٹی کو کچلنے کے لئے ہے۔ اس لئے وہ اسے امنِ عامہ کا نام دیتے ہیں۔ اصل رکاوٹ ضیاءُ الحق ہیں۔ اگر وہ میرے والد سے خوفزدہ تھے۔ اگر ان میں ان کا سامنا کرنے کی ہمت نہ تھی۔ اگر اس کے بعد انہوں نے ان کو قتل کرا دیا تو وہ اس جماعت کو اقتدار کیسے دے دیں گے۔ جس کے وہ چیئرمین تھے؟ یہ بات منطقی نہیں ہے۔ ہم سمجھتے ہیں، ہمارے خلاف نئی مہم شروع کی جائے گی۔

سوال: آپ کی والدہ کے کیس کا کیا ہوا؟ کیا یہ اب بھی ٹریبونل کے سامنے چل رہے ہیں؟

بے نظیر: میری والدہ کے خلاف نام نہاد مقدمات ٹریبونل میں اب بھی زیرِ سماعت ہیں۔ نا اہلی کے ٹریبونل کا مقصد سرکاری رقوم کے بیجا استعمال کا جائزہ لینا ہے۔ کوئی الزام اس زمانے سے متعلق نہیں ہے۔ جب میری والدہ کے پاس کوئی پبلک عہدہ رہا ہو اور یہ مدت بھی دو ماہ سے کم تھی۔

www.bhutto.org

سوال: آپ کے والد کی وفات سے پہلے فوج نے اس مکان۔70 کلفٹن اور آپ کے دوسرے گھروں پر چھاپے مارے تھے۔انہوں نے کہا کہ انہوں نے یہاں خفیہ الماریوں میں اور دوسری جگہ خفیہ سرکاری دستاویزیں چھپی ہوئی پائیں۔ اس کے بارے میں مزید کچھ ہوا؟

بے نظیر: ہم وہ اشیاء واپس لینے کی کوشش کر رہے ہیں جو انہوں نے چرائی تھیں۔ وہ ذاتی چیزیں ہیں۔ایک مجلد فائل ہے جس میں ہر اس چیز کی رسید موجود ہے جس کی ادائیگی میرے والد نے اپنے ذاتی اکاؤنٹ سے کی ہے۔ یہ لوگ میرے والد کی لائبریری سے ہمارے سات نادر نقشے بھی لے گئے۔

سوال: نادر نقشے؟

بے نظیر: جی ہاں۔ انہوں نے ہماری ذاتی چیزیں اٹھالیں۔ وہ 3اپریل کو رات کے دو بجے دیواروں پر سے کود کر آئے۔ انہوں نے دروازوں پر دستک کیوں نہیں دی؟ انہوں نے ہمارے چوکیداروں کو مارا پیٹا۔ چوکیداروں نے انہیں بتایا کہ چابیاں ہمارے کزن کے پاس تھیں۔ جو سڑک کے پار مکان میں ہے۔

سوال: میں نے سنا ہے کہ یہ لوگ اپنی چابیوں سے تالے کھول کر اندر آئے؟

بے نظیر: ان کے پاس ایک خصوصی آلہ تھا۔ وہ اسے تالے میں ڈالتے تھے اور تالے کھل جاتے تھے۔ میری والدہ کے بیڈ روم میں ایک تجوری تھے۔ انہوں نے اسے بھی کھول لیا۔ دودھ والا آیا۔ اسے گرفتار کرلیا گیا۔ چھت اور باغ کی تلاشی لی گئی۔ وہ اپنے ساتھ سرخ رنگ کا ایک کپڑا لائے تھے۔ جس میں کاغذ تھے تاکہ ٹیلیویژن والے ان کی فلم بنا سکیں لیکن چیزیں چھپانے کی خفیہ جگہوں کی کوئی فلم نہیں ہے۔ کیونکہ ان کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔ صبح کو ایک ملازم ڈیوٹی پر آیا تو اسے گرفتار کرلیا گیا۔ فوج کے ساتھ مجسٹریٹ بھی تھا۔ اس نے کہا کہ جب میں یہاں موجود ہوں تو تلاشی کے وارنٹ کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ ملازم سے ایک کاغذ پر دستخط لینا چاہتے تھے۔ اس نے انکار کردیا۔ مجسٹریٹ

www.bhutto.org

نے کہا۔ ''تم دستخط نہیں کرتے تو سوچ لو تمہارے صاحب کے ساتھ کیا ہوا۔ سو چو تمہارا حشر کیا ہوگا۔'' ملازم ڈر گیا اور اس نے دستخط کر دیئے۔ میں نے اپنے سیکریٹری سے جنرل عباسی مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر کو خط لکھوایا اور ان اشیاء کی فہرست طلب کی جو وہ لوگ لے گئے تھے۔ تلاشی آٹھ سے دس گھنٹے تک جاری رہی۔ انہوں نے ہر شخص کو حوالات میں بند کر دیا۔ ہمارے یہاں خفیہ الماریاں اور خفیہ جگہیں نہیں تھیں۔ وہ کتنے جھوٹے مقدمے بنا سکتے ہیں۔ دنیا ان پر ہنس رہی ہے۔ قتل کے بعد لوگوں کو اس سے زیادہ دلچسپی ہوگی کہ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ شاید وہ بین الاقوامی بیزاری ختم ہو جانے کے منتظر ہیں۔ وہ بہت سارا سامان اٹھا لے گئے۔ مجسٹریٹ میرے والد کی ٹائیوں اور کپڑوں کو ہاتھ لگا لگا کر دیکھ رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ ''دیکھو وہ کہاں سے کہاں چلا گیا۔'' انہوں نے میرے تمام کیسٹ بجا کر دیکھے۔ میں نہیں سمجھتی کہ انہیں اس سامان میں کوئی قابل اعتراض چیز ملی۔ کیونکہ ہمارے پاس ایسی کوئی چیز تھی ہی نہیں۔ میرے والد ہمیں ایسی پوزیشن میں نہیں چھوڑ سکتے کہ ہم سے باتیں معلوم کرنے کے لئے ہم پر تشدد کیا جائے۔ وہ میرے والد کے کچھ خطوط لے گئے۔ جو انہوں نے مجھے اس وقت لکھے تھے جب میں آکسفورڈ میں تعلیم حاصل کر رہی تھی۔ سب ایسی ہی ذاتی چیزیں تھیں۔ میں انہیں کس طرح واپس حاصل کر سکتی ہوں؟ روپے سے انہیں خریدا نہیں جا سکتا۔ یہ لوگ میرے والد کی الماری کھولنے کے بعد بڑے جوش میں آ گئے۔ مجھے معلوم نہیں کہ میرے والد کے پاس کچھ تھا یا نہیں تھا۔ انہوں نے کہا اف وہ۔ یہ تو بڑی خطرناک چیزیں ہیں۔ لیکن انہوں نے پہلے بھی اس مکان پر چھاپہ مارا تھا۔ اور اگر کوئی چیز تھی تو انہوں نے سابقہ چھاپے میں کیوں برآمد نہیں کی؟ کسی نے میرے والد کی الماریوں کو نہیں کھولا تھا۔ ہم میں سے کسی نے انہیں نہیں کھولا۔ انہوں نے ایک بریف کیس کھولا اور اس میں ہر چیز نکال لی۔ میں نے الماری دیکھی۔ بریف کیس ہے مگر خالی۔ یہ میرے والد کے بریف کیسوں جیسا بھی معلوم نہیں ہوتا۔

www.bhutto.org

سوال: ضیاء کے لئے کیا مستقبل ہے؟

بے نظیر: میرے خیال میں واقعات بہت عرصہ پہلے ان کے قابو سے نکل گئے تھے اور معاشرتی قوتیں ایک خاص سمت میں چلتی ہیں اور وہ عوام کو اٹھ کھڑے ہونے سے باز نہیں رکھ سکتے۔ یہ لازمی ہے اور ہو کر رہے گا اور وہ اس وقت تک نہیں جائیں گے جب تک عوام وسیع پیمانے پر نہ اٹھ کھڑے ہوں۔ بیرونی عنصر یہ ہے کہ ان کی ذات باہر کر کے عالمی برادری۔ اگر اسے انسانی حقوق پر یقین ہے، وہ جمہوری تصورات کی قائل ہے۔ اس وفاق کے عوام کا غاصب کے خلاف ساتھ دے رہی ہے۔ لیکن لازمی عنصر داخلی ہے۔ وہ یہ ہے کہ پاکستان کے عوام کو خود ہی ان سے نجات پانے کی سعی کرنی ہوگی۔ ورنہ وہ نہیں جائیں گے۔ انہیں عہدے سے محبت ہے۔ اور وہ اسے اپنی نجی املاک سمجھتے ہیں۔

صرف پیپلز پارٹی ہی قومی رابطے کی ایک ٹھوس کڑی ہے اگر الیکشن ہوئے 1973 کے آئین کے رو سے ہوئے اور دیانت دارانہ اور آزادانہ ماحول میں ہوئے تو پیپلز پارٹی فاتح پارٹی کی حیثیت سے سامنے آئے گی۔ اور اگر اقتدار منتقل کر دیا گیا تو میرے خیال میں وفاق بچ جائے گا۔ یہ کوئی آسان کام نہیں ہوگا۔ لیکن اگر وفاق کو بچانے والا کوئی ادارہ ہے تو وہ صرف اور صرف پیپلز پارٹی ہے۔ لیکن اس میں بہت سے سوالات بھی ابھرتے ہیں بہت زیادہ نقصان کیا جا چکا ہے۔ آپ تعمیر کیسے کرتے ہیں؟ زخم کا علاج کیسے کرتے ہیں؟ اس کے لئے صبر وتحمل کی ضرورت ہے۔ ادراک اور فہم کی ضرورت ہے۔ عوام کی شرکت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی ہماری قوت ہے ہم عوام کو آگے بڑھا سکتے ہیں۔ ہم انہیں متحرک و منظم کر سکتے ہیں۔ ہم انہیں فیڈریشن کے پورے عمل میں شرکت کا احساس دے سکتے ہیں۔ اس طرح ہم فیڈریشن کو دوبارہ مضبوط و متحد کر سکتے ہیں۔ یہ کسی اور کے بس کی بات نہیں ہے۔ باقی سب جیبی گروپ ہیں۔ ان میں سے کسی کو پارٹی نہیں کہا جا سکتا۔

www.bhutto.org

4اپریل 1979

(ایلس فیض)

ہمارے لئے 4اپریل 1979 کا سورج دراصل 5اپریل 1979 کی صبح کو طلوع ہوا۔فیض اور میں اس روز تاشقند میں تھے، جب ہمیں اس المیہ سے آگاہ کیا گیا۔ہم لوگ ازبک رائٹرز ایسوسی ایشن کے سرکاری مہمان تھے۔اور پورے ازبکستان میں گھوم پھر کر اسی دن واپس لوٹے تھے۔

وسط مارچ 1979 ہی میں جب ہم دونوں لاہور سے اس سفر پر روانہ ہو رہے تھے۔تو خاصے متوحش تھے۔روانگی سے پہلے بہت سے دوست اور مداح خدا حافظ کہنے کے لئے آئے تھے۔ڈرائنگ روم میں ایک مجمع سے لگا تھا۔لیکن ماحول پر ایک عجیب سی تھکن طاری تھی۔عبداللہ ملک بھی اس اجتماع میں موجود تھے۔فیض نے ان کی جانب دیکھا اور پھر پوچھا کہ ان کا کیا خیال ہے؟انہوں نے جواب دینے سے پہلے چند لمحے تامل کیا۔پھر بولے میں جانتا ہوں کہ یہ نہیں ہوگا اور یہ کہتے ہوئے،انہوں نے اپنے ہاتھ کو اپنے حلقوم پر ایک خاص انداز میں حرکت دی۔میرا سارا وجود لرز کر رہ گیا۔''انہیں اتنی جرأت نہیں ہوسکتی۔'' میں نے کہا اور پھر اسی سانس میں پوچھا۔''پر آخر کیا ہوگا؟'' بہر حال ہمیں آئندہ کئی ہفتوں تک بہم رہنے کا موقع ملے گا اور پھر فیض غالباً اپنے بیروت جانے کے بارے میں بھی اسی دوران کوئی فیصلہ کریں گے لیکن اس تمام عرصہ میں ایک نامعلوم سی وحشت ایک نامحسوس سا دباؤ دل ودماغ پر بدستور مسلط رہا۔اس سے چھٹکارے کی کوئی صورت ہی نہ تھی۔ازبکستان میں یہ موسم بہاراں تھا اور وہاں کے اہل قلم اور ارباب فکر وفن کی

www.bhutto.org

والہانہ پذیرائی اس پر مستزاد تھی۔ ہم بار بار اور گھما پھرا کر اپنے دیس کی باتیں، اپنے وطن کو درپیش مسائل کا تذکرہ کرتے اور ایسا محسوس ہوتا جیسے وہ سب کچھ سمجھتے ہوں اور ہمارے جذبات سے آگاہ ہوں۔ جیسے جیسے دن گزرتے گئے ہم وقتاً فوقتاً ان سے پوچھتے رہے۔ کیا انہوں نے کوئی خبر سنی ہے، وطن عزیز کے بارے میں کوئی نئی خبر؟ فیصلے کے بارے میں خبر؟ وہاں کیا ہو رہا ہے؟ اور پھر آخر کار ہم تاشقند واپس آئے۔ ہوائی اڈے پر فیض کے مداحوں دوستوں اور دیگر حضرات کا ایک بڑا مجمع تھا۔ ہمیں گلدستے اور ہار پیش کئے گئے تانیا، ہماری مترجم جو اس پورے دورے میں ہمارے ساتھ رہی تھیں طیارہ سے اترتے ہی سیدھی ہمارے میزبان کے پاس جا پہنچیں۔ موصوف ازبکستان رائٹر ایسوسی ایشن کے جنرل سیکرٹری ہیں۔ انہوں نے تانیا کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو احتراماً بوسہ دیا اور پھر وہ دونوں ایک جانب کو ذرا ہٹ کر کھڑے ہو گئے اور باتیں کرنے لگے۔ معاً میرے دل کو ایک دھچکا سا لگا۔

ہمیں ایک بار پھر ریاستی مہمان خانہ کی پر تکلف قیام گاہ پہنچا دیا گیا۔ اب لنچ کا وقت تھا۔ کھانے کی میز پر شرکا کی ایک خاصی بڑی تعداد موجود تھی۔ کھانا ابھی شروع نہیں ہوا تھا کہ یکایک ہمارے میزبان اپنی نشست چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے حاضرین کی توجہ حاصل کرنے کے لئے اپنا ہاتھ اٹھایا تانیا کی نشست میرے اور فیض کے درمیان تھی۔ فوراً ہی اس نے اپنا ایک ہاتھ میرے ہاتھ میں اور دوسرا ہاتھ فیض کے ہاتھ میں دے دیا۔ اور تب اس عجیب سی خاموشی میں ہمارے میزبان نے روسی میں بولنا شروع کیا۔ تانیا ساتھ ہی ساتھ ترجمہ کرتی جا رہی تھی۔

''ہم آپ سے اور آپ کے عوام سے اپنی گہری دلی تعزیت کا اظہار کرتے ہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہم نے اس خبر کو آپ سے چھپایا۔ ہم چاہتے تھے کہ جس وقت آپ یہ افسوسناک خبر سنیں تو یہاں ہم سبھوں کے درمیان ہوں۔''

'تانیا! کیا ہوا؟'' میں تقریباً چیخ پڑی۔ تانیا نے بڑے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔ مجھے اس کا ایک لفظ آج بھی یاد ہے۔ وہ بڑی خوبصورت انگریزی بولتی ہے۔ ''فیض اور ایلس! بہر حال

www.bhutto.org

آپ کو بتانا ہی پڑے گا۔ یہ میرا انتہائی، ناخوشگوار فریضہ ہے جو مجھے ادا کرنا پڑ رہا ہے۔ آپ کے وزیراعظم جناب بھٹو بالآخر مار دیئے گئے۔ مجھے دکھ اور افسوس ہے بہت گہرا دکھ.... بہت ہی شدید افسوس۔'' فیض نے یکا یک سسکی سی لی اور پھر فوراً ہی ان کا ہاتھ ان کے دل پر آ گیا۔ میں نے انہیں بالکل اسی طرح اپنا سینہ پکڑے ہوئے دیکھا جیسے انہیں برسوں پہلے اس وقت دیکھا تھا۔ جب وہ ہمارے اپارٹمنٹ کی سیڑھیوں پر کھڑے ہوئے تھے اور میں نے انہیں ان کی شفیق والدہ کی دائمی جدائی کی خبر سنائی تھی۔ میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو اُبل پڑے۔ مجھے یاد ہے میں نیچے جھکی۔ جھکتی ہی چلی گئی اور پھر میں نے اپنا سر میز پر ڈال دیا۔ بہت دیر تک کمرۂ طعام پر ایک سوگوار سناٹا ایک دلدوز خاموشی چھائی رہی پھر بالآخر ہمارے میزبان نے توجہ دلائی۔'' حضرات حضر تناول فرمایئے اور اس بہادر انسان کو ہمیشہ یاد رکھیئے۔''

بالآخر شام کے سائے پھیلے۔ نیلگوں آسمان پر ڈوبتے سورج کی زعفرانی چھوٹ لحہ بہ لحہ ماند پڑتی گئی۔ اس ماند پڑتی چھوٹ کے پس منظر میں سپرلس کے بلند و بالا درخت اور بھی نمایاں نظر آ رہے تھے۔ ہم دونوں اپنے کمرہ میں تنہا تھے۔ فیض اپنی آہستہ روی کے ساتھ کھڑکی کی جانب بڑھے۔ انہوں نے کہا کہ'' میں اب وہ نظم لکھوں گا جو گزشتہ کئی دنوں سے میرے دل، دماغ میں ہلچل سی مچائے ہوئے ہے۔ اب میں جانتا ہوں کہ آنے والا المیہ پہلے ہی سے اپنے سائے ڈال رہا تھا۔ اور پھر وہ کھلے دروازے سے باہر نکل گئے اور میں انہیں بڑی دیر تک چاندنی میں نہائے ہوئے باغیچہ میں ٹہلتے دیکھتی رہی۔

میں اندھیرے کمرہ میں بہت دیر تک بیٹھی رہی۔ آخر کار وہ واپس آئے'' ہو گئی'' انہوں نے کہا اور پھر وہ بیٹھ گئے اور پھر انہوں نے مجھے اس نظم کے بارے میں بتایا۔ یہ بالکل مکمل تو نہیں تھی۔ لیکن نفسِ مضمون کا احاطہ کر لیا گیا تھا۔ یہ ایک ایسے شخص کا نوحہ تھی جسے مارا نہیں جانا چاہئے تھا۔

دوسرے دن ہمیں اپنے داغستان کے تفریحی دورہ پر جانا تھا لیکن اب ہمیں خندہ ہائے بے جا کا دماغ ہی کہاں تھا۔ فیض نے کہا کہ وہ ماسکو واپس جائیں گے اور وہیں بیروت سے متعلق

www.bhutto.org

کوئی فیصلہ کریں گے۔ ظاہر ہے کہ اب جلاوطنی کا ایک مرحلہ، ایک عرصہ درپیش ہوگا۔ افریشیائی رائٹرز ایسوسی ایشن ان کے جواب کی منتظر تھی۔ میں پاکستان واپس جاؤں گی۔ انتظار کروں گی اور دیکھوں گی کہ کس حال میں ہیں یارانِ وطن۔ اس وقت تک ہمیں ہنگاموں اور گرفتاریوں کی خبریں ملنے لگی تھیں۔

تو عبداللہ ملک کے اندازے غلط ہو چکے تھے۔

یہ سب کچھ لکھنا، اسے احاطۂ تحریر میں لانا بہت ہی مشکل بڑا ہی جان گھسل رہا ہے۔ میرے دل میں ہوک سی اٹھتی ہے اور آنکھیں بھر آتی ہیں۔ مجھے مدتوں پہلے کی وہ سنہری روپہلی صبح یاد آتی ہے جب پاکستانی عوام نے اپنے رہنما کا انتخاب کیا تھا۔ اس صبح میں تڑکے ہی ماڈل ٹاؤن لاہور میں چہل قدمی کے لئے نکل کھڑی ہوئی تھی۔ میں ان دنوں چند روزہ قیام کے لئے کراچی سے لاہور آئی تھی۔ فیض غیر ملکی دورے پر گئے ہوئے تھے۔ میں نے دیکھا جوق در جوق عوام اتنے سویرے ہی سے مراکز رائے شماری کے لئے رواں دواں تھے۔ زور زور سے باتیں کرتی ہوئی خواتین کا ایک بڑا سا غول میرے قریب سے گزرا۔ ان میں سے بعض نے مجھے پہچان لیا اور میرا خیر مقدم کیا۔ ''آپ کسے ووٹ دیں گی؟'' میں نے ان سے پوچھا۔ ''تلوار کو، تلوار کو۔'' بیک وقت سب کی آوازیں آئیں۔ وہ کتنی خوش تھیں۔ کتنی مطمئن اور پر اعتماد تھیں۔ وہ سب...... وہ سب...... وہ پوری قوم جس کے مسرت واطمینان اور یقین واعتماد کو بے رحمی کے ساتھ قتل کر ڈالا گیا۔

www.bhutto.org

انمٹ نقوش

نئے عیسیٰ، نئے سقراط کی کہانی

(احمد بشیر، روزنامہ فرنٹیئر پوسٹ، پشاور)

پاکستان میں 4 اور 5 جولائی کی درمیانی شب میں اصلاً کیا کچھ ہوا، کسی کو معلوم نہیں، آپریشن فیئر پلے کے مصنفین جنرل ضیاً اور جنرل فیض علی چشتی صرف اپنے اپنے کردار سے آگاہ ہیں دونوں اپنے اپنے جذباتی اور غیر جذباتی لمحات میں اس سلسلہ میں کبھی کبھی کچھ نہ کچھ اشارے دے جاتے ہیں۔ لیکن ان سے کوئی مربوط و مسلسل کہانی سامنے نہیں آتی۔ جنرل ضیاً کا کہنا ہے کہ چونکہ غلام مصطفیٰ کھر نے قوم کو ایک خانہ جنگی کے دہانے پر لا کھڑا کیا تھا۔ لہذا دونوں متحارب و متصادم فریقین کو علیحدہ علیحدہ کر دینے اور تصادم سے باز رکھنے کے لئے انہیں مداخلت کا فیصلہ کرنا پڑا اور انہوں نے 4 جولائی کو نواب زادہ نصر اللہ خان کے اس بیان کے بعد کہ پاکستان قومی اتحاد اور پیپلز پارٹی کے درمیان مذاکرات ناکام ہو گئے ہیں کارروائی کی۔

نواب زادہ مصر ہیں کہ انہوں نے ایسا کوئی بیان سرے سے دیا ہی نہیں اس کے برخلاف حکومت کا تختہ الٹنے کی کارروائی کے بعد بھی پاکستان ٹائمز کے 5 جولائی 1977 کے شمارے میں نواب زادہ صاحب کے ایک بیان میں قوم کو یہی یقین دہانی کرائی گئی ہے کہ مذاکرات جاری ہیں اور کامیابی یقینی ہے۔ ظاہر ہے جنرلوں نے رات کے اندھیروں میں ایک بلا جواز کارروائی کی تھی۔ لہذا مارشل لاء حکام بھی کسی کی جانب سے بھی نواب زادہ کے اس بیان کی تردید نہیں کی گئی، جنرل چشتی کا موقف ہے کہ وہ تو صرف احکامات بالا کی بجا آواری کرتے رہے اور

www.bhutto.org

جو کچھ ہوا یا کیا گیا محض اس لئے کہ فوج کی سربراہ کا یہی حکم تھا، منتخبہ آئینی حکومت کا تختہ الٹنے کے بعد وجود میں آنے والے فوجی حکمران کونسل کے فضائیہ اور بحریہ کے سربراہوں کو یقینی طور پر بری فوج کی جانب سے تختہ الٹنے کے پروگرام کی کوئی پیشگی اطلاع نہیں تھی۔ یہ خالصتاً بری فوج کا اپنا منصوبہ تھا۔ لہذا یہ بھی فضائیہ اور بحریہ کے سربراہوں کے دباؤ کا نتیجہ تھا کہ بعدازاں جنرل ضیاء کو چیئرمین شہید کی آئینی حکومت کا تختہ الٹنے اور انہیں مجریہ 1977 کی دفعہ 6 کی مجرمانہ خلاف ورزی کی پوری پوری ذمہ داری اپنے سر لینی پڑی، انہوں نے کہا کہ آئین کی حیثیت 12 صفحات کے ایک کتابچہ سے زیادہ کیا ہے؟''

بہرحال وہ اس سے کہیں زیادہ چھپا رہے ہیں جتنا ہمیں بتاتے ہیں۔ یہی حال جنرل چشتی کا بھی ہے، جواب پوری قوم کو محض یہ کہ کراپنی بے گناہی کا یقین دلانے پر تلے ہوئے ہیں کہ منتخبہ وزیراعظم کے عدالتی وسیاسی قتل میں ان کوئی ہاتھ نہیں تھا۔ جنرل ضیاء کے مطابق پھانسی کے فیصلہ کی توثیق اور منظوری اس امر کے باوجود کی گئی کہ عدالت عظمیٰ کا قانونی فیصلہ تین ججوں کے مقابلہ میں چار ججوں کی اکثریت کا فیصلہ تھا اور خود اس فیصلہ میں بھی یہ سفارش شامل تھی کہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر یعنی جنرل ضیاء اس فیصلہ پر اپنی نظرثانی میں دیگر تمام امور پر بھی جن میں معافی کی اپیلیں یا سزائے موت میں تخفیف وغیرہ شامل ہیں توجہ دیں، جنرل ضیاء نے عدالت عظمیٰ پاکستان کے مجموعی فیصلہ کے اس اہم حصہ کو سرے سے نظرانداز کردیا۔

بہرحال کیا پھانسی کے فیصلہ کو پاکستان قومی اتحاد کی تائید بھی شامل تھی؟ کم ازکم اتحاد کی سرکاری سطح پر تو نہیں لیکن بقول جنرل ضیاء انہوں نے اتحاد کے رہنماؤں سے انفرادی سطح پر اس سلسلہ میں صلاح مشورہ یا بات چیت ضرور کی تھی اور یہ لوگ پھانسی دینے کے حق میں تھے جنرل نے ان رہنماؤں کے نام نہیں لئے ہیں اور متعلقہ اتحادی رہنماؤں میں سے کسی نے بھی ان کے اس انکشاف کی تردید کی تکلیف نہیں کی ہے۔ تاہم یہ امر یقینی ہے کہ اتحاد کے ان رہنماؤں میں سے بعض نے پھانسی کی تائید کی اور دوسروں نے اس مجوزہ اقدام کی جسے بعد میں عملی جامہ پہنایا گیا مخالفت کی تھی۔

www.bhutto.org

عدالت عظمیٰ میں جناب چیئرمین کا کیس دوبارہ شروع ہوا اور انہوں نے صرف اتنا کہا کہ انہوں نے کسی کو قتل نہیں کیا نہ کسی کے قتل کا حکم یا ہدایت دی، انہوں نے نہ تو اپنے دفاع میں کوئی بیان دیا نہ کسی گواہ پر کوئی جرح یا جوابی جرح کی، وہ تو دراصل اس ساری کارروائی سے لاتعلق بنے رہے اور اس کے باوجود سات میں سے تین ججوں نے ان کی قطعاً بے گناہی، برأت اور معصومیت کا اعلان کیا اور اس کے باوجود انہیں زینت دار و رسن بنا دیا گیا حد تو یہ کہ شک کا تمام تر فائدہ جو دنیا بھر کی تمام عدالتوں میں ہمیشہ سے ملزم کو ملتا آیا ہے اس مقدمہ میں عدالتی تاریخ میں پہلی بار .....اور خدا کرے کہ یہ آخری بار ہو استغاثہ کو دیا گیا۔ ایسا مصدقہ طور پر قانونی تقاضوں اور طریق کار، نیز انصاف اور حصولِ انصاف کے تمام تر اصولوں اور جملہ عدالتی نظائر کے متفقہ عالمی معیار عدل کے عین برخلاف کیا گیا۔

یہ امر کہ یہ فیصلہ اور اس پر عملدرآمد بذات خود منتہائے مقصود تھا لاتعداد افراد کے خیال میں ہر شک وشبہ سے بالاتر اور یقینی ہے اسی طرح یہ بھی کہ ان کے قتل کا منصوبہ بھی بہت پہلے سے مرتب کردہ تھا۔ وہ ذاتی طور پر بھی اور سیاسی طور پر بھی ناقابل برداشت بن چکے تھے۔ ان کے بعض قریبی رفقاء تک بھی ان سے چھٹکارے کے خواہاں تھے اور اگر 17 جون 1986 کا ممتاز بھٹو کا بیان درست ہے تو کھر، جتوئی اور حامد رضا گیلانی نے انہیں 5 ستمبر 1977 ہی کو فاروق لغاری کی قیامگاہ پر اس امر کا قائل کرنے کی کوشش کی تھی کہ جناب بھٹو اب ایک فراموش شدہ کہانی ہیں اور یہ کہ پارٹی کی سربراہی اب جتوئی صاحب کو منتقل کر دینی چاہئے کیونکہ فوج اسی کی خواہاں ہے، بعد کے واقعات و حالات بھی اسی کی تصدیق کرتے ہیں۔ جتوئی صاحب خود راضی ہیں کہ انہیں تین بار وزارتِ عظمیٰ کی پیشکش کی گئی، انہوں نے انکار محض اس لئے کیا کہ وہ وزارتِ عظمیٰ کے ساتھ پیپلز پارٹی کی سربراہی کے بھی متمنی تھے۔ انہوں نے بڑی ہوشیاری سے اپنے پتے کھیلے اور وہ تقریباً کامیاب بھی ہو چکے تھے لیکن ہمیں جو کچھ معلوم ہے اس کے مطابق جناب چیئرمین شہید نے اپنے بعد پارٹی کی سربراہی کے لئے شیخ رشید کو نامزد کیا تھا، جو نہ صرف اس کے لئے جتوئی کے برخلاف کہیں زیادہ موزوں تھے بلکہ ایک وفادار اور ادا شناس ساتھی بھی تھے۔ اور سینئر وائس

www.bhutto.org

چیئرمین بھی، وہ اگر پنجاب اور سندھ کے جاگیرداروں اور وڈیروں نیز فوجی جنتا کے لئے ناقابل قبول تھے تو جتوئی بھی ملک بھر حتیٰ کہ خود سندھ میں اپنے ہی ہاریوں اور پارٹی کے لاکھوں غریب کارکنوں اور فدا کاروں کے ٹھکرائے ہوئے تھے اس مرحلہ پر شیخ رشید نے پارٹی کو اندرونی انتشار اور جنرل گروی کے ریموٹ کنٹرول سے محفوظ رکھنے کے لئے ایک انقلابی اقدام کیا انہوں نے اپنے دل و دماغ کی تمام تر صداقتوں کے ساتھ پارٹی کو متحد و متفق اور یکجا رکھنے کی تنہا اہل شخصیت اور پوری قوم کے دلوں کی آواز، بیگم نصرت بھٹو، کے حضور سر تسلیم خم کر دیا، پارٹی کے سازشی مکروہ عناصر اور جنرل گردی منہ دیکھتے رہ گئے۔

4 جولائی کو میں راسوامی کے ایک حبس زدہ فلیٹ میں مقیم تھا۔ کراچی کی اس شب میں ہوا خاموش تھی اس سے پہلے 2 جولائی کو پارٹی اور قومی اتحاد ایک سمجھوتہ پر پہنچ چکے تھے۔ اس پر دستخط ہونا باقی تھے۔ سب کچھ طے پا چکا تھا اور میں ٹی وی پر ایک ویسٹرن فلم دیکھ رہا تھا۔ 12 بجے فلم ختم ہوئی ٹی وی بند ہونے کا وقت ہو چکا تھا کہ اچانک اسکرین پر شاید حفیظ پیرزادہ صاحب طلوع ہوئے انہوں نے ذرا جھنجھلائے اور گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا کہ قومی اتحاد نے طے شدہ سمجھوتہ کے مسودہ کے برعکس اب دس نئے اضافی مطالبات پیش کئے ہیں جن پر کل صبح (۵ جولائی کو) اتحاد کے نمائندوں سے مذاکرات ہوں گے۔ کئی دن بعد پتہ چلا کہ پیپلز پارٹی نے ان اضافی دس مطالبات کو بھی مان لیا تھا، کیا وہ مسلح افواج کے ارادوں سے باخبر ہو چکے تھے؟ اور ٹی وی پر پیرزادہ کی اس وقت کی موجودگی کا کیا یہ مطلب تھا کہ پارٹی کی قیادت آخرِ شب میں ہونے والے سانحہ سے بچنے کی ایک آخری کوشش کر رہی تھی؟ شاید ہاں۔ اور یقیناً یہ کہ رات ڈھلے ٹی وی پر اس انکشاف کا مطلب یہی تھا کہ کم از کم قوم کو لحہ بہ لحہ صورتحال سے آگاہ رکھ کر اعتماد میں لیا جائے۔

......اور پھر لحہ صفر جب وزیراعظم کی قیام گاہ کا محاصرہ اور جناب بھٹو کی گرفتاری کے لئے فوجی دستہ مارچ کرنے ہی والا تھا۔ اسلحہ بار کر لیا گیا ہے اور جنرل ضیاء جی ایچ کیو کے کنٹرول روم میں پہنچ چکے ہیں لحہ صفر...... عین اسی وقت ذرا دیر پہلے سے وزیراعظم شہید لان میں بیٹھے ہوئے ممتاز بھٹو اور حفیظ پیرزادہ سے باتیں کر رہے ہیں، پیرزادہ کو یقین ہے کہ قومی

www.bhutto.org

اتحاد کے دس اضافی نکات پر بھی صبح کے مذاکرات میں فیصلہ ہو جائے گا۔ وہ قائد عوام کو مذاکرات میں کامیابی پر مبارکباد دے رہے ہیں۔ یکایک ممتاز بھٹو جھنجھلا جاتے ہیں پیرزادہ کی سادگی پر ''تمہیں تو سکھر بیراج میں غوطہ دینا چاہئے۔'' ممتاز نے کہا اور وہ بھی اس وقت جب وہاں شدید طغیانی کا عالم ہو۔'' چیئرمین شہید نے مسکراتے ہوئے اضافہ کیا۔ فضا بوجھل بوجھل سی ہے۔ وزیراعظم اور ممتاز ہلکی ہلکی گفتگو کی کوشش سی کر رہے ہیں۔ کیا آنے والے وقت کے سائے گہرے ہوتے جا رہے ہیں۔ کیا وہ جانتے ہیں جو ہونے والا ہے؟ ہاں شاید ہاں۔ تھوڑی دیر کے بعد نشست برخاست ہوتی ہے، چیئرمین شہید اپنی خوابگاہ کا رخ نہیں کرتے۔ شاید انہیں حملے کا خنجر پشت میں گھونپے جانے کا انتظار ہے۔

2 بجے شب اور لمحۂ صفر کا آغاز، چیئرمین کو مطلع کیا جاتا ہے کہ ایک بریگیڈ کی سربراہی میں ایک فوجی دستہ نے وزیراعظم کی قیامگاہ کے ٹیلیفون ایکسچینج پر قبضہ کر لیا ہے۔ صدر دروازہ پر نہ تو کوئی فائرنگ ہوئی اور نہ کوئی مزاحمت ہی کی گئی۔ وزیراعظم کے ذاتی محافظوں نے نہایت خاموشی کے ساتھ ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ کیا انہیں جی ایچ کیو سے پہلے ہی واضح ہدایت مل چکی تھی؟

قابض دستہ کا بریگیڈ وزیراعظم کے حضور میں حاضر ہوتا ہے۔ قواعد وقوانین کے مطابق بھرپور فوجی سلوٹ کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ چیف آف آرمی اسٹاف جنرل ضیاء الحق کے جاری کردہ احکامات کے تحت آپ زیرحراست ہیں چیئرمین شہید کو ذرا سا بھی تعجب نہیں ہوتا نہ وہ کسی غم وغصہ کا اظہار کرتے ہیں انہوں نے اس تمام صورتحال کا نہایت ہلکے پھلکے انداز میں سامنا کیا۔ ویسے بھی ملک کے واحد منتخبہ وزیراعظم اور رہنما ہونے کے باوجود وہ بھی تو گوشت پوست کے بنے ہوئے ایک عام سے انسان ہی تو تھے سنگین کی نوک اس کے جسم وجان میں بھی اتنی آسانی سے تراز و ہو سکتی تھی۔ جیسی آسانی سے کسی اور کے موت سے خوفزدہ ہونا انہوں نے سیکھا ہی نہیں تھا۔ جیسا کہ انہوں نے بعد میں قدم قدم پر اور نفس نفس میں تختۂ دار کے آخری لمحہ تک ثابت کر دکھایا وہ تو ابد تک کے لئے تاریخ کے صفحات پر اپنے انمٹ نقوش چھوڑنے کے لیے بیتاب تھے بلکہ کسی سقراط کسی عیسیٰ کی طرح لیکن ابھی وہ لمحہ نہیں آیا تھا ابھی وہ منزل دور تھی۔

www.bhutto.org

2 بج کر 15 منٹ: جنرل ضیاء کا ٹیلیفون آیا ہے۔ بڑی نرم بڑی مدھ بھری آواز میں وزیر اعظم سے براہ راست مخاطب ہیں۔ "سر! میں نے ملک کو بچانے کی خاطر یہ اقدام کیا ہے، 90 دن کے اندر اندر عام انتخابات کروا دیئے جائیں گے اور سر! آپ دوبارہ جیت جائیں گے اور تب میں ایک بار پھر پورے فوجی اعزاز کے ساتھ آپ کو سلامی دونگا" تاریخ کا سب سے بڑا جھوٹ بولا جا چکا تھا۔ اب صرف ایک جملہ اور کہنا باقی تھا "ہم صبح آپ کو لینے آئیں گے۔" کونسی صبح 5 جولائی 1977 کی صبح نہیں نہیں، بالکل نہیں، 4 اپریل 1979 کی منحوس صبح، یقیناً فرشتہ مرگ کا مطلب یہی تھا اور پھر ٹیلیفون بند ہو گیا۔ نئے عیسیٰ نئے سقراط کی کہانی کا ایک باب ختم ہو چکا تھا۔

جناب بھٹو خواتین اور عملہ کو جگاتے ہیں اب سب لوگ لان میں ہیں کافی طلب کی جاتی ہے اور قابض فوجی دستہ کا سربراہ باہر انتظار کر رہا ہے۔

4 بجکر 30 منٹ! وزیر اعظم کو فوجی حراست میں جی ایچ کیو اور پھر وہاں سے مری لے جایا جاتا ہے۔ ان کے وزراء اور پارٹی کے دیگر اہم رہنما پہلے ہی گرفتار کئے جا چکے ہیں اسی طرح قومی اتحاد کی قیادت بھی پکڑی جا چکی ہے۔

چالاک جنرل سب سے پہلا تاثر یہ دینا چاہتا ہے کہ وہ بالکل غیر جانبدار بھی ہے اور کسی بے وقوف کا گمراہ کردہ بھی نہیں، ایک فوجی افسر راولپنڈی براڈ کاسٹنگ ہاؤس پہنچتا ہے وہاں صبح کی نشریات کا آغاز ہو چکا ہے اور اناؤنسر خبریں پڑھ رہا ہے، اس سے زبردستی خبروں کے آخر میں ملک میں مارشل لاء کے نفاذ کی خبر پڑھوائی جاتی ہے۔

یہ تفصیل، یہ تصویر، یہ تمام منظر کشی ہو بہو ہو بھی سکتی ہے، نہیں بھی ہو سکتی ہے، میرے پاس کوئی دستاویزی یا سرکاری شہادات نہیں میں تو وزیر اعظم کو گرفتار کرنے والے فوجی افسر کا نام بھی نہیں جانتا اور جانتا بھی ہوتا تو میری اس تک پہنچ کیونکر ہوتی۔ جنرل ضیاء کسی کو اس سلسلہ میں کوئی بات بھی نہیں بتاتے۔ اگرچہ بعد میں اپنی فتحمندی سرشار بعض لمحات میں انہوں نے اشارتاً کبھی کبھی کچھ کہا ہے۔ ایک بار انہوں نے از خود بتایا تھا کہ 4 جولائی 1977 کا آپریشن فیئر پلے

بہت پہلے سے تیار شدہ تھا، کھر کی جانب سے خانہ جنگی کی دھمکی اور نواب زادہ کی جانب سے مذاکرات کی ناکامی کے انکشاف سے بہت پہلے سے اس کی تیاری کر لی گئی تھی، بعض اطلاعات مظہر ہیں کہ اس کا عملی خیال جنوری 1977 سے متعلقہ دماغوں میں موجود تھا۔ جنرل چشتی کی ساری دلچسپی اپنی گردن جانے کی حد تک ہے وہ صرف اتنا ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جب چیئرمین شہید کو قتل کیا جا رہا تھا۔ تو وہ اس رات پنڈی میں تھے ہی نہیں، گلگت میں تھے۔ اصل سازش کے بارے میں، کب سے ہو رہی تھی، کب ہوئی؟ کہاں کہاں تفصیلات طے کی گئیں، کس کس نے اس میں شرکت کی؟ کیا کیا مراحل پہلے سے اس پر عملدرآمد کے لیے متعین کیے گئے؟ ان تمام موضوعات پر وہ بالکل خاموش ہیں، اتنے ہی خاموش میاں طفیل محمد بھی ہیں، ایسے ہی بیگم نسیم ولی خان بھی اور اتنے ہی خاموش ہوائی مارشل اصغر خان بھی ہیں۔ جنہوں نے عام انتخابات سے بھی پہلے قوم سے نہایت وضاحت و بلاغت کے ساتھ یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ وزیراعظم بھٹو کو بالہ کے پل پر بنفس نفیس اور بقائمی ہوش و حواس خود پھانسی دیں گے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی بے سود و بلا مصرف زندگی کی واحد تمنا تھی جو بالآخر جنرل ضیاء نے پوری کر دی اگر چہ وہ جناب بھٹو شہید کو اپنے ہاتھوں سے پھانسی دینے کی ''سعادت'' سے پھر بھی محروم رہے یقیناً اس سعادت سے یہ محرومی ان کے قلب و جان میں اب بھی اور ان کے دم آخر تک پھانسی بنکر کھٹکتی رہے گی۔ جناب بھٹو کو تو شہید ہونا ہی تھا مگر شہید آخر بھی انہیں یہ داغ دے گیا، کاش ان کی تمنا کا یہ حصہ بھی پورا ہو گیا ہوتا تو پھر مستقبل کے مورخ کو ان کی اصل نسل میں کسی جلاد کے خون کی آمیزش کا سراغ لگانے میں آسانی ہوتی انہوں نے انتخابات سے اپنے اسی ارادے اسی دعوے کے ساتھ یہ بھی کہا تھا کہ عام انتخابات میں قومی اتحاد کو شاندار ترین فتح، پیپلز پارٹی پروار کی صورت میں نصیب ہو گی اور اگر ایسا نہ ہوا تو ہم یہ نتائج مسترد کر دیں گے انہوں نے قومی اتحاد کی نام نہاد تحریک کے دوران مسلح افواج کے سربراہوں کو منتخبہ حکومت کے احکامات ٹھکرا دینے کے لئے خطوط بھی لکھے تھے اور کم از کم تین بریگیڈیروں نے ایسا کیا بھی، لیکن نہ تو ان کا کورٹ مارشل کیا گیا اور نہ اس بنا پر وہ بعد میں کسی طور

www.bhutto.org

پر جوابدہ قرار پائے۔ جنرل غلام جیلانی جو آرمی انٹیلی جنس کے سربراہ اور وزیراعظم بھٹو کی ناک کے بال سمجھے جاتے تھے۔ آج کل مارشل لا دور میں طویل عرصہ تک گورنر پنجاب رہنے کے بعد جنرلی کی، یا گورنری کی یا شاید دونوں کی بیک وقت فراہم کردہ مالی و دیگر آسائشوں سے بہرہ اندوز ہیں، وہ بھی یقیناً بہت کچھ بلکہ سبھی کچھ جانتے ہیں، راؤ رشید نے کہیں کہیں جو میں نے دیکھا'' میں زبان کھولی ہے کہیں کہیں یوں کہ ان کے پبلشر اور ایڈیٹر نے اپنی ذاتی سنسر کی قینچی سے جی بھر کر کام لیا ہے۔ کوثر نیازی پردہ کے پیچھے کے کردار خدا اور شیطان دونوں کو بیک وقت خوش رکھ سکنے کا ماہر آج بھی اپنے پتے چھپا چھپا کر رکھ رہا ہے۔ اس نے سارے چور دروازے اپنے لئے کھلے رکھے ہیں مولوی مشتاق کو تو خبر قدرت ہی نے ابد تک کے لیے اپنے ہی اندر کے جہنم میں سلگنے کی سزا دے دی ہے اور اس اندوہناک و شرمناک قتل کے ڈرامہ کے آخری کردار شیخ انوار الحق نے حتیٰ المقدور خاموش رہنے ہی میں عافیت ہی جانی ہے وہ زیادہ سے زیادہ مولوی مشتاق اور جناب یحییٰ بختیار کو سزاوار ٹھہرانا ہی کافی سمجھتے ہیں کہ ان دونوں نے بھٹو کیس کو اس حد تک بگاڑ دیا تھا کہ ان کے لئے پنجاب ہائیکورٹ کے فیصلہ کی منسوخی کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی تھی گویا گنجائش، وہ گنجائش جو اختلافی فیصلہ لکھنے والے تین غیر پنجابی ججوں کو دن کی روشنی کی طرح نظر آئی ایک ایسی اضافی شے تھی جو سندھ اور سرحد ہی کے باسیوں کو نظر آسکتی تھی۔

میں نے جو کچھ منظر کشی کی ہے تین ''جیم'' میں سے کسی کی بھی مدد کے بغیر، کسی جنرل، کسی جج اور کسی جماعتی نے ایک لفظ بھی نہیں بتایا ان عظیم ہستیوں میں سے کسی تک مجھ جیسے قلم کے مزدور کی پہنچ ہی کہاں؟ لیکن میں اتنا جانتا ہوں کہ سابق اور آنجہانی، جی ہاں مرحوم نہیں آنجہانی قومی اتحاد کے سیاستداں اب شہید وزیراعظم کے المیہ پر بات چیت ہی پسند نہیں کرتے۔ ان میں سے بعض نہایت شدید طور پر اپنے ضمیر کا مار کا شکار ہیں اور اس سارے ڈرامے کی خاص گواہ آنسہ بے نظیر بھٹو تک میری رسائی ہی نہیں۔

آپریشن فیئر پلے کی سازش کب کی گئی؟ بعض اطلاع کے مطابق وسط مئی 1977 میں اس سلسلہ کو پانچویں کور کمانڈروں کا ایک خفیہ اجلاس ہوا جس میں اسٹاف افسران کی جانب سے

پہلے ہی سے تختہ الٹنے کی سازش کا مرتب کردہ منصوبہ پر نظر ثانی کے لئے زیر غور آیا بعد میں جون کے تیسرے ہفتہ بلکہ غالباً 19 جون کو ساری تفصیلات طے کر لی گئیں صرف لمحۂ سفر کا تعین باقی رہ گیا جو جنرل ضیاء کی ذمہ داری تھا اسی وقت قومی اتحاد اور پیپلز پارٹی میں کوئی رابطہ پیدا نہیں ہوا۔۔۔۔۔اور اتحاد والوں کی نام نہاد تحریک جاری تھی کسی مفاہمت کا دور نزدیک امکان نہ تھا گو کہ جناب بھٹو اس کے لئے حتی المقدور کوشاں تھے اسلامی جمعیت طلباء کے جتھوں کی مدد سے بینکوں کی لوٹ مار اور آتشزنی معمول بنی ہوئی تھی اور 90 ہزاران قیدیوں سے بنائی گئی بے غیرت مسلح ٹولیاں جنہیں جناب بھٹو بھارت سے رہا کرا کے لائے تھے ملک بھر میں بم پھینکنے کی وارداتیں کر رہی تھیں، انہیں برین واشنگ کے مراکز میں پہلے ہی یہ ذہن نشین کرا دیا گیا تھا کہ سقوط ڈھاکہ میں ان کی شرمناک شکست کے ذمہ وار جناب بھٹو تھے شرابی وزانی یحیٰی اور ان کے پٹھو جنرل نہیں تھے ان لوگوں کو بنگلہ دیش میں مقدمات اور بعد ازاں یقینی سزا موت سے اور پھر بھارت کی قید سے بچا کر جناب بھٹو نے خود اپنے ساتھ دشمنی کی تھی۔یہی جنہیں انہوں نے مشرقی پاکستان فوج کے کردار سے متعلق حمود الرحمٰن کمیشن کی وہ رپورٹ تک نہ چھپنے دی تھی جو لازماً فوج کے لئے پریشان کن رسوائی کا سبب بنتی۔اس کا کردار داغدار ٹھہرتا لیکن یہ ان کے نا کردہ گناہ تھے اور انہی گناہوں کی بنا پر ان سے دشمنی کو گویا اپنا ایک مقدس فریضہ بنائے ہوئے تھے۔

اور اس مقدس جہاد میں ڈالروں کی چمک دمک بھی تھی اور یہ چمک دمک بے گناہ اور معصوم افراد کی بھینٹ لے رہی تھی۔

جنرلوں کی توقع تھی کہ بالآخر چیئرمین بھٹو اس دباؤ کے سامنے ہمت ہار بیٹھیں گے اور ملک سے فرار ہو جائیں گے۔لیکن انہیں ابھی تک بظاہر ریاست کی طاقت پر جو دراصل اب ان کے کنٹرول میں نہیں تھی، بھروسہ تھا۔پھر یہ کہ اب بھی عوام کی ایک بہت بڑی اکثریت ان کی مداح اور ہم نوا تھی۔اگر چہ اس سے ان کا تعلق اور ربط وضبط پہلے جیسا نہیں رہا تھا۔ذہنی طور پر وہ قدرے تنہا رہ گئے تھے اور سیاست دانوں کے مشترکہ متحدہ دشمن محاذ نیم گماشتہ سرمایہ دار طبقہ، تاجر وصنعت کار حلقوں، ملاؤں اور مذہبی ٹھیکداروں، جاگیرداروں اور شایان شاں طور پر سرگرم عمل نوکر شاہی

www.bhutto.org

کے جنرلوں سے گٹھ جوڑ وغیرہ کا یکہ تنہا مقابلہ کرنا اب ان کے بس کا روگ نہیں رہا تھا۔ امریکی سی آئی اے انہیں محروم اقتدار کرنے اور جسمانی طور پر ختم کر ڈالنے کے لئے ایک سے زیادہ متبادل منصوبے تیار کر چکی تھی۔ آپریشن فیئر پلے ان میں سے ایک تھا۔ لیکن ابھی اس کا وقت نہیں آیا تھا گو کہ جنرل ہر طرح کی سورت حال کے لئے تیار بیٹھے تھے۔

قومی اتحاد کا حملہ تو 10 مارچ سے شروع ہوا لیکن جناب بھٹو کو اس سے بہت پہلے ہی ان کی ممکنہ انتخابی فتح کے سنگین نتائج سے خبردار کر دیا گیا تھا۔ جنرلوں کی سازش انتخابات عمومی سے پہلے ہی روبہ عمل آنی شروع ہو چکی تھی اور فوج اور قومی اتحاد کے درمیان سودے بازی کے بعد تختہ الٹنے کی سعی آہستہ آہستہ برگ وبار لانے لگی تھیں۔ سازش کی تیسری کڑی ایک غیر ملکی طاقت...... یا ایک سے زائد غیر ملکی طاقتیں...... بھی جب اس میں شامل ہو گئی تو صورت یوں بنی کہ قومی اتحاد کو انتخابات لڑنے کے لئے 30 کروڑ روپیہ کی امداد ملے گی اور اس کے باوجود پیپلز پارٹی جیت گئی تو قومی اتحاد فوج کی جانب سے تختہ الٹنے کی کاروائی کی حمایت کرے گا۔ اس سودے کے بدلہ میں نئے فوجی حکمراں پارٹی پر پرسسینگ ایٹمی پروجیکٹ پر اصرار کردیں گے۔ تاکہ فرانس کسی خفت کے بغیر اس معاہدہ سے روگردانی کر سکے۔ غیر ملکی طاقت کو اس طرح مطمئن کرنے سے قطع نظر جنرل حضرات اولاً تو قومی اتحاد کو انتخابات جیتنے میں ہر ممکنہ امداد بہم پہنچائیں گے لیکن اتحاد کی انتخابی ناکامی کی صورت میں تختہ الٹنے کی کامیاب کارروائی کے بعد مارشل لاء کابینہ میں قومی اتحاد کو سول نمائندگی کے طور پر شامل کریں گے تاکہ عوام کو بھی مارشل لاء کے عوامی ہونے کا تاثر دیا جا سکے (پران چوپڑہ نے "بھی اگر مجھے قتل کر دیا گیا" کے دیباچہ میں بھی یہی کچھ لکھا ہے) بعد کے حالات سے اس کی تصدیق بھی ہوتی ہے۔

لیکن کہانی بس اتنی ہی سی نہیں یہ سمجھنے کے لئے کسی خاص ذہانت کی ضرورت نہیں کہ بھٹو شہید اپنے ممکنہ خاتمہ یا قتل کے لئے کوئی غیر ملکی طاقت ان کے خون کی پیاسی کیوں تھی؟ 28 اپریل 1974 کو پارلیمان کے مشترکہ اجلاس سے شہید عوام کے خطاب میں اس کا سبب واضح ہو کر سامنے آتا ہے۔ انہوں نے کہا ملک میں جو کچھ ہوا اس کی منصوبہ بندی اور متعلقہ ضروری

www.bhutto.org

تنظیم ذہنی، دماغی اور فکری طور پر قومی اتحاد کی بانجھ صلاحیتوں سے ممکن ہی نہیں اصل چیز وہ غیر ملکی خطیر رقوم تھیں۔ جو اس ملک میں دریا کی طرح بہائی اور بانٹی گئیں۔ اب بلی تھیلے سے باہر آ چکی ہے۔ اس ساری شورش کا انتخابات میں دھاندلی کے نام نہاد بے بنیاد الزامات سے سرے سے کوئی تعلق ہے نہ نفاذ شریعت یا نظام مصطفےٰ سے ہاتھی کی یادداشت بہت تیز ہوتی ہے اور یہ بڑا کینہ پرور ہوتا ہے۔ اس کا منشائے مقصود اس مرحلہ پر مجھے ہٹانا ہے کیونکہ وہ بنیادی طور پر یہ برداشت کر ہی نہیں سکتا کہ میں دنیا کے نقشہ پر پاکستان کی سربلندی اور عظمت کے لئے جو کچھ کرتا رہا ہوں اور کر سکتا ہوں اسے باقی یا جاری رہنے دیا جائے۔

ہاتھی اس وقت کی حکمران امریکی ڈیموکریٹک پارٹی کا نشان تھا۔ جناب شہید کا اشارہ صاف اور واضح تھا۔ امریکی حکومت اور اس کی انتظامیہ خصوصاً اس کا اصل دستِ کارساز سی آئی اے تیسری دنیا کا بادشاہ گر آلہ ہے وہ اس تیسری دنیا کے ایک بہت حقیر سے ملک پاکستان میں بھٹو شہید جیسے آزادانہ فکر و عمل کے رہنما کا وجود کس طرح برداشت کر سکتا تھا۔ شہید کی فردِ جرم بھی خاص طویل اور تکلیف دہ تھی۔ وہ پاک چین دوستی کے خالق نہ سہی معمار اعظم بلاشبہ تھے۔ وہ امریکی ساختہ معاہدہ تاشقند میں کباب کی ہڈی بن کر رہ گئے تھے اور اس معاہدہ میں کشمیر کے سوال کو حل کئے بغیر ختم کر دینے کی راہ میں بری طرح حائل ہوئے تھے۔ وہ پاکستان اور اس کی قومی مفادات پر غیر ملکی چودہراہٹ کی راہ کا سنگ گراں تھے۔ خواہ یہ چودہراہٹ امریکی ہو، روسی ہو یا بھارتی ہو انہوں نے ویتنام کے سلسلہ میں ایوب خان کو امریکہ کی تائید و حمایت سے باز رکھا تھا۔ امریکی امپیریلزم کی جانب تو آبادکارانہ صورتِ حال کو جوں کا توں برقرار رکھنے کے منصوبہ میں ان کا سوشلسٹ ممالک سے سفارتی ہی نہیں قریبی تعلقات قائم کئے تھے اور پھر اسلامی سربراہ کانفرنس کا انعقاد جسے امریکی حکومت نے روکنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا۔ بذاتِ خود امریکہ کے خلاف ان کا ناقابل معافی جرم بن چکا تھا۔ انہوں نے عالم اسلام کو متحد کرنے اور اسے اپنے ماضی کی عظمت و شان اور اتحاد و قوت سے پھر آشنا کرنے کا ارتکاب کیا تھا۔ بنو امیہ کے زوال اور بنو عباس کے برسر اقتدار آنے کے بعد سے، یعنی گذشتہ ساڑھے گیارہ سو برسوں میں کسی نے ایسا سوچا

www.bhutto.org

تک نہیں تھا۔ اتحاد عالم اسلام کا یہ خواب شرمندہ تعبیر ہو جاتا تو اسرائیل اور امریکہ اور مغرب کے لئے مشرق وسطیٰ میں زندگی حرام ہو جاتی، تیل کے زیر زمین بہتے ہوئے چشموں کی روانی ان سب کو حسن و فاشاک کی طرح بہالے جاتی۔ انہوں نے عالم عرب کو تیل کے ہتھیار کا استعمال اور سلیقہ دیا۔ تنظیم آزادیٔ فلسطین اور چند افریقی ممالک میں تحاریک آزادی کے لئے ان کی فوجی امداد نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ وہ سیاسی اور سفارتی دنیا کا رہبر و رہنما سمجھا اور مانا جانے لگا تھا۔ یونان نے ان سے درخواست کی تھی کہ قبرص کے مسئلہ پر وہ ترکی سے اس کا تصفیہ کرادیں اور یہی نہیں، دونوں کوریاؤں کی جانب سے انہیں شمالی وجنوبی کوریا کے قومی انضمام کے سلسلہ میں حائل رکاوٹوں کو اپنی ثالثی کے ذریعہ دور کرنے کی استدعا کی گئی تھی۔ وہ تو دونوں سپر پاورز کے حلقۂ اختیار اور دائرہ اقتدار میں مداخلت بے جا کر مرتکب ہو رہے تھے۔

آخر قبرص کے مسئلہ پر یونان وترکی اور باہمی انضمام، کوریا مشترکہ قومی تشخص کی بحالی پر شمالی وجنوبی کوریا کے درمیان امریکی وروس اور ان دونوں کی بہتر تقسیم قبور الجھنے ساختہ ام'' والی اقوام متحدہ تصفیہ نہیں کرا سکی تو ایک حقیر سے ملک پاکستان کا یہ کرشمہ ساز رہنما ایسی جرأت کیوں کر رہا تھا؟ اتنی طویل فرد جرم اتنی تفصیلی فہرست جرائم کو خدائی فوجدار اور خود ساختہ جج امریکہ تو ہرگز برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ جلد یا بدیر سزا دہی لازمی تھی۔ انہیں تنہا کر دینے کے لئے داخلی اور خارجی محاذ پر ساری مشینری حرکت میں آ گئی امریکی دشمنی کا نمایاں اظہار 1972 ہی سے دیکھنے میں آ گیا تھا۔ لیکن اپنے عوام کی بے پناہ محبت اور خود شہید کی اپنی بیدار مغزی نے امریکہ کو مناسب موقع کا انتظار میں مبتلا رکھا۔ اس کے باوجود آخری کامیاب حربہ سے پہلے دوبارہ جنرلوں نے ان کا تختہ الٹنے کی کوشش کی تھی لیکن شاید بروقت امریکی تائید وحمایت کی یقین دہانی یا دیگر متعینہ امداد بہم نہ پہنچائی جا سکی۔ ویسے ایک خنجر بروقت ہر لمحہ ان کے پورے دور حکمرانی میں ان کی پشت پر موقع کی تلاش میں رہا۔

انہوں نے ملک کی مسلح افواج کے لئے جو کچھ کیا اتنا تو یہ مسلح افواج خود اپنے دور حکمرانی میں بھی اپنے لئے نہیں کر سکی تھی۔ سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ انہوں نے اس فوج کی خود اپنی

www.bhutto.org

تاریخ کے باوجود جس میں ایک طویل آئینی دشمنی و جمہوریت کسی اور مشرقی پاکستان میں ایک شرمناک فوجی شکست بھی شامل ہے۔ اس کا فرد وقار ہی نہیں عوام کے دلوں میں اس کی محبت بھی بحال کرادی تھی۔ اس کے باوجود امریکی سی آئی اے کے ہاتھ بہت ہی لمبے تھے اور جی ایچ کیو راولپنڈی میں اس کے اپنے رابطے تھے کہ وہ چیئرمین شہید کے خلاف سازش کر سکے اسے صرف مناسب بہانے اور موقع کی تلاش تھی۔ چنانچہ جب انہوں نے پرامن مقاصد کے ساتھ ساتھ قومی دفاع کے نقطہ نظر سے ایٹمی ترقی کے جامع اقدامات کا فیصلہ کیا اور اس سلسلہ میں فرانس سے ایک نیوکلیئری پراسسینگ پلانٹ کی خریداری کا معاہدہ بھی طے کرلیا۔ تو گویا ان کے لئے سزائے موت کی فرمان کے اجراء کا وقت آ گیا۔ ابتداً امریکہ کے یہودی وزیر خارجہ ہنری کسنجر نے انہیں اس سے باز رکھنا چاہا بعد میں انہیں باقاعدہ دھمکیاں دی گئیں۔ ان کے رفیق کابینہ مسٹر رفیع رضا نے خود ان کے قول کے مطابق انہیں خبردار کیا۔ چیئرمین شہید نے کہا ''جنوری 1977 کے آغاز ہی سے مجھے ایک خفیہ ہاتھ سے ہوشیار رہنے کے انتباہات ملنے لگے تھے۔ جنوری ہی میں رفیع رضا نے مجھ سے ساڑھے چار گھنٹہ طویل ملاقات کی۔ اس نے مجھے بتایا کہ پاکستان قومی اتحاد وجود میں آ رہا ہے۔ اس نے مجھے اس کے سانچہ، ڈھانچہ، طریق کار اور مقاصد کے بارے میں بتایا۔ اور ساری تفصیلات کے آخر میں کہا کہ اب آپ کے سامنے صرف تین راستے ہیں۔ اولاً نیوکلیئری پراسسنگ پلانٹ کو بھول جائیں، دوئم انتخابات کو غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی کردیں اور ثالثاً انتہائی بدترین نتائج کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ میں نے رفیع رضا کو جواب دیا کہ اب پراسسنگ پلانٹ سے ہاتھ اٹھانے یا انتخابات ملتوی کرنے کا وقت گذر چکا ہے۔ اس پر رفیع رضا نے کہا جناب میں آپ کو یہ سمجھنا چاہتا ہوں کہ انتخابات یا وزارتِ عظمیٰ سے کہیں بڑی چیز داؤ پر لگی ہوئی ہے۔ آپ یہ سب کچھ کیوں کرار ہے ہیں؟ آپ اپنی ذات اور خود اپنے خاندان کے خلاف آخر اتنا بڑا خطرہ کیوں مول لینے پر تلے ہوئے ہیں؟ میں نے اسے جواب دیا کہ میں یہ سب کچھ اس لئے کر رہا ہوں اور یہ تمام خطرہ اس لئے مول لے رہا ہوں کہ میں چاہتا ہوں کہ میرا ملک

www.bhutto.org

ایک مضبوط طاقتور اور جدید خوشحال ملک بن جائے۔ میں یہاں ایک فلاحی معاشرہ دیکھنا چاہتا ہوں تا کہ میرے عوام کو وہ مسرت و خوشحالی ملے جس کے مفہوم تک سے وہ ناآشنا ہیں۔"

جناب بھٹو نے تو ان تمام دھمکیوں کو کوئی اہمیت نہیں دی مگر ہنری کسنجر مسلسل کوشاں رہے۔ مجھے نہیں معلوم انہوں نے کس سے یہ کہا تھا کہ پاکستان کو (یا جناب شہید کو) ایک نشان عبرت بنا دیا جائے گا۔ لیکن مجھے یہ یاد ہے کہ اس وقت کے وزیر خارجہ جناب عزیز احمد کو دھمکی دی گئی تھی کہ اگر جناب بھٹو نے (امریکہ سے) تعاون نہ کیا تو پاکستان پر سے ایک تیز رفتار ہاتھی گذارا جائیگا۔

پارلیمان کی اپریل 1977 کی مذکورہ مشترکہ نشست سے خطاب کرتے ہوئے جناب بھٹو شہید نے کہا تھا کہ "جب ایک امریکی افسر نے دوسرے امریکی افسر کو ٹیلی فون پر بتایا کہ پارٹی ختم ہوگئی ہے۔ پارٹی ختم ہوگئی ہے۔ تو انہوں نے اس پر کوئی احتجاج نہیں کیا۔ اب وہ افسر جا چکا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا واقعی پارٹی اس وقت ختم ہو چکی تھی؟ جی ہاں شہید وزیر اعظم کو اس وقت پوری سازش اور اس کے تانے بانے کا علم ہو چکا تھا۔ لیکن وہ ری پراسسنگ پلانٹ کا معاہدہ منسوخ کرنے اور پاکستان کو دنیا بھر میں بے عزت کر دینے پر کسی طور پر آمادہ نہ تھے۔

12 مئی: ٹی، این، ٹی سمیت انتہائی طاقتور آتش گیر اور دھماکہ خیز مادہ جس پر یو۔ ایس انجینئرنگ کور کے نمبر اور نشانات کندہ تھے، پنجاب لے جاتے ہوئے پشاور میں پکڑا گیا۔

3 مئی : ہوائی مارشل اصغر خان مسلح افواج کے سربراہوں کو منتخب آئینی حکومت کے خلاف نافرمانی کے لئے خطوط لکھتے ہیں۔

5 مئی: مفتی محمود 33 نکاتی مطالبہ جس میں سال بھر پہلے کی منتخبہ آزاد کشمیر اسمبلی اور حکومت کی برطرفی شامل تھے، پیش کرتے ہیں۔

9 مئی: قومی اتحاد کے ایک رہنما اعلان کرتے ہیں کہ شاہراہ قراقرم بند اور فرانس سے ایٹمی پلانٹ کا معاہدہ منسوخ کر دیا جائے گا۔

20 مئی: قومی اتحاد آخری طور پر دوٹوک مذاکرات کے لئے آمادگی کا اظہار کرتا ہے۔

www.bhutto.org

2 جولائی: بھٹو شہید صورت حال کو سدھارنے کی آخری کوشش کے تحت اتحاد کے ساتھ ایک سمجھوتہ پر پہنچ جاتے ہیں۔ جس سے سی آئی اے کو مایوسی ہوئی ہے۔ 4 جولائی کو امریکہ کا یوم آزادی ہے۔ امریکی سفیر ہمیشہ کی روایت کے خلاف ڈنر کی بجائے اس موقع پر صرف ٹی پارٹی دیتا ہے۔ تاکہ 4 جولائی کی درمیانی شب میں خنجروں کی روانی تختہ الٹنے کی کارروائی میں یوم آزادی کا ڈنر مخل نہ ہو۔ جناب بھٹو کو ساری صورت حال کا علم ہے، چنانچہ میں نے ابتدا میں جس آدھی رات کے ٹی وی نشریات کا حفیظ پیرزادہ کے حوالے سے ذکر کیا اس کا سبب یہی تھا۔

لیکن شہید بھٹو اس امریکی سازش میں پاکستان قومی اتحاد کی تمام جماعتوں، اس کے تمام لیڈروں کو ملوث قرار نہیں دیتے ہیں۔

''ساری سازش نہایت خفیہ رکھی گئی۔ اور صرف چند منتخبہ افراد کو اس بارے میں کچھ تفصیلات بتائی گئی تھیں۔ سازش کی پوری تفصیلات اور سارا جامع منصوبہ صرف ایک پارٹی کے سربراہ کو بتایا گیا تھا باقی لوگوں سے رابطہ اور واسطہ کا ذریعہ تنہا میاں طفیل محمد (امیر جماعت اسلامی) تھے اس طرح سازش میں شریک باقی جماعتوں سے رابطہ اور واسطہ کا ذریعہ تنہا جماعت اسلامی تھی۔ جماعت اور امیر جماعت کے علاوہ شرکا، سازش میں سے دیگر لیڈروں اور ان کی جماعتوں کی معلومات فرداً فرداً اور اجتماعاً جستہ جستہ تھیں۔ صرف امیر جماعت اسلامی کو ہی غیر ملکی رقوم فراہم کی گئی تھیں۔ جنوری سے مئی تک انتخابات اور تحریک میں یہی روپیہ کام آتا رہا۔

اور تو اور اندر کے آدمی سیلری نے 3 جولائی کو تسلیم کیا کہ 1971 کا بحران میں جو غیر ملکی اکھاڑ پچھاڑ (امریکی اکھاڑ پچھاڑ) کارفرما تھی وہی آج (3 جولائی 1977 کو بھی) پاکستان کی موجودہ سیاسی صورت حال میں بھی ہے۔

بھٹو شہادت پا چکے ہیں اور اب پاکستان عملاً ایک غلام ریاست ہے۔ ری پراسسنگ پلانٹ ہوا میں تحلیل ہو چکا ہے اور اس کے ساتھ ایک مضبوط خوشحال اور خوددار و توانا پاکستان کا تصور بھی، اب امریکی بحریہ کا ایٹمی طیارہ بردار انٹرپرائز کراچی کی بندرگاہ میں امریکی فتح وظفر کا پرچم لہراتا ہے۔ امریکہ کی جنگ افغانستان میں پاکستان کا جغرافیائی وجود اور اس کے اخراجات کی

www.bhutto.org

مد میں اس بدنصیب ملک کے فاقہ زدہ محنت کشوں کے خون پسینہ کی کمائی داؤں پر لگائے ہوئے ہیں۔ بھارت پاکستان کے لئے مستقل خطرہ کی گھنٹی بنا ہوا ہے۔ ایران امریکہ سے ہماری یاری پر بے چین ہے۔ پیران عظام اور علمائے اکرام کا نام نہاد ٹولہ کھلے بندوں یہودیوں کو اہلِ کتاب قرار دے کر اسرائیل سے سفارتی تعلقات کے قیام کی مہم چلا رہا ہے۔ اور اگر یہی شب و روز رہے تو ابھی اور بہت کچھ دیکھنے کو ملے گا۔

جرنیلوں کے خنجروں کی سیاہ رات، 4 اور 5 جولائی 1977 کی منحوس شب تیرہ ابھی ختم نہیں ہوئی ہے۔ لیکن سیدھی سادھی آمنے سامنے کی براہ راست جنگ میں انسانی خون اور گوشت پوست نے ہمیشہ ہی آبدار فولادی خنجروں کے منہ پھیر دیئے ہیں۔

www.bhutto.org

ڈیتھ سیل ڈائری

(ذوالفقار علی بھٹو)

(سابق وزیر اعظم کی ذاتی ڈائری کے حصے جنہیں بھارتی صحافی خوشونت سنگھ نے اپنے رسالے "نیو دہلی" میں چھاپا اور جو بقول اس کے مسٹر بھٹو نے جیل ملازمین کے ذریعے سمگل کروائے اور جموں کے راستے بھارت بھیجے ہیں۔ مسٹر بھٹو کے جنرل ضیاء، شاہ ایران، اندرا، خمینی، ترکی اور ملکی سیاستدانوں کے متعلق انکشافات اور پیشگوئیاں)

"نیو دہلی" کا دعویٰ ہے کہ یہ کتاب مسٹر بھٹو کی ڈائری پر مبنی ہے، اگر ایسا ہے تو اس کا مطالعہ یقیناً پاکستانی قارئین کے لئے دلچسپ ہوگا، لیکن اگر ایسا نہیں ہے تو بھی یہ امر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ بھارت، کن مخصوص خیالات کو بھٹو سے منسوب کر کے پاکستان میں رائج کرنا چاہتا ہے۔ مسٹر بھٹو کے خیالات سے اتفاق یا اختلاف ممکن ہے اور ان کے بیان کردہ واقعات بالخصوص جنرل ضیاء پر ذاتی الزامات کو انتقامی ردعمل کی پیداوار کہا جا سکتا ہے، لیکن اس شکل میں بھی آخری دنوں میں ان کی ذہنی کیفیت کیا تھی اس کا مطالعہ سیاسیات کے طالب علموں کے لئے ضروری ہوگا۔

(مرتب)

میں بھکاری نہیں ہوں اور نہ اپنے لئے کسی بھی قسم کی بھیک مانگنا پسند کرتا ہوں۔ میں اپنی دونوں ٹانگیں اٹھا کر نہیں بیٹھا رہوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ میری قوم کے لوگ خاموش نہیں بیٹھیں گے۔ اور وہ جنرل ضیاء کو کبھی معاف نہیں کریں گے۔ جنرل ضیاء آج کل اس کوشش میں

www.bhutto.org

ہے کہ یہ دیکھے کہ کیا مجھے پھانسی دیکر وہ اقتدار پر قبضہ کرسکتا ہے، لیکن وہ نہیں جانتا کہ یہیں کہیں کوئی قذاقی ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ ایک روز ہم سو کر اٹھیں تو اسے جنرل ضیاء کی جگہ پائیں۔

آج جنرل ضیاء اس بات کو تسلیم کرے یا نہ کرے، لیکن اس کی مٹھی بھر ساتھیوں اور گنتی کے مشیروں کو چھوڑ کر باقی دنیا میری پھانسی کو ہمیشہ ایک سیاسی قتل سمجھتی رہے گی۔

موت یقینی امر ہے، اگر میرے دن پورے ہو چکے ہیں، تو تم مجھے نہیں بچا سکتے۔ مجھے مرنے سے ڈر نہیں لگتا، لیکن جس امر سے مجھے نفرت ہے وہ اقتدار سے علیحدگی اور جیل میں آنے سے اب تک توہین آمیز طرز عمل ہے جو میرے ساتھ جیل میں روا رکھا گیا ہے اور وہ نامناسب سلوک ہے جو میرے ساتھیوں، سیاسی ہمسفروں اور اہلخانہ سے کیا گیا ہے۔

خانہ جنگی ہوگی

بظاہر جو امن اور سکون دکھائی دیتا ہے، اس کے پیچھے پاکستان اعصاب کی حد تک خانہ جنگی کا شکار ہو چکا ہے اور اعصابی خانہ جنگی کا یہ خاموش ماحول اچانک پھٹے گا اور یہاں دو بدو لڑائی شروع ہوگی۔

جنرل ضیاء اور ٹکا خان

5 جولائی 1977 کو فوج نے اقتدار سنبھالا اور جنرل ضیاء نے 7 جولائی مری میں مجھ سے ملاقات کی اور وہ ساری من گھڑت داستان سنائی جس کے مطابق فوج کو اقتدار پر قبضہ کرنا پڑا، حالانکہ اس یقین دہانی کی کوئی ضرورت نہ تھی، مگر جنرل ضیاء نے مجھے یقین دلانے کی کوشش کہ ''فوجی ایکشن'' اصل میں میرے خلاف نہیں تھا، بلکہ ''باسٹرڈز'' کی ایک کلاس کے خلاف تھا جس کی سربراہی بقول جنرل ضیاء ٹکا خان کر رہے تھے۔ میں اسے دیکھتا رہا، تاہم میں نہیں چاہتا تھا کہ اپنی معلومات کے مطابق اسے کنفرنٹ کروں، حالانکہ مجھے سب علم تھا۔ وہ غلط کہہ رہا تھا، ظالم اور گناہ گار تھا، مجھے اس کے اندر احساسِ جرم سے نفرت محسوس ہو رہی تھی۔

www.bhutto.org

جنرل ضیاء اور اسلام کا اشو

مجھے کمرے میں آتے دیکھ کر میرے ذاتی ''خدمت گار'' نے وہسکی کی بوتل دراز میں چھپالی۔ میں بغیر اطلاع کے آیا تھا اور ایسا کرنے کا مجھے حق حاصل تھا، کیونکہ میں خود کو اس کا آقا سمجھتا تھا۔ اسے جنرل ٹکا خان کی جگہ آرمی چیف بنانے کے لئے میں نے کئی فوجی افسروں کو نکال باہر کیا تھا اور متعدد پر سے ترقی دیکر اس شخص کو آرمی چیف بنایا جس کا نام ضیاء الحق ہے۔

ان دنوں ضیاء الحق کو عام طور پر میرا ذاتی ''خدمت گار'' کہا جاتا تھا۔ اگرچہ مجھے یہ الفاظ پسند نہیں تھے اور باوجود اس کی جسمانی تیزی اور مستعدی کے میں دوسروں کی ایسی باتیں سن کر خوش نہیں ہوتا تھا۔ وہ پاکستانی افواج کا سربراہ تھا اور میں پاکستان کا وزیر اعظم۔ چنانچہ اس نے مجھے اپنے کمرے میں آنے کی دعوت دی اور خود سگریٹ سلگائی، وہ پریشان دکھائی دیتا تھا۔ میں نے پوچھا کیا سبب ہے، وہ بولا۔ ''سر آپ کو کیسے علم ہوا؟'' لیکن مجھے جواب دینے کی ضرورت ہی نہ رہی، کیونکہ سگریٹ ختم ہونے سے پہلے ہی اس نے سگار سلگالیا، اور یہی وہ مقام تھا جہاں وہ پکڑا گیا۔ آخر اس نے تسلیم کرلیا کہ وہ پریشان ہے۔ اس کا گھر مکمل طور پر خاموش تھا۔ یہاں تک کہ فون بھی خاموش تھا۔ ضیاء نے وہسکی نکال کر مجھے پیش کی، سگار کے کش لگائے اور چھت کے اس گول سوراخ کی طرف گھورنے لگا۔ جہاں سے پلاسٹر ٹوٹا ہوا تھا۔ باہر موسم طوفانی تھا اور بارش زوروں پر تھی اور ہوا کھڑکی کے شیشوں سے ٹکرا کر آواز پیدا کررہی تھی۔ ضیاء اس وقت مجھے ایک سہما ہوا سپاہی دکھائی دیا جو میدانِ جنگ کے صمات سے دوچار ہوچکا ہو۔ اس نے میری طرف دیکھا اور جنرل گل حسن اور ائیر مارشل (ریٹائرڈ) رحیم خان کے بارے میں باتیں کرنے لگا۔ ان دونوں نے اپنے عہدوں سے استعفے دے دیے تھے اور ضیاء چاہتا تھا کہ ان کے خلاف فوری طور پر کارروائی کی جائے۔ میں اسے سنتا رہا اور بالآخر میں نے کہا ''سپاہی کا کام تلوار چلانا ہے، شاعر کا قلم چلانا اور سیاستدان کا اصول وقوانین بنانا۔ تم اپنی فکر کرو۔ مجھے کیا کرنا ہے، یہ مجھ پر چھوڑ دو۔''

اس پر ضیاء مجھے بتلانے لگا کہ جنرل گل حسن اور ائر مارشل رحیم پیغمبر محمد ﷺ کی

www.bhutto.org

تعلیمات پر عمل کرنے میں ناکام رہے ہیں......

ابھی اس نے تقریر ختم نہیں کی تھی کہ میں نے مداخلت کی اور کہا کیا پیغمبرؐ خدا نے ان تمام آسائشوں کی اجازت دی تھی جو آج رات تم حاصل کر رہے ہو۔

جیسا کہ جنرل ضیاء ہمیشہ سے سمارٹ رہا ہے، وہ فوراً موضوع کا رخ بدل کر مجھے سعودی عرب کے معاشرے کے امن اور چین کے بارے میں بتلانے لگا اور کہا کہ اسلامی قوانین نے ان کی حالت بدلی ہے۔ میں نے اس روز بھی اور ایک سے زائد موقعوں پر جنرل ضیاء کو سمجھانے کی کوشش کی کہ اسلام کی تبلیغ کرنے والوں کے لئے سعودی عرب کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، لیکن پاکستان مسلمانوں کا ملک ضرور ہے، مگر اس کے مخصوص سیاسی، تاریخی، جغرافیائی اور معاشی حقائق ایسے ہیں کہ اس کو ایک بڑی تبدیلی مثلاً اسلامی قوانین کے نفاذ کے لئے تیار نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ یہ اس کے حسب حال نہیں ہیں۔

جنرل ٹکا اور جنرل ضیاء کا مشترکہ دباؤ

میں تسلیم کرتا ہوں کہ میری حکومت کی سماجی اور معاشی اصلاحات کا فائدہ 1977 کے انتخابات سے پہلے یا بعد میں عام آدمی تک نہیں پہنچ سکا، کیونکہ ہر وقت میری حکومت کو کوئی نہ کوئی مسئلہ درپیش رہا اور میں ان سیاسی عناصر سے نمٹنے میں مصروف رہا جو ملکی سلامتی کے خلاف کام کر رہے تھے۔ انتخابات کے بعد لاقانونیت پھیل گئی اور ملکی سلامتی خطرے میں پڑ گئی۔ اس موقع پر فوجی افسروں کا دباؤ مجھ پر بڑھنے لگا۔ ان فوجی افسروں میں آرمی چیف جنرل ضیاء کے ساتھ ساتھ میرے قومی سلامتی کے مشیر جنرل ٹکا خان بھی شامل تھے۔

میں حالات کو معمول پر لانا چاہتا تھا، اس لئے عوام سے تعاون کی پر زور اپیلیں کیں۔ میں نے مخالف سیاسی لیڈروں سے مذاکرات شروع کیے تاکہ بحران کا خاتمہ ہو، لیکن ان مذاکرات کا نتیجہ مزید خلفشار کی صورت میں نکلا، تاہم میں نے دل چھوٹا نہ کیا۔ میں متبادل طریقوں کی تلاش میں تھا اور میری اس تلاش کا آغاز ہوا ہی تھا کہ مجھے اقتدار سے نکال دیا گیا اور جیل بھیج دیا گیا۔

www.bhutto.org

عوام کو بیوقوف بنانے کی کوششیں

جنرل ضیاء ہمیشہ سے جمہوری اداروں کے خلاف رہا ہے۔ اس کے عزائم آمرانہ رہے ہیں اور اس نے کبھی اس اصول کو تسلیم نہیں کیا کہ تمام شہریوں کو برابر کے سیاسی حقوق ملنے چاہئیں۔ میں ہمیشہ ضیاء کو سمجھاتا تھا کہ اسلام کے فوائد صرف اس وقت حاصل ہو سکتے ہیں جب سیاسی نظام اور معاشی نظام کو مستحکم بنایا جائے۔ اس کی عدم موجودگی میں پاکستان کے لئے اسلامی نظام کو گلے لگانا مشکل ہوگا اور اس سلسلے میں زبردستی کا ملاپ اسی طرح کا ہوگا جس طرح کہ ایک ناراض بیل اور خوفزدہ گائے کا ملاپ ہوتا ہے۔ ایک ایسے وقت میں جبکہ پاکستان کو ذاتی خودغرضی سے پاک لیڈرشپ سے محروم کردیا گیا ہے، اسلام کو عوام کو بے وقوف بنانے کے لئے استعمال کیا جارہا ہے اور آخرکار اس نعرے کی اپیل ختم ہوجائے گی۔ جس کے نتائج زیادہ خوفناک ہوں گے۔

جیل سے اسمگلنگ

میں نصرت بھٹو کے جانے کے بعد جیل میں خود کو مطالعہ اور خطوط اور مضامین لکھنے میں مصروف رکھتا اور دو چھوٹے افسر اس سلسلے میں میری مدد کرتے تھے۔ اگرچہ جیل کے دوسرے سٹاف کے سامنے وہ ظاہر کرتے کہ مجھ سے اصول وقواعد کے مطابق بہت سختی سے پیش آرہے ہیں۔ ان دو افسروں کے ذریعے میں وہ تمام خطوط اور پیغامات سمگل کرواتا جو بعد میں سربراہانِ مملکت اور میری ذاتی دوستوں تک پہنچتے تھے، اسی طرح چین، سعودی عرب، لندن، لیبیا، شام، واشنگٹن، فرانس اور ایران سے میرے دوستوں کے جو خطوط آتے تھے، وہ بھی انہی جونئیر افسروں کے ذریعے مجھ تک پہنچتے تھے۔

میں نے بھارتی وزیراعظم مرارجی ڈیسائی کے نام کوئی خط نہیں لکھا۔ مجھے معلوم تھا کہ ڈیسائی اور جنرل ضیاء ایک افہام وتفہیم کے ذریعے اس سازش میں شریک ہوئے تھے کہ مجھے اقتدار سے نکالا جائے، اور یہ افہام وتفہیم امریکہ کے ذریعے ہوئی تھی، تاہم ڈیسائی کی مخالفت کے باوجود میں نے بھارت میں متعدد دوست تلاش کرنے میں کامیابی حاصل کرلی۔ نئی دہلی ہمیشہ میرے

www.bhutto.org

خلاف رہی، کیونکہ میں پاکستان کو مضبوط اور خوشحال دیکھنا چاہتا تھا، پاکستان اور دوسری دنیا کے درمیان تعلقات کی شاہراہیں بنا رہا تھا۔ کالونیول میں حریت پسندوں کی امداد کر رہا تھا اور مقبوضہ کشمیر کی کالونی بھی اس میں شامل تھی۔ پاکستان کے لئے ایٹمی ٹیکنالوجی کو ترقی دینا چاہتا تھا کہ ایک آزاد خارجہ پالیسی کو کامیاب کیا جائے اور ملک کی مسلح افواج کو مضبوط اور جدید بنیادوں پر استوار کیا جائے۔

بلوچستان کے لوگ

بلوچستان کے لوگ پاکستان کے شہری ہیں۔ وہ ہمیشہ سے سرکش رہے ہیں اور تہیہ کر چکے ہیں کہ وہ سب کچھ جو انہیں ماضی میں نہیں ملا، اب حاصل کر کے رہیں گے۔ وہ خودمختاری کے لئے اپنی خواہش پر قابو نہیں پا سکتے۔ ان کی خواہشات ظاہر ہیں۔ اس مرحلے پر اگر آپ ان کی خواہشات کو نظرانداز کریں گے تو ملکی سلامتی کو نقصان ہوگا۔

سرحد کے لوگ پاکستان کی اسلامی ریاست کے اچھے شہری ہیں، البتہ بدقسمتی سے ان کی اچھی طرح رہنمائی نہیں کی گئی اور کئی ایک مرتبہ انہیں گمراہ کیا گیا، تاہم ایسے موقعوں پر وہ خود بے قصور تھے، برسوں سے کسی نے ان کو صحیح طور پر نہیں سمجھا۔

افغانستان جنوبی یمن نہیں ہے۔ روس اور اس کے افغانستان میں ایجنٹ اسلحہ کی مدد سے کبھی افغانستان میں اپنے دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ دوستی کے دائرے آسمان سے نہیں ٹپکا کرتے۔ افغانستان کا قبائلی نظام ایسا نہیں جس پر آسانی سے حکومت کی جا سکے، ایسا سوچنا لوہے کے چنے چبانے کے برابر ہوگا، لہٰذا اپنی آزادی یا ان کا تحفظ کرنے کے لئے افغان قبائل ایک طویل عرصے تک اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے۔

مشرقی پاکستان کا مسئلہ

پہلے پہل تو یہ ہوا کہ یحییٰ خان جس میں ایک سیاستدان کی خوبیاں نہیں تھیں۔ مشرقی

www.bhutto.org

پاکستان کے داخلی، سیاسی اور معاشی مسائل سمجھنے میں ناکام رہا۔ وہ ایک ایسے گروپ کے نرغے میں پھنسا ہوا تھا جو اس کو مشورے دیتا تھا، لیکن یہ مشورے کسی موزوں اسٹریٹجی کو بنانے میں کامیاب نہ ہو سکتے تھے۔ یحییٰ خان نے طاقت کا استعمال کیا، اور اس کا خیال تھا کہ مشرقی پاکستان میں بڑھتی ہوئی ناراضگی کا یہ واحد حل ہے۔

یحییٰ کی پالیسی کا ایک سخت ردعمل یقینی تھا اور نتیجے میں پاکستان کے دونوں حصوں میں ناقابلِ عبور خلیج پیدا ہوگئی۔ مشرقی پاکستان کے لوگوں نے یحییٰ خان کے اس حکم کے خلاف کہ ان تمام افراد کو قتل کر دیا جائے جو مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے الگ کرنا چاہتے ہیں، لڑنے کا فیصلہ کیا۔ بالآخر یحییٰ خان کو وہاں سے بھاگنا پڑا۔ بھارت نے مشرقی پاکستان کے لوگوں کی مدد کے لئے اپنی باقاعدہ اور بے قاعدہ فوج بھیج کر ایک شرمناک کردار ادا کیا۔ بھارت کی مسلح مداخلت سے پاکستان کے خلاف اس کے جارحانہ عزائم کا ثبوت مل گیا۔

مشرقی پاکستان نے مغربی پاکستان سے علیحدہ ہو جانے کے بعد یحییٰ کا زوال آیا۔ بھارتی فوج نے بہت کوشش کی کہ بنگلہ دیش میں اپنے قدم مضبوط کر سکے اور پاکستان کے عوام کے لئے چیلنج بن جائے، مگر جلد ہی انہیں بنگلہ دیش کا سامنا کرنا پڑا۔ بھارت کی پوزیشن خراب ہوئی، مگر وہ اس کا مستحق تھا۔ بھارت وہ فصل کاٹنا چاہتا تھا جو اس نے بوئی ہی نہیں تھی۔ میری حکومت نے بنگلہ دیش کی حکومت سے دوستانہ تعلقات کی بنیاد رکھی، کیونکہ پاکستان اور بنگلہ دیش دونوں اسلام کے نام لیوا ہیں۔

پاک چین شاہراہ

جنرل ضیاء الحق یہ کہنے میں حق بجانب نہیں کہ پاکستان اور چین کے مابین دوستی کی شاہراہ کا پہلا سہرا اس کے سر ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ چین کو پاکستان سے ملانے والی سڑک بنانے کی دعوت اور درخواست میں نے کی تھی۔ 1959 میں جب پاکستان اور چین کے مابین ایک ایسی سڑک بنانے کے منصوبے کا خاکہ بنا جو ہر موسم میں کھلی رہے تو جنرل ضیاء کو شاید اس کے

www.bhutto.org

بارے میں علم تک نہ تھا۔ پاکستان کی خواہش تھی کہ سڑک بننے سے اس کے تعلقات چین سے گہرے ہوں، علاوہ ازیں اس علاقے میں چھپی ہوئی معدنیات کا سراغ لگایا جا سکے۔ مجھے چونکہ پاکستان کے شمالی علاقوں سے بہت دلچسپی تھی، اس لیے میں چین کو اس کام کے لئے غیر مشروط طور پر رضامند کرنے کے طریقے سوچتا رہا۔ آج یہ سڑک بن کر استعمال کے لئے کھل چکی ہے اور تمام دنیا کے ممالک میں سے بھارت اس پر سب سے زیادہ شور مچا رہا ہے، حالانکہ بھارت کو اس معاملے میں مداخلت کا کوئی حق نہیں پہنچتا، کیونکہ یہ سڑک پاکستان کا اندرونی معاملہ ہے، پاکستان کو بہرحال اس سے فائدہ ہوا ہے اور وہ چین کی قربت سے ہمیشہ فائدہ اٹھاتا رہے گا۔

روس، چین اور امریکہ

تاریخ کے ایک طالب علم کی حیثیت سے میں نے روس اور چین کے اندرونی نظام اور وہاں کے بدلتے ہوئے حالات کا بغور مطالعہ کیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ پاکستان کو صرف چین کی دوستی سے فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ پاکستان کے لوگ دنیا کے باقی حصوں سے الگ تھلگ نہیں رہ سکتے، لیکن پاکستانی عوام کو چیزوں کو ان کی اصل ماہیت میں دیکھنا ہوگا اور جغرافیئے کو کسی قیمت پر نظر انداز نہیں کرنا ہوگا۔

میں نہ امریکہ دشمن ہوں، نہ روس دشمن اور میں نے امریکہ اور روس دونوں کو پاکستان کا دوست بنانے کے لئے ان تھک محنت کی ہے، تاہم میں پاکستان میں بعض حلقوں کے اس رویے سے مطمئن نہیں ہوں جو انہوں نے روس یا امریکہ سے وابستہ ایجنسیوں کے تحت انتہا پسندی کو اپنا شعار بنا رکھا ہے۔ مثال کے طور پر جب میں نے یہ پڑھا کہ امریکہ، ایران میں روس کے بڑھتے ہوئے دباؤ کا مقابلہ کرنے میں دلچسپی نہیں لے رہا تو مجھے حیرت ہوئی۔ کیا کارٹر انتظامیہ اتنی ہی مصروف ہے کہ وہ ایران کو بھول ہی گئی۔

اندرا اور شملہ معاہدہ

پاکستان اور بھارت کے مابین چودہ روز جنگ کے بعد جو 1971 میں ہوئی، میں

www.bhutto.org

نے بھارت میں اپنے دوستوں کی تلاش شروع کی۔ پاکستان اور بھارت کے مابین مذاکرات شروع ہوئے۔ میں بھارتی وزیراعظم اندرا گاندھی سے مذاکرات کے لئے شملہ گیا۔ دونوں طرف سے ٹیموں نے مذاکرات میں حصہ لیا۔ اس دوران میں کبھی امید بندھ جاتی تو کبھی ناامیدی ہونے لگتی۔ میں نے مسز گاندھی اور ان کے مشیروں کو کشمیر کے مسئلے پر بہت سخت پایا۔ دوسری طرف میں بھی تاریخ اور جغرافیے کے حقائق کو پس پشت نہیں ڈال سکتا تھا۔

ایک روز میں اور مسز اندرا گاندھی نے دونوں ملکوں کے مشیروں کی عدم موجودگی میں بات چیت کی۔ میں نے محسوس کیا کہ مشیروں کا اس پر بہت دباؤ ہے۔ اس کے برعکس مجھے اپنے ساتھیوں کے مشورے کی ضرورت نہ تھی، کیونکہ میں مذاکرات میں مسئلہ کشمیر کے سلسلے میں پہلے ہی واضح موقف رکھتا تھا۔ اس روز میں نے محسوس کیا کہ بھارتی وزیراعظم کافی مشکل میں ہیں۔ مسز اندرا گاندھی نے تسلیم کیا کہ ان کی زبان اس حد تک بے حس ہو چکی ہے کہ چائے کی گرمی کا اندازہ ہی نہیں کرتی۔ آخر ڈیڈلاک نے ہمیں گھیر لیا۔ بات چیت تسلی بخش طور پر آگے نہیں بڑھ رہی تھی۔

میں بھی خوش نہیں تھا اور اپنے کمرے میں تنہا تھا جب ایک رات ڈی پی دھر نے جو بھارتی وفد کا رکن تھا، کمرے کے دروازے پر دستک دی اور بغیر پروگرام کے مجھ سے بات چیت کی۔ یہ میٹنگ نصف گھنٹے جاری رہی۔ ہم نے ان تمام بنیادی طریقوں کے بارے میں گفتگو کی جو ڈیڈلاک کا خاتمہ کر سکتے تھے۔ میرا اصرار تھا کہ مسئلہ کشمیر کو لازماً مذاکرات کا حصہ بنایا جائے۔

اگلے روز میں نے محسوس کیا کہ مسز گاندھی کافی مطمئن ہیں۔ اگرچہ ان کے دو مشیر مضطرب دکھائی دیتے تھے۔ پھر پاکستان اور بھارت کے مابین تعلقات کو معمول پر لانے کے سلسلے میں میری ان سے دو ملاقاتیں ہوئیں اور 2 جولائی 1972 کو شملہ کا معاہدہ عمل میں آ گیا اور یہ امر پاکستان اور اہل کشمیر کے لئے خوشی کا باعث تھا کہ بھارت نے کشمیر کو متنازعہ تسلیم کر لیا تھا۔

نہرو اور اندرا

مسز اندرا گاندھی اپنی پرلطف شخصیت کی وجہ سے مجھے پسند آئیں۔ میں ہمیشہ سے ان

www.bhutto.org

کے والد پنڈت نہرو کا مداح رہا ہوں کہ انہوں نے بھارت میں جمہوری ادارے بنانے میں بہت حصہ لیا اور مقبوضہ کشمیر کو چھوڑ کر باقی ملک میں انہوں نے بہت سے اچھے کام کئے، تاہم میں نے محسوس کیا کہ اگر پنڈت نہرو جمہوریت پسند تھے تو اپنے مزاج، طریق کار اور انداز و اطوار کی حیثیت سے اندرا ان کے برعکس تھیں۔ اندرا نے اپنے دورِ حکومت میں پاکستان کو دھمکانے میں کبھی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ میری بیگم نصرت اور بیٹی بے نظیر مسز گاندھی کے اس خلوص سے بہت مطمئن ہیں جو انہوں نے میرے لئے دکھایا، لیکن میں نے انہیں بتایا کہ یہ خلوص مسز گاندھی نے اس وقت ظاہر کیا جب انہیں بھارتی عوام نے انتخابات میں مسترد کر دیا۔

اپریل 1978 میں ایک برطانوی اخبار نے اندرا گاندھی کی ایمرجنسی کے دور کے بعض واقعات شائع کئے تو میں حیران رہ گیا اور یہ جان کر افسوس ہوا کہ جبری نس بندی کی مہم میں مسز گاندھی نے کس طرح اپنے لوگوں پر ظلم توڑا تھا۔

شاہ ایران اور اندرا گاندھی

بھارت کو ہمیشہ سے پاکستان پر بداعتمادی رہی ہے۔ 1975 میں شاہ ایران سے آر سی ڈی کے بارے میں گفتگو ہوئی۔ میں نے تجویز پیش کی کہ شاہ ایران کے بھارت کو بھی اس تنظیم میں لانے کے بارے میں سوچیں۔ نومبر 1975 میں جب پاکستان، خلیج کی ریاستوں اور فرانس کے مابین سہ فریقی مذاکرات اپنے آخری مراحل میں تھے کہ اسلحہ ساز فیکٹری کہاں اور کس طرح قائم ہوں تو اندرا گاندھی پاکستان پر برس پڑیں۔ حقیقت محض یہ تھی کہ فرانس کا خیال تھا کہ پاکستان اس خطے میں نہایت اہم رول ادا کر سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ایران اور ترکی کے ساتھ مشترکہ اسلحہ ساز فیکٹری کے قیام کی تجویز بھی زیر بحث آئی۔ ترکی اور پاکستان دونوں اس پوزیشن میں تھے کہ ہنر مند اشخاص دے سکیں اور عرب ممالک سے مالی امداد مل سکتی تھی۔ جس سے مغرب کی اسلحہ ساز فرموں سے تکنیک معاوضہ دیکر بھی خریدی جا سکتی تھی۔

www.bhutto.org

انہی دنوں ترکی کے صدر کورو ترک نے پاکستان کا دورہ کیا اور ان ملکوں کے تعلقات کے بارے میں مشترکہ اعلامیہ سامنے آیا تو نئی دہلی کی حکومت نے اس پر ناراضگی کا ردعمل ظاہر کیا۔ مسز گاندھی نے فوراً ایرانی سفیر سے ملاقات کی۔ اس ملاقات میں ایرانی سفیر نے شاہ ایران کا یہ پیغام مسز گاندھی تک پہنچایا کہ آر سی ڈی میں بھارت، افغانستان اور عراق کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔ اس پر مسز گاندھی نے کہا کہ وہ نہیں چاہتیں کہ دوسرے انہیں اپنی مرضی سے چلائیں۔ شاہ ایران یہ جواب پا کر حیران رہ گئے اور انہوں نے مجھے پیغام بھجوایا کہ مسز گاندھی چونکہ بھارت کو اپنی ذاتی جاگیر سمجھتی ہیں، لہذا اس نچڑے ہوئے لیموں پر مزید وقت یا توجہ برباد کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

شیخ عبداللہ کے بارے میں

شیخ عبداللہ نے مئی 1964 میں پاکستان کا دورہ کیا۔ اس وقت وہ بھارتی جیل سے رہا ہوئے تھے اور پنڈت نہرو کی باتوں میں آ کر خود کو بہت اونچا محسوس کر رہے تھے۔ پنڈت نہرو نے انہیں پاکستان بھیجا تھا تاکہ ایوب خان کو رام کر سکیں۔ تاہم میں نے ایوب خاں کو نہرو کی گیم سے آگاہ کر دیا تھا۔

شیخ عبداللہ نہ تو کبھی بھارت کا کوئی لیڈر رہا ہے نہ ہے۔ وہ جذباتی ہے اور خود پرست بھی۔ وہ کشمیر کے سلسلے میں کوئی برا بھلا سمجھوتہ کر کے پاکستان اور بھارت مابین تعلقات کی تعمیر کا ''معمار'' بننا چاہتا تھا، حالانکہ ایسا کرنے وقت وہ بھول گیا تھا کہ وہ ننگا ہو چکا ہے اور اس کی حرص اور اقتدار کا لالچ ظاہر ہو گیا ہے۔ تاہم ایوب خان نے اس کا استقبال کیا۔ اس نے ایوب خان کو منا لیا تھا کہ جون 1964 میں وہ بھارت کا دورہ کرے اور پنڈت نہرو سے کشمیر کے مسئلے سمیت تمام امور پر تبادلہ خیال کرے۔ نہرو کی اچانک موت نے شیخ عبداللہ کا سارا منصوبہ ناکام کر دیا اور آزاد کشمیر میں اپنا دورہ مختصر کر کے اسے واپس بھارت جانا پڑا تاکہ نہرو کے جنازے میں حصہ لے سکے۔

ہم جانتے تھے کہ بھارت اس سلسلے میں کیا چاہتا ہے۔ اس کی خواہش تھی کہ پاکستان اس کی طرف امید بھری نظروں سے دیکھے۔ بھارت اس وقت بھی اور ہمیشہ کشمیر پر اپنی مرضی

مسلط کرنے کا خواہشمند ہے، تاہم پاکستانی عوام نے کبھی ہتھیار نہیں پھینکے۔ وہ کشمیر کے بارے میں آج بھی اسی پالیسی پر گامزن ہیں کہ وہاں کے عوام کو ان کا حق ملے اور انہیں اسی پالیسی پر گامزن رہنا چاہئے۔

بھارت کے ساتھ کشمیر کا الحاق ہرگز آخری اور قطعی نہیں ہے اور کشمیری عوام نہ تو اس کی حمایت کرتے ہیں نہ اسے قبول کرتے ہیں۔ بھارت نے کشمیر پر اربوں روپے صرف کئے ہیں، لیکن کشمیریوں کی نفرت اور غصہ کم نہ ہو سکا۔ کشمیر میں مسلم آبادی کی اکثریت ہے اور وہ کبھی بھارت کے ساتھ مستقل الحاق کو پسند نہیں کر سکتے۔ عوام کی اکثریت بھارتی جارحیت کے خلاف ہے، البتہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض کشمیری لیڈر ایسے ہیں جن کا ضمیر مردہ ہو چکا ہے، بھارت کے روپے سے ان کے دل خرید لئے گئے ہیں اور شیخ عبداللہ ان میں سے ایک ہے اور اس شخص کی تمام تر کوشش کہ وہ کشمیریوں کے حقوق کا چیمپئن بنے، سراسر لغو اور بے ہودہ ہے۔ کشمیری مسلمانوں کو ایک فعال لیڈر شپ کی ضرورت ہے جو آزادی کی جدوجہد کو ایک نیا رنگ دے۔ انہیں اپنا پورا وزن اس تحریک کے حق میں ڈالنا ہو گا کیونکہ کشمیر کے مستقبل کے ساتھ ان کا مستقبل وابستہ ہے۔

ایٹم بم بنے گا

ہمارے امریکی دوستوں نے شروع ہی سے میرے اس منصوبے کی مخالفت کی تھی کہ پاکستان کو ایٹمی توانائی حاصل کرنی چاہئے، لیکن میں تہیہ کر چکا تھا کہ ایسا کرنا ضروری ہے۔ میں نے فرانس اور چین سے رابطہ قائم کیا تا کہ ان سے تعاون حاصل کیا جائے۔ ان کا طرز عمل تعاون پر مبنی تھا۔ فرانس سے سمجھوتہ اور چین کا تعاون دیکھ کر امریکہ شدید ناراض ہوا اور پاکستان کو دھمکیاں ملنے لگیں، لیکن مجھے یقین ہے کہ پاکستان اٹامک انرجی کمیشن امریکہ سے خوفزدہ نہیں ہو گا اور پاکستان یہ ٹیکنالوجی حاصل کر کے رہے گا۔ جیسا کہ میں نے بعض امریکیوں کو بتایا تھا جن میں ڈاکٹر کسنجر بھی شامل تھے، انہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ پاکستان کی سالمیت اور تحفظ کے لئے اس کے کسی اقدام میں مداخلت کریں۔

www.bhutto.org

آج پوزیشن یہ ہے کہ 15 فیصد کام اور فرانسی اور چینی تعاون سے منصوبے کا بیشتر حصہ مکمل ہو چکا ہے اور ہم عنقریب یہ دکھانے میں کامیاب ہو سکتے ہیں کہ ہم بھی ایٹمی دھماکہ کر سکتے ہیں۔ میرے ملک کے عوام کی خواہش تھی کہ میری حکومت اس کام کو مکمل کرے، تاہم بھارتی لیڈروں کو شور نہیں مچانا چاہئے اور یقین رکھنا چاہئے کہ پاکستان ایک نہ ایک دن ضرور ایٹمی دھماکہ کرے گا......،

شاہ ایران اور خمینی

ایک روز اپنی تنہائی میں اچانک مجھے پریشانی نے آ گھیرا۔ اپنے دوست شاہ ایران کا خیال آتے ہی میں نے اپنا سر پکڑ لیا۔ جیسا کہ اس جنونی مذہبی ملا خمینی نے اعلان کیا ہے۔ ایران شاید اس طرح اسلامی جمہوریہ نہ بن سکے جس طرح سعودی عرب یا لیبیا میں سنی مسلمانوں کی حکومتیں ہیں۔ شاہ اب ایران میں نہیں رہے، لیکن ان کے حامی اور مداح ابھی تک وہاں ہیں۔ مسلح افواج میں بھی ان کی اکثریت ہے۔ وہ ابھی تک اپنے وطن میں ہیں۔ ملا خمینی کے لئے ایران میں امن وامان قائم کرنا اتنا آسان نہیں ہوگا جتنا کہ وہ سمجھتے ہیں۔

پاکستان اور سعودی عرب

شاید آپ کو معلوم نہیں کہ چین ہی میں نہیں سعودی عرب میں بھی میرے نہایت اچھے دوست ہیں۔ وزیر اعظم کی حیثیت سے میں نے پاکستان اور سعودی عرب کے مابین گہرے تعلقات قائم کئے ہیں۔ پاکستان اور سعودی عرب کے مابین یہ طے پا چکا ہے کہ دونوں ملک ایک دوسرے کے دفاع کو مضبوط بنانے کے لئے کوشش کریں گے اور بالآخر مسلم بلاک کی تشکیل کی طرف بڑھیں گے۔ اس افہام وتفہیم کے نتیجے میں پاکستان کو اپنی مسلح افواج کے موثر سامان خریدنے کے لئے سعودی عرب مالی امداد فراہم کرے گا۔

www.bhutto.org

روس کی پیاس

میں چاہتا ہوں کہ دنیا کے مسلمان ممالک کو اس نوٹ کے ذریعے خبردار کروں کہ غیر مسلم طاقتوں کے ایک بلاک کی طرف سے انہیں کیا خطرات لاحق ہیں۔ میں مسلم حکومتوں کو متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ بعض طاقتیں بالخصوص سوویت یونین کے کمیونسٹ حکمران بہت سے ایسے مقامات سے بھی فصل کاٹنا چاہتے ہیں جہاں انہوں نے سرے سے کچھ بویا نہیں تھا۔

افغانستان میں بیرونی طاقتوں کی یلغار، غیر ایرانیوں کی امداد سے شاہ ایران کو ملک سے نکالنے کی سازش اور سعودی عرب کی طرف سے روس کے ہتھکنڈوں سے خبردار رہنے کی تنبیہ ان تمام خواہشات کی جھلکیاں ہیں جو روسی رہنما، ایشیا اور افریقہ بالخصوص انگولا، ایتھوپیا اور مشرق وسطیٰ کے بارے میں اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں۔

جیسا کہ میں محسوس کرتا ہوں کہ، افغانستان کمیونسٹوں کے زیر نگین آ چکا ہے اور اب پاکستان کے اندر کشمکش کا آغاز ہونے والا ہے، کیونکہ روسی اثر خیبر تک آ گیا ہے، روسی، بحر ہند کے گرم پانی تک بلوچستان کے راستے پہنچنے کے لئے اس طرح ترس رہے ہیں جس طرح صحرا میں اونٹ پانی کے لئے ترستا ہے۔ افغانستان کی چوٹیاں جو خیبر کے پہاڑوں سے زیادہ اونچی ہیں، پاکستان کے علاقے پشاور کی طرف نصب توپوں کے دھانے ہیں جو کسی وقت بھی کھل سکتے ہیں۔

(27 جون 1979)

www.bhutto.org

بنیادی حوالے

1- ٹائمز، لندن

2- دی انڈیا ٹوڈے

3- ٹائمز آف انڈیا

4- ایشیا ویک

5- دی اکنامسٹ

6- نیوز ویک

7- نیویارک ٹائمز

8- کرسچین مونیٹر

9- فائنانشل ٹائمز

10- لےنوویل آبزرویٹر

11- اسٹیٹمین، انڈیا

12- عرب نیوز، جدہ

13- ڈیلی ٹیلیگراف

14- دی جاپان ٹائمز

15- بنگلہ دیش ٹائمز

www.bhutto.org

16- وائس آف کشمیر انٹرنیشنل (لندن)

17- روزنامہ اجیت، جالندھر

18- بلٹز، بمبئی

19- گارجین، لندن

20- ڈیلی آبزرور

21- فار ایسٹرن اکنامک ریویو

22- انٹرنیشنل ہیرالڈ ٹرائیبون

23- کویت ٹائمز

24- دس فورٹ نائٹ، نئی دہلی

25- سن ٹائمز شکاگو

26- ماینچی ڈیلی

27- سنڈے، آنندا بازار پتریکا کلکتہ

28- واشنگٹن پوسٹ

29- اسپیکٹیٹر

30- روزنامہ فرنٹیئر پوسٹ

ثانوی حوالے

31- ہفت روزہ 'الفتح'، کراچی

32- ہفت روزہ 'بادبان'، لاہور

33- ہفت روزہ 'صحافت'، لاہور

34- پندرہ روزہ 'قافلہ'، لاہور

www.bhutto.org